نوائے افغان جہاد

برِّصغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

رجب ۱۴۴۱ھ — مارچ ۲۰۲۰ء

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

فتحِ مبین نمبر

امارتِ اسلامیہ افغانستان کی قیادت میں امتِ مسلمہ کی فتح پر خاص شمارہ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً!

بلاشبہ ہم نے تمہیں کھلی فتح عطا کی ہے!

امیر المومنین سیدنا عمرفاروق رضی اللہ عنہ

کی حسنِ معاشرت کے بنیادی اسباب بیان کرتی حکمت ودانائی بھری ہدایات

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے لیے اٹھارہ باتیں مقرر کیں جو سب کی سب حکمت ودانائی کی باتیں تھیں، انہوں نے فرمایا:

۱) جو تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے تم اسے اس جیسی کوئی سزا نہیں دے سکتے کہ تم اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ ۲) اپنے بھائی کی بات کو کسی اچھے رخ کی طرف لے جانے کی پوری کوشش کرو، ہاں اگر وہ بات ہی ایسی ہو کہ اسے اچھے رخ کی طرف لے جانے کی تم کوئی صورت نہ بنا سکو تو اور بات ہے۔ ۳) مسلمان کی زبان سے جو بول بھی نکلا ہے اور تم اس کا کوئی بھی خیر کا مطلب نکال سکتے ہو تو اس سے برے مطلب کا گمان نہ کرو۔ ۴) جو آدمی خود ایسے کام کرتا ہے جس سے دوسروں کو بدگمانی کا موقع ملے تو وہ اپنے سے بدگمانی کرنے والے کو ہرگز ملامت نہ کرے۔ ۵) جو اپنے راز چھپائے گا اختیار اس کے ہاتھ میں رہے گا۔ ۶) سچے بھائیوں کے ساتھ رہنے کو لازم پکڑو، ان کے سایۂ خیر میں زندگی گزارو کیونکہ وسعت اور اچھے حالات میں وہ لوگ تمہارے لیے زینت کا ذریعہ اور مصیبت میں حفاظت کا سامان ہوں گے۔ ۷) ہمیشہ سچ بولو چاہے سچ بولنے سے جان ہی چلی جائے۔ ۸) بے فائدہ اور بے کار کاموں میں نہ لگو۔ ۹) جو بات ابھی پیش نہیں آئی اس کے بارے میں مت پوچھو کیونکہ جو پیش آ چکا ہے اس کے تقاضوں سے ہی کہاں فرصت مل سکتی ہے۔ ۱۰) اپنی حاجت اس کے پاس نہ لے جاؤ جو یہ نہیں چاہتا کہ تم اس میں کامیاب ہو جاؤ۔ ۱۱) جھوٹی قسموں کو ہلکا نہ سمجھو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کر دیں گے۔ ۱۲) بدکاروں کے ساتھ نہ رہو ورنہ تم اس سے بدکاری سیکھ لو گے۔ ۱۳) اپنے دشمن سے الگ رہو۔ ۱۴)۔ اپنے دوست سے بھی چوکنے رہو لیکن اگر وہ امانت دار ہے تو اس کی ضرورت نہیں اور امانت دار صرف وہی ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو۔ ۱۵) قبرستان میں جا کر خشوع اختیار کرو۔ ۱۶) جب اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا کام کرو تو عاجزی اور تواضع اختیار کرو۔ ۱۷) جب اللہ کی نافرمانی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو۔ ۱۸) اپنے تمام امور میں ان لوگوں سے مشورہ کیا کرو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (سورۂ فاطر:۲۸)

'اللہ تعالیٰ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔'

(ابنِ عساکر ابن النجار)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نوائے افغان جہاد

جلد نمبر: ۱۳، شمارہ نمبر: ۳

رجب ۱۴۴۱ھ | مارچ ۲۰۲۰ء

بحمد اللہ...... مسلسل اشاعت کا تیرہواں (۱۳) سال!

افغانستان
کشمیر
پاکستان
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
بنگلہ دیش
برما
ہندوستان

مخبرِ صادق محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت میں دو گروہ ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے آگ سے محفوظ کر دیا ہے۔ ایک گروہ ہند پر چڑھائی کرے گا اور دوسرا گروہ جو عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔'' (مسندِ احمد)

اس شمارے میں

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے: editor@nawaiafghan.com

www.nawaiafghan.com
www.nawai.co/Twitter
www.nawai.co/Channel
www.nawai.co/Bot

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے

قارئینِ کرام!

عصرِ حاضر کی سب سے بڑی صلیبی جنگ جاری ہے۔ اس میں ابلاغ کی تمام سہولیات اور اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے تمام ذرائع، نظامِ کفر اور اس کے پیروؤں کے زیرِ تسلط ہیں۔ ان کے تجزیوں اور تبصروں سے اکثر اوقات مخلص مسلمانوں میں مایوسی اور ابہام پھیلتا ہے، اس کا سدِ باب کرنے کی ایک کوشش کا نام 'نوائے افغان جہاد' ہے۔

نوائے افغان جہاد:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- عالمی جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالَمِ پیر مر رہا ہے!

اداریہ

”بے شک اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے ہم سے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے اور دوسرا وعدہ بش کا ہے جو کہتا ہے کہ ہمیں شکست دے گا۔ دیکھتے ہیں کہ کس کا وعدہ سچا ہے اور اللہ کا وعدہ عنقریب سچ ہو کر رہے گا!“

یہ الفاظ قرونِ اولیٰ کے کسی شخص کے معلوم ہوتے ہیں، لیکن یہ الفاظ پندرہویں صدی ہجری اور اکیسویں صدی عیسوی میں بستے، مادے کی نظر سے حالات و واقعات کو دیکھنے والے زمانے میں ایک مردِ درویش کے قلب و زبان سے ظاہر ہوئے ہیں، ثلۃٌ من الاولین و قلیلٌ من الآخرین[1]۔

رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بہت سے لوگ ایسے ہیں جو (بظاہر تو) پراگندہ بال نظر آتے ہیں...... لیکن (اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایسے مقبول ہیں کہ) اگر وہ بحالتِ ناز (اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر) قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کرے۔“[2]

ہمارے گمان میں امیر المومنین، عمرِ ثالث، بت شکن، الناصر لدین اللہ، ملا محمد عمر مجاہد ایسے ہی آدمی تھے...... نوّر اللہ مرقدہٗ!

بش جب دنیا کے چالیس سے زائد صلیبی ممالک کے جھنڈوں کے ساتھ لاکھوں کی فوج اور کھرب ہا کھرب ڈالر کے وسائل کے ہمراہ ’اسلام‘ کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے یا اس کی الٰہی و نبوی تعبیر بدلنے کے لیے نکلا تھا، تو دنیا کو دنیا ہی کی نظر سے دیکھنے والوں کا گمان کہاں تھا کہ اس کے بالمقابل لشکر کا خاک نشین سپہ سالار ملا عمر اور اس کے طالبان ساتھی، اللہ کی نصرت سے اس صلیبی لشکر کو ایسی ہزیمت سے دوچار کریں گے...... جس ہزیمت کا منظر آج (۲۰۲۰ء میں) ساری دنیا کے سامنے ہویدا ہے۔ اہلِ دنیا تو اہلِ دنیا...... ایمان کا اقرار کرنے والوں نے بھی...... جب امریکہ، نیٹو اور ان کے نان نیٹو اور فرنٹ لائن اتحادیوں کے ٹڈی دَل کو دیکھا تھا کہ وہ دائیں سے بھی آئے اور بائیں سے بھی، سمندر ان کے اور اس میں تیرتے جہاز ان کے، فضائیں اور ہوائیں ان کی اور ان میں غوطہ زن طیارے ان کے، غرض دشمن اوپر نیچے آگے پیچھے ہر جگہ سے حملہ آور ہوا تھا...... تو ان کے دِل ایک لمحے کو حلق میں آگئے تھے، لیکن یہ تھے اہلِ ایمان ہی، انہیں ساتھ ہی وہ وعدہ بھی یاد آگیا کہ ’الا انّ نصرَ اللّٰہ قریب!‘ اور پھر وہ منظر سج گیا کہ ’ولمّا راء المؤمنون الاحزاب، قالوا: ہٰذا ما وعدنا اللّٰہ و رسولہ، و صدق اللّٰہ و رسولہ، وما زادہم الّا ایمانًا و تسلیمًا‘[3]!

ساتھ میں اہلِ نفاق کی حالت بھی بیانِ قرآن سے مختلف نہ تھی کہ ’یقول المنافقون والذین فی قلوبہم مرضٌ: ما وعدنا اللّٰہ و رسولہٗ الّا غرورا‘[4]۔ اور کفر کے لشکرِ جرار، ٹڈی دَلوں کو دیکھ کر ان اہلِ نفاق نے کفر کی طرف دوڑ کر، بسر و چشم، قلابازیاں لگا کر ’ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ‘ کا موٹو رکھنے کے ساتھ فرنٹ لائن اتحادی

---

[1] ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝ (سورۃ الواقعۃ: ۱۳-۱۴)

”وہ اگلوں میں سے بہت ہوں گے۔ اور پچھلوں میں سے کم۔“

[2] صحیح مسلم شریف۔

[3] وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۝ (سورۃ الاحزاب: ۲۲)

”اور سچے مومنوں (کا حال اس وقت یہ تھا کہ جب انہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ یہ وہی چیز ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا۔ اور اس واقعے نے ان کے ایمان اور تابع داری کے جذبے میں اور اضافہ کر دیا تھا۔“

[4] وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝ (سورۃ الاحزاب: ۱۲)

”اور یاد کرو جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے، یہ کہہ رہے تھے کہ ’اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا ہے وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں‘۔“

ہونے کا 'اعزاز' سینے پر 'سجایا' اور کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے نہیں وعدہ کیا سوائے دھوکے کے اور اپنے فضائی اڈے، سمندر، فضا و زمین اور اپنی جانیں اور مال...... سب کچھ راہِ صلیب میں پیش کر دیے۔ فرنٹ لائن اتحادیوں کے سرغنہ [1] نے کہا کہ 'جب طوفان چل رہا ہو تو سر کو جھکا لینا چاہیے، کہیں سر ہی نہ اڑ جائے'۔

اور حزب اللہ، اللہ کے دھڑے والوں نے کہا تھا کہ خدایا! ہمارے پاس ایک ہی سر ہے یہ تیرے راستے میں کٹ جائے، اڑ جائے لیکن تیرا دین اور تیرے نبی ﷺ کی شریعت سلامت رہے۔ پھر صحابہؓ کی روحانی اولادوں نے سرفروشی، حمیتِ اسلامی اور غیرتِ ایمانی کی داستان کو مزید طول عطا کی۔ بلاشبہ یہ اللہ کے محبوب رسول کی امت کا اعجاز ہے، صلی اللہ علیہ وسلم......

سلام اسؐ پر کہ جسؐ کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ جو اللہ کے لیے لوگوں کی ناراضی کو مول لیتا ہے اللہ اس سے راضی ہو جاتے ہیں، پھر اللہ اپنی مخلوق میں بھی اس کی رضا و محبت رکھ دیتے ہیں لیکن جو لوگوں کی خاطر اللہ کو ناراض کرتا ہے، اللہ کے احکام سے روگردانی کرتا ہے اس پر اللہ بھی غضب ناک ہوتا ہے اور اللہ کی مخلوق بھی اس سے مبغوضیت کا رشتہ رکھتی ہے۔ ملا عمرؒ نے اللہ کے لیے دنیا کیا، اہلِ ایمان بلکہ جب اہلِ ایمان کے بعض علمائے کرام نے بھی مصلحت کو ملحوظ رکھنے کا کہا تو ان کی بات نہ مانی، اللہ کی شریعت اور محبوبؐ کی سنت کو مقدم رکھا، پھر اللہ بھی ان سے راضی ہو گیا (نحسبه كذلك) اور اللہ کی مخلوق میں عصرِ رواں میں ملا عمر سے زیادہ کون محبوب ہے؟

جنہوں نے اللہ کی رضا پر امریکہ کی رضا کو مقدم رکھا آج وہ بطورِ طائفہ بھی اور بطورِ اشخاص بھی نشانِ عبرت ہیں...... پرویز مشرف ہی کی حالت دیکھیے کہ ایریل شیرون سا انجام بسببِ مرض ہو چکا ہے اور اس کو جاننے والے اہلِ ایمان میں اس سے زیادہ عصرِ رواں کا مبغوض تر کوئی ہے؟

ملا عمر، ملا اختر منصور اور شیخ ہبۃ اللہ نے بش، اوبامہ اور ٹرمپ کو نبوی منہج اور نبوی تلوار سے ہانکا تو نتیجہ احدی الحسنیین میں سے بعض کے لیے صورتِ لقائے ربّ العالمین؛ شہادت ظاہر ہوا اور کوئی فتح و ظفر سے نوازا گیا۔

مشرف، زرداری، کیانی، نواز شریف اور عمران خان و باجوہ نے بش، اوبامہ اور ٹرمپ سے وہ تعلق بنایا جو صادق از بنگال اور جعفر از دکن نے فرنگی انگریز کے ساتھ قائم کیا تھا۔ نتیجہ میر صادق و میر جعفر جیسا سامنے ہے کہ 'آقا' نے دھتکار دیا۔ ٹرمپ ہندوستان میں اترتا ہے تین بلین ڈالر کا عسکری معاہدہ مودی سے کرتا ہے اور عمران خان کو 'peanuts' بھی نہیں دیتا، بلکہ ڈیووس میں ورلڈ اکنامک فورم میں ٹرخا کر کہتا ہے کہ ان سے یہیں ملاقات ہو چکی تو اب پاکستان جانے کی کیا ضرورت؟ جس کشمیر کی بھیک یہ عمران خان و شاہ محمود قریشی مانگ رہے تھے، دوسرے لفظوں میں انہیں شٹ اَپ کال دی گئی ہے کہ یہ بھیک مانگنا بند کرو تمہاری کریہہ آواز و مطالبات سے 'آقا' کی طبیعت بگڑتی ہے! نتیجہ بس خسر الدنیا والآخرۃ، دنیا و آخرت میں رسوائی ہے!

امریکہ افغانستان میں 'آپریشن بقائے حریت (Operation Enduring Freedom)' شروع کر کے دو ہفتے میں طالبان اور القاعدہ کو ان کے بوریے بستر سمیت گول کرنے کا دعوے دار تھا...... لیکن تاریخ شاہد ہے کہ دو دہائیوں کے بعد یہی امریکہ گھٹنے ٹیک، رکوع و سجود کی حالت میں انہی مجاہدینِ امت کے سامنے ہے...... اپنی معیشت کی بقا، اپنی زندگی کے دوام کی بھیک مانگتے ہوئے مذاکرات کے بعد ایک معاہدہ کر کے راہِ فرار پر پوری رفتار سے روانہ ہے۔

[1] پرویز مشرف

۵ رجب ۱۴۴۱ھ بمطابق ۲۹ فروری ۲۰۲۰ء کو جزیرۂ عرب کے ملکِ قطر کے دار الحکومت دوحہ میں، بموقعۂ امارت و امریکہ معاہدہ، امریکی وزیرِ خارجہ مائیک پومپیو کی تقریر کہ یہ الفاظ لائقِ توجہ ہیں:

"We recognize we should not fight in perpetuity in the graveyard of empires."

''ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہمیں سلطنتوں کے قبرستان میں ہمیشہ کے لیے لڑنا نہیں چاہیے۔''

لائقِ توجہ بات یہ ہے کہ اس زمین کو 'سلطنتوں کا قبرستان' جس چیز نے بنایا ہے، وہ ایمان کی طاقت و فراوانی ہے۔ برطانیۂ عظمیٰ کا غرور قندھار و کابل میں ایمان کی تلوار نے توڑا، یو ایس ایس آر (سوویت روس) کو یہاں کی بارودِ ایمان سے بھری تھری ناٹ تھری بندوقوں نے خاک چٹائی اور اس روس سے چھینی چند کلاشنکوفوں سے ایمان نے ہی معلوم تاریخِ انسانی کی سب سے بڑی قوت امریکہ (جو سمندروں میں بھی ہے، ہواؤں میں بھی، زمین پر بھی بلکہ خلا میں بھی حاکمیت کا دعویٰ کرتی ہے) کو تہس نہس کیا ہے!

قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں تکبیروں کے نعرے ہم نے کتابوں میں بلند ہوتے 'سنے' تھے، لیکن صحابہؓ کے روحانی وارثوں نے آج امریکی پیسے سے تعمیر شدہ 'محلات' جن میں امریکی مفادات سے متمتع ہونے والے ہی اکثر ٹھہرا کرتے ہیں[1]، میں تکبیر کے نعرے اس معاہدے پر دستخط کی تقریب کے بعد بلند کیے۔ مردِ درویش ملا عبد الغنی برادر اور زلمے خلیل زاد جب رسماً معاہدہ کر لیتے ہیں تو دنیا بھر کے عہدے دار و ایلچی، سفیر و وزیر اس معاہدے کو 'مناتے' ہوئے تالیاں بجانے لگتے ہیں کہ 'انسانوں' نے کیسا ہی اچھا معاہدہ کیا، جس سے امن قائم ہو گا۔ لیکن یہاں اکثریت میں موجود ان تالیاں پیٹنے والوں کی 'آوازِ تالی'، تائیدِ غیبی رکھنے والی آوازِ تکبیر میں دب جاتی ہے...... یہ تکبیریں بلند کرنے والے کہہ رہے 'اِنِ الحکم اِلّا للّٰہ' اور 'فَاِنَّ العِزۃَ للّٰہ جمیعاً'...... اور زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ کل جب ہم ہلمند و قندھار کے صحراؤں اور دشتوں میں اور غزنی و کابل کے پہاڑوں میں قتل ہو رہے تھے اور ہمارا خون خاک آلود ہو رہا تھا تو کل بھی ہم ہی معزز تھے اور آج جب تم ہمارے سامنے سرنگوں ہو کر اس نامۂ ذلت پر دستخط کر رہے ہو تو آج بھی ہم ہی معزز ہیں کہ ہم اس کے ماننے والے ہیں جو عزت کا اصل مالک ہے!

یہ شعر جو صحابہؓ کے لیے کہا گیا تھا، صحابہؓ کی اس روحانی اولاد پر بھی صد فیصد صادق آتا ہے کہ:

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا، زورِ حیدرؓ، فقرِ بو ذرؓ، صدقِ سلمانیؓ!

کل جنہوں نے اہلِ اسلام کے 'اکابر' کو آٹھ سال اپنے عقوبت خانوں میں قید رکھا تھا، آج انہیں کا ڈی جی اور انہیں کا وزیرِ خارجہ 'چشمِ ما روشن، دلِ ما شاد، خوش آمدید' کہتے ہوئے ان کا استقبال کر رہے ہیں[2]۔ جنہوں نے رعونت میں ان اللہ والوں کو چیونٹی سے زیادہ حقیر کہا تھا آج فرعون کی طرح موسیٰ علیہ السلام کے متبعین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں سے امن، امن، رحم، رحم کی بھیک مانگ رہے ہیں۔

---

[1] یہ تقریب شیریٹن ہوٹل میں منعقد ہوئی جو معروف امریکی ملٹی نیشنل چین ہے۔

[2] امیر المومنین شیخ ہبۃ اللہ اخندزادہ کے نائب برائے امورہائے سیاسی، الحاج ملا عبد الغنی برادر آئی ایس آئی کی قید میں آٹھ سال رہے اور بعد ازاں انہیں کا استقبال اسلام آباد میں ڈی جی آئی ایس آئی لیفٹیننٹ جنرل فیض حمید اور وزیرِ خارجہ شاہ محمود قریشی نے کیا۔ اس ملاقات میں پاکستانی حکام امارت کے مسئولین کی منت سماجت کرتے رہے کہ وہ زلمے خلیل زاد سے ملاقات کر لیں۔

قریب ہے وہ وقت جب اللہ والے انہیں خِطوں سے اٹھیں گے، ان کے پاس سیاہ پرچم ہوں گے، سیاہ پگڑیاں ان کے سر پر ہوں گی اور وہ ہر کفر وضلالت کے لشکر کو روندتے جائیں گے، کوئی ان کو روک نہ سکے گا یہاں تک کہ یہ اللہ والے، یہ درویش صفت، یہ صحرائی و کہستانی، اللہ کے کلمے والے پرچموں کو ایلیا[1] میں نصب کر دیں گے۔

دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں کہ اللہ والے اٹھ رہے ہیں...... غزوۂ ہند کی رزم گاہ سج رہی ہے، آج کشمیر و ہند کے مسلمانوں کو تاراج کرنے والے اپنے 'محسن' بھی اور پرائے 'ظالم' بھی، 'بھلی کرو سرکار، بھلی کرو مہاراج' کہہ کر پیروں میں گر رہے ہیں، یہ بھارت ماتا کے بیٹے، یہ راجے، یہ پنڈت، یہ برہمن، یہ سندھ و ہند کے حاکم بیڑیوں زنجیروں میں جکڑ کر لائے جا رہے ہیں۔

امتِ مسلمہ کا مظلوم اور ظلم وجور میں پِستا کل گزر چکا ہے، آج اور آنے والا کل یہی پیغام دے رہا ہے، کہ:

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالَمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ!

◆◆◆◆◆

---

[1] یروشلم

اہم اعلان

برِّصغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

نوائے غزوۂ ہند

امارتِ اسلامیہ افغانستان کی اطاعت، نصرت اور اس عظیم قافلے سے اٹھتا نفاذِ شریعت کا مبارک پیغام عام کرنا ہم اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ اس ذمہ داری کی ادائیگی ہم پر لازم ہے اور چونکہ ہمارے مخاطبین برِّصغیر کے اہلِ ایمان ہیں، نیز برِّصغیر وہ سرزمین ہے جہاں وہ معرکہ بپا ہونا ہے، جس کی پیشین گوئی 'غزوۂ ہند' کی صورت میں احادیثِ مبارکہ میں موجود ہے...... پھر پورے برِّصغیر میں اللہ کے دین کو غالب کرنے اور مظلوم مسلمانوں کی نصرت کے لیے یہاں دعوت و جہاد کی تحریک بپا کرنا شرعی فریضہ بھی ہے۔

لہٰذا، مجلّہ 'نوائے افغان جہاد' کا نام مارچ ۲۰۲۰ء کے 'فتحِ مبین نمبر' کے بعد تبدیل کر کے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک الہامی پیشین گوئی ہی کے پیشِ نظر 'نوائے غزوۂ ہند' رکھا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ امارتِ اسلامیہ افغانستان کی مدد و نصرت فرمائیں اور ہمیں اس کے لشکر کا سپاہی و پاسبان بنائے رکھیں۔ اللہ پاک برِّصغیر میں دعوت و جہاد کی مبارک محنت میں ہمیں قبول کر لیں اور اس مبارک جدوجہد کے ذریعے اسلام کی وہ بہاریں لائیں، جس کی خاطر سیّد احمد شہیدؒ نے برِّصغیر میں دعوت و جہاد کا عظمت و عزیمت والا معرکہ بپا کیا تھا۔

مخبرِ صادق محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت میں دو گروہ ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے آگ سے محفوظ کر دیا ہے۔

ایک گروہ ہند پر چڑھائی کرے گا اور دوسرا گروہ جو عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔'' (مسندِ احمدؒ)

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت کے کچھ لوگ ہند کے خلاف جنگ کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کو فتح عطا فرمائے گا،

حتیٰ کہ وہ ہند کے بادشاہوں (حاکموں) کو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے پائیں گے، اللہ ان مجاہدین کی مغفرت فرمائے گا۔

(اور) جب وہ شام کی طرف پلٹیں گے تو عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام کو وہاں پائیں گے۔'' (الفتن از امام نعیم بن حمادؒ)

نوائے افغان جہاد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حقیقت

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوّر اللہ مرقدہٗ

67۔وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَاَبِیْ خَلَّادٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَاَیْتُمُ الْعَبَدَ یُعْطٰی زُھْدًا فِی الدُّنْیَا وَقِلَّۃَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوْا مِنْہُ فَاِنَّہٗ یُلْقَی الْحِکْمَۃُ۔ رَوَاھُمَا الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابو خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم دیکھو کہ کسی بندے کو دنیا میں زہد (یعنی دنیا سے بے رغبتی) اور کم گوئی عطا کی گئی ہے تو اس سے قربت حاصل کرو اس لیے کہ اس کو حکمت سکھائی گئی اور دی گئی ہے۔

تشریح: بعض روایت میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب لوگوں سے عقل مند کون ہے؟ ارشاد فرمایا کہ جو موت کو بہت یاد کرتا ہے اور موت کے بعد کے لیے بہت مستعد رہتا ہے۔ اس حدیث شریف میں حکمت سے مراد نیک کرداری اور راست گفتاری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

ترجمہ: جس شخص کو حکمت دی گئی وہ بے شک خیر کثیر دیا گیا۔

اور ان ہی کو عالم باعمل مخلص کامل کہتے ہیں۔ پس ہر شخص پر ایسے بندوں کی صحبت واجب ہے۔ بعض عارفین نے فرمایا کہ ہم نشینی اختیار کرو اللہ تعالیٰ کی اور اگر اس کی صلاحیت اور طاقت نہ ہو تو ان لوگوں کی ہم نشینی اختیار کرو جو اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی اختیار کرتے ہیں اور علامت ایسے ولی اللہ کی یہ ہے کہ وہ اپنے پاس بیٹھنے والوں کے دلوں کو دنیا سے بے رغبت کرے یعنی مال وجاہ کی محبت سے دلوں کو پاک کرے اور توشۂ آخرت کی فکر دلوں میں پیدا کرے ایسا شخص عارف ہے اور نائب ہے پیغمبر علیہ السلام کا۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کا دیدار اور صحبت اور خدمت ہم سب کو عطا فرمائیں۔ آمین

باب: فقرا کی فضیلت اور نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی معاشرت کا بیان

فصل اول

اس باب میں فقر کے شرف وفضیلت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ معاشرت کے متعلق احادیث منقول ہیں۔ ''فقیر صابر بہتر ہے یا غنی شاکر'' اس میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ غنی شاکر افضل ہے کہ اس کے ہاتھ سے خیرات اور تقرب کی چیزیں مثل زکوٰۃ اور قربانی وغیرہ اکثر ہوتی ہیں اور اغنیا کی شان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ

اور یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

اور اکثر علما کی رائے ہے کہ فقیر افضل ہے کہ حال شریف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر ہی پر تھا۔ اور صحیح یہ ہے کہ کسی کے لیے فقر مفید ہے کسی کے لیے غنا (مال داری) مفید ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں پر مہربان ہوتے ہیں تو ان کے لیے جو مفید ہوتا ہے صحت، بیماری، تنگدستی، مال داری وغیرہ وہ دیتے ہیں۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ فقیر صابر بہتر ہے یا غنی شاکر؟ فرمایا فقیر شاکر دونوں سے بہتر ہے، اشارہ ہے فقر کی فضیلت پر کہ فقر ایک نعمت ہے اس پر شکر کرنا چاہیے، نہ کہ بلا ہے کہ اس پر صبر کرے۔ حضرت شیخ عبد الوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کے متعلق نقل کرتے تھے کہ جب تک فقر کی فضیلت کا اقرار طالب سے نہ لیتے اس کو مرید نہ کرتے اور کہا اَلْفَقْرُ اَفْضَلُ مِنَ الْغِنَاءِ پھر ہاتھ پکڑا اور مرید کیا۔

68- عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت سے لوگ ایسے ہیں جو (بظاہر تو) پراگندہ بال نظر آتے ہیں جن کو (ہاتھ یا زبان کے ذریعے) دروازوں سے دھکیلا جاتا ہے (بالفرض اگر وہ ان دروازوں پر جائیں) لیکن (اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایسے مقبول ہیں) اگر وہ بحالتِ ناز (اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر) قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کرے۔

تشریح: حدیثِ مذکور میں دھکے دے کر نکالے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ امیروں کے دروازوں پر سوال کے لیے جاتے ہیں کیوں کہ اولیا اللہ ایسی ذلت سے محفوظ ہوتے ہیں۔ حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ وہ اگرچہ لوگوں کی نظر میں ذلیل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے مقبول ہیں کہ اگر کسی کام پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔

69-وَعَنْ مُّصْعَبِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ رَاٰی سَعْدٌ اَنَّ لَہٗ فَضْلًا عَلٰی مَنْ دُوْنَہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَاءِکُمْ۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ

ترجمہ: حضرت مصعب ابنِ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی نسبت یہ گمان کیا کہ ان کو اپنے کم تر پر فضیلت حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گمان کو توڑنے کے لیے فرمایا: تم کو (دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں) مدد نہیں دی جاتی اور تم کو رزق نہیں دیا جاتا مگر تمہارے ان ہی کمزور اور فقیروں کی دعا کی برکت سے۔

تشریح: چوں کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت فضیلتیں رکھتے تھے ان کو گمان ہوا کہ میری شجاعت اور سخاوت اور کرم سے مسلمانوں کو بہت نفع ہوا، لہٰذا میں ان لوگوں سے جو

ہماری طرح نہیں ہیں افضل ہوں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس گمان کو توڑنے کے لیے فرمایا کہ یہ گمان تم نہ رکھو بلکہ ان ضعیفوں اور فقیروں کا اکرام اور عزت کرو اور تکبر نہ کرو یعنی اپنے کو ان سے بڑا نہ سمجھو کیوں کہ دراصل ان ہی کمزوروں اور مسکینوں کی برکت اور دعا سے حق تعالیٰ تمہاری مدد کرتے ہیں اور تمہیں رزق دیتے ہیں۔ لہٰذا اپنا کمال نہ سمجھو کہ تکبر تمام نیکیاں ضائع کر دیتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ رائی کے دانے کے برابر بھی دل میں تکبر کا ہونا جنّت سے محروم کر دیتا ہے۔

70۔وَعَنْ أُسَامَةَ ابْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُمْتُ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنُ وَاَصْحٰبُ الْجَدِّ مَحْبُوْسُوْنَ غَيْرَ اَنَّ اَصْحٰبَ النَّارِ قَدْ أُمِرَ بِهِمْ اِلَى النَّارِ وَقُمْتُ عَلٰى بَابِ النَّارِ فَاِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنّت کے دروازے پر کھڑا ہوا (شبِ معراج میں یا خواب میں) جو لوگ جنّت میں داخل ہوئے میں نے ان میں زیادہ تعداد غریبوں کی دیکھی اور دولت مندوں کو دیکھا کہ ان کو میدانِ قیامت میں روک لیا گیا ہے لیکن دوزخیوں (یعنی کافروں) کو دوزخ کی طرف لے جانے کا حکم دے دیا گیا ہے، پھر میں دوزخ کے دروازے پر کھڑا ہوا اور دیکھا تو دوزخ میں جانے والوں کی زیادہ تعداد عورتوں میں سے تھی۔

تشریح: عورتوں کی تعداد کی زیادتی کا سبب یہ ہے کہ دنیا کی حرص ان میں زیادہ ہوتی ہے اور آخرت کے کاموں سے مَردوں کو روکتی ہیں۔ حلال طریقے سے حاصل کی ہوئی دنیا کا حساب دینا ہوگا کہ کہاں خرچ کیا اور حرام کمائی والی دولت عذاب کا سبب ہوگی۔ فقرا اس سے بَری ہوں گے، نہ حساب لیے جاویں گے نہ روکے جاویں گے میدانِ قیامت میں حساب کے لیے۔

71۔وَعَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهٗ جَالِسٌ مَّا رَأْيُكَ فِيْ هٰذَا فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ اَشْرَافِ النَّاسِ هٰذَا وَاللهِ حَرِيٌّ اِنْ خَطَبَ اَنْ يُّنْكَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ يُّشَفَّعَ قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأْيُكَ فِيْ هٰذَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ هٰذَا رَجُلٌ مِّنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ هٰذَا حَرِيٌّ اِنْ خَطَبَ اَنْ لَّا يُنْكَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ لَّا يُشَفَّعَ وَاِنْ قَالَ اَنْ لَّا يُسْمَعَ لِقَوْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ مِّلْاءِ الْاَرْضِ مِثْلَ هٰذَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا پوچھا: اس شخص کی نسبت جو ابھی گزرا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے عرض کیا: یہ شخص شریف آدمیوں میں سے ہے اور اللہ کی قسم! اس قابل ہے کہ اگر کسی عورت کو نکاح کا پیام دے تو اس کے پیام کو قبول کر لیا جائے اور کسی کی (حکّام سے) سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے۔ پھر ایک اور شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شخص سے پوچھا کہ اس شخص کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ شخص مسلمان فقرا میں سے ہے، یہ اس لائق ہے کہ اگر کسی کو نکاح کا پیام دے تو اس کا پیام قبول نہ کیا جائے اور کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ کی جائے، کسی سے کوئی بات کہے تو اس کی بات نہ سنی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: یہ شخص اُس جیسے دنیا بھرے ہوئے آدمیوں سے بہتر ہے جس کی تو نے تعریف کی۔

تشریح: یہ ارشاد کہ "یہ شخص اس جیسے دنیا بھر کے آدمیوں سے بہتر ہے" مرتبہ میں تو ظاہر یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے متعلق یہ فرمایا وہ غنی (مال دار) ہوگا اور ایسی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ فقیر بسبب صفائے قلب کے پروردگار کے احکام کو جلد قبول کرتا ہے اور اغنیا حق بات کے قبول کرنے سے سرکشی اور استغنا اور تکبر کرتے ہیں، اور یہ مشاہدہ ہے کہ علما اور بزرگانِ دین کے شاگردوں اور مریدوں میں زیادہ تر فقرا ہوتے ہیں جو حق کو جلد قبول کر لیتے ہیں۔ حدیث شریف میں شخصِ اوّل غنی تھا اور مومن تھا، کافروں سے نہ تھا کیوں کہ مفاضلہ کافر اور مومن میں نہیں ہوتا۔ کافر میں خیر کی نسبت کرنا جائز نہیں، مومن مومن میں تفاضل ہوتا ہے۔

72-وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَاشَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ مِّنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت نے کبھی دو روز مسلسل جو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔

تشریح: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تکلیف برداشت کرنا مجبوری کا نہ تھا کیوں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر زمین کے خزانے پیش کیے گئے اور حکم ہوا کہ اگر آپ کہیں تو مکہ کے پہاڑ کو سونا کر دیں آپ کے لیے، لیکن آپ نے فقر کو اختیار فرمایا اور عرض کیا کہ اے اللہ! مجھے پسند ہے کہ ایک دن بھوکا رہوں تا کہ صبر کروں اور ایک دن کھا کر سیر ہوں تا کہ شکر کروں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر فتوحات سے جو مال آتا تھا وہ سب اُمت پر تقسیم فرما دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز سے زندگی گزارنے میں بڑی تسلی ہے اُمت کے فقرا اور مساکین کے لیے، اور امرا کے لیے سبق ہے اپنی حاجات پر مساکین کو ترجیح دینے کا۔

73- وَعَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى رِمَالِ حَصِيْرٍ لَّيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ فِرَاشٌ قَدْ اَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهٖ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ مِّنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا لِيْفٌ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اُدْعُ اللهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى اُمَّتِكَ فَاِنَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَايَعْبُدُوْنَ اللهَ فَقَالَ اَوَفِيْ هٰذَا اَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔وَفِيْ رِوَايَةٍ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَاوَلَنَاالْاٰخِرَةُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کھجور کے پٹھوں کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور چٹائی کے اوپر فرش نہ تھا، بوریے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو پر نشان ڈال دیے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کا پوست بھرا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ سے دعا فرمایئے کہ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت کو فراخی (خوشحالی) عطا فرمائے۔ فارس اور روم کے لوگ خوش حال بنائے گئے ہیں حالاں کہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خطاب کے بیٹے! کیا تو ابھی اسی خیال میں ہے (یعنی کیا تجھ کو اس کی بصیرت عطا نہیں ہوئی ہے اور حقیقت سے ابھی تک ناواقف ہے) یہ وہ لوگ ہیں (یعنی فارس وروم کے لوگ) جن کو دنیا کی زندگی ہی میں خوبیاں دے دی گئی ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب میں یہ الفاظ فرمائے: کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ ان کو دنیا ملے اور ہم کو آخرت؟

تشریح: بعض شراحِ حدیث نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فراخی اور کشادگی مال ورزق حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مانگی تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کے پیش نظر اس عنوان کو مناسب نہ سمجھا اور اُمت کے لیے درخواست کی۔ اور صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر فقر اختیار فرمایا اور اُمت کے ضعفا اس کا تحمل نہ کرسکیں گے اس لیے اُمت کے ضعف کا خیال کرتے ہوئے فراخی کو مناسب سمجھ کر اس کی درخواست کی۔

74- وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَظَرَ اَحَدُکُمْ اِلٰی مَنْ فُضِّلَ عَلَیْهِ فِی الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْهُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَ اُنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ هُوَ اَسْفَلُ مِنْکُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ هُوَ فَوْقَکُمْ فَهُوَ اَجْدَرُاَنْ لَّا تُزْدِرُوْا نِعْمَةَ اللہِ عَلَیْکُمْ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو اس سے زیادہ مال دار اور شکیل (خوبصورت) ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اس شخص پر بھی نظر ڈالے جو اس سے کم تر درجہ کا ہے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس شخص کو دیکھو جو تم سے کم تر درجہ کا ہے اور اس شخص کی طرف نہ دیکھو جو مرتبہ میں تم سے زیادہ ہے اور ایسا کرنا تمہارے لیے ضروری ہے تاکہ تم اس نعمت کو جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دی ہے حقیر نہ سمجھو۔

تشریح: حاصل یہ کہ جب کسی شخص کو اپنے سے زیادہ مال دار یا خوبصورت یا خوش لباس دیکھے تو فوراً اس شخص کو دیکھے جو اپنے سے ان باتوں میں کم تر ہو تاکہ حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر شکر کی توفیق ہو اور یہ بھی شکر ادا کرے کہ حق تعالیٰ نے اس شخص کی طرح مجھے دنیا میں مبتلا نہیں فرمایا۔ اسی لیے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ جب کسی دنیا دار کو دیکھتے تو کہتے اَللّٰھُمَّ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْعُقْبٰی اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کا واقعہ لکھا ہے کہ اس کو کسی نے مارا اور قید کیا۔ اس نے امام رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی۔ فرمایا: شکر ادا کر کہ اس سے بڑی بلا میں نہ گرفتار ہوا۔ پھر اس سے بَری ہو کر ایک دفعہ ایک کنویں کی قید میں ڈالا گیا۔ پھر امام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صبر وشکر کی تعلیم دی۔ پھر بَری ہوا اور کچھ دن بعد ایک یہودی نے قید کیا اور وہ ہر ساعت اذیت دیتا اور زنجیر میں باندھ کر اپنے پاس رکھتا۔ پھر امام رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی اور کہا کہ کیا اس سے بھی کوئی بلا شدید ہے؟ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: صبر وشکر کر کیوں کہ اس سے بھی شدید بلا ہے اور وہ یہ کہ کفر کا طوق تیری گردن میں ڈالا جاوے۔ رَبَّنَا لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ. البتہ آخرت کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے اونچے لوگوں کو دیکھے تاکہ اپنے سے زیادہ اعمال والوں کو دیکھ کر اپنے اعمال پر ناز وتکبر نہ پیدا ہو۔

فصل دوم

75- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْاَغْنِیَاءِ بِخَمْسِ مِائَةِ عَامٍ نِّصْفِ یَوْمٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فقرا جنّت میں دولت مندوں سے پانچ سو برس پہلے داخل ہوں گے جو قیامت کا آدھا دن ہے۔

تشریح: قیامت کے دن کی درازی اس دن ایک ہزار برس کی ہو گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ

ترجمہ: اور تحقیق آپ کے پروردگار کے نزدیک قیامت کا دن ایک ہزار سال کے برابر ہے ان دنوں سے جن کو تم شمار کرتے ہو۔

مگر یہ سختی کافروں پر ہو گی اور نیک بندوں پر یہ دن ایک ساعت کے مانند ہو گا۔ آگے جو روایت ہے کہ چالیس برس پہلے فقرا امرا سے جنّت میں داخل ہوں گے تطبیق یہ ہے کہ یہ اختلاف فقرا کے مراتب ودرجات کے اعتبار سے ہو گا، یعنی صبر وشکر میں جس کا درجہ اعلیٰ ہو گا وہ پانچ سو برس پہلے داخل ہو گا، جس کا کم تر ہو گا وہ چالیس برس پہلے داخل ہو گا۔ جامع الاصول میں ہے کہ جو فقیر حریص ہو گا وہ غنی حریص سے چالیس برس پہلے جنّت میں جائے گا اور جو فقیر زاہد ہو گا وہ غنی راغبِ دنیا سے پانچ سو برس پہلے داخل ہو گا۔

76۔ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسٰکِیْنِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لِمَ یَارَسُوْلَ اللہِ؟ قَالَ اِنَّھُمْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِیَاءِهِمْ بِاَرْبَعِینَ خَرِیْفًا، یَا عَائِشَةُ! لَاتَرُدِّی الْمِسْکِیْنَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، یَا عَائِشَةُ! اَحِبِّی الْمَسَاکِیْنَ وَقَرِّبِیْهِمْ فَاِنَّ اللہَ یُقَرِّبُکِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ، وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ سَعِیْدٍ اِلٰی قَوْلِهٖ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسٰکِیْنِ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! مجھ کو مسکین بنا کر رکھ اور مسکین مار اور مسکینوں کے گروہ میں میرا حشر فرما۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ کیوں؟ (یعنی آپ یہ دعا کیوں کرتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس لیے کہ مسکین جنّت میں دولت مندوں سے چالیس برس پہلے داخل ہوں گے۔ اے عائشہ! کسی مسکین کو (اپنے دروازے سے خالی ہاتھ) نہ واپس کر اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو، اے عائشہ! مسکینوں سے محبت کر اور ان کو اپنے سے قریب کر (یعنی اپنی مجلسوں میں ان کو شریک رکھ) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھ کو اپنے قریب رکھے گا۔

تشریح: مسکین کا لفظ یا تو مسکنت سے مشتق ہے جس کے معنیٰ نہایت تواضع کے ہیں یا سکون اور سکینہ سے ہے جس کے معنیٰ وقار اور اطمینان اور رضا بالقضا کے ہیں۔ اس حدیث شریف میں اُمت کے لیے تعلیم ہے کہ فقرا اور مساکین کی فضیلت کو پہچانیں اور ان سے محبت رکھیں تاکہ ان کی برکت حاصل ہو، اور اس حدیث میں مسکینوں کے لیے تسلی ہے اور ان کے درجات سے اُمت کو آگاہ کرنا ہے۔ مسکین بننے کی دعا سے مراد یہ ہے کہ اتنی دنیا مل جاوے جس سے کسی کا محتاج نہ رہے اور کثرتِ مال سے محفوظ ہو۔ کیوں کہ مال کی کثرت مقربین بارگاہِ حق کے لیے وبال ہے۔ ایک بادشاہ فقرا اور صلحا کی جماعت سے گزرا، ان لوگوں نے اس کی طرف التفات نہ کیا۔ پوچھا: تم لوگ کون ہو؟ کہا: ہم لوگ تارکِ دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور تارکِ آخرت سے عداوت رکھتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ فقیر صابر بہتر ہے غنی شاکر سے۔ اور فقیر صابر وہ ہے جو دل کا فقیر نہ ہو یعنی دل کا غنی ہو اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہو۔

77- وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِبْغُوْنِیْ فِیْ ضُعَفَائِکُمْ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ اَوْ تُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِکُمْ

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میری رضامندی کو اپنے ضعیفوں میں تلاش کرو (یعنی ان کو راضی رکھو) اس لیے کہ تم کو تمہارے ضعیفوں ہی کی بدولت رزق دیا جاتا ہے یا (یہ کہ) دشمنوں کے مقابلے میں تمہاری مدد کی جاتی ہے۔

تشریح: ضعیفوں سے مراد مظلوم ہیں خواہ غنی کیوں نہ ہوں۔ اور ان کی برکت سے رزق دیا جانا اور دشمنوں پر فتح ہونا اس لیے ہے کہ ان میں اقطاب اور اوتاد بھی ہوتے ہیں جن کے ذریعے انتظام ہوتا ہے بلاد اور عباد کا۔ اور کہا ابنِ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہ ڈھونڈو مجھ کو تم ان ضعیفوں کے حقوق کی حفاظت میں اور ان کے اکرام کے ذریعے اور ان کے دلوں کو خوش کرنے کے ذریعے کہ جس نے ان کا اکرام کیا اس نے میرا اکرام کیا اور جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی کیوں کہ میں ان کے ساتھ ہوں تَن سے بعض اوقات میں اور دل وجان سے جمیع اوقات میں، اور یہ حدیث بھی اس مضمون کی تائید کرتی ہے کہ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ بَارَزَنِیْ بِالْحَرْبِ ۔ جس نے دشمنی کی میرے ولی سے پس اس نے پیش قدمی کی مجھ سے جنگ کے لیے۔

78۔وَعَنْ اُمَیَّۃَ ابْنِ خَالِدِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَسِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِیْکِ الْمُھَاجِرِیْنَ۔ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ

ترجمہ: حضرت اُمیہ بن خالد بن عبد اللہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقرائے مہاجرین کے ذریعے اللہ سے (کفار پر) فتح حاصل ہونے کی دعا فرمایا کرتے تھے۔

تشریح: صعالیک جمع ہے صعلوک کی یعنی مثل عصفور چھوٹی چڑیا، مراد فقرا ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بواسطۂ مہاجرین فقرا کے دعا کے معنیٰ اس طرح سے لکھے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دعا فرماتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ انْصُرْنَا عَلَی الْاَعْدَاءِ بِحَقِّ عِبَادِکَ الْفُقَرَاءِ الْمُھَاجِرِیْنَ اے اللہ! دشمنوں پر مدد فرما ہماری فقرائے مہاجرین کی برکت سے۔ اس سے کس قدر فقرا کی بزرگی ثابت ہوتی ہے کہ ان کی برکت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے تھے۔

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

79۔وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاتَغْبِطَنَّ فَاجِرًا بِنِعْمَۃٍ فَاِنَّکَ لَاتَدْرِیْ مَاھُوَ لَاقٍ بَعْدَ مَوْتِہٖ اَنَّ لَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ قَاتِلًا لَّایَمُوْتُ یَعْنِی النَّارَ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کسی فاجر یعنی کافر یا فاسق کی نعمتِ دنیاوی پر رشک نہ کر، اس لیے کہ تو نہیں جانتا کہ مرنے کے بعد اس سے کیا سلوک ہونے والا ہے، فاجر کے لیے اللہ کے یہاں ایک قاتل ہے جو مرتا نہیں یعنی دوزخ کی آگ۔

تشریح: یہ بیماری آج عام طور پر ہمارے اندر آچکی ہے کہ مال دار شرابی زانی فاسق کے بنگلوں، کاروں اور ظاہری ٹھاٹ پر بعض غریب مسلمان لالچ کی نگاہ ڈالتے ہیں۔ حالاں کہ نیک بندوں کی عبادت پر لالچ کرنی چاہیے تھی نہ کہ ان دنیا داروں پر جن کے دلوں میں ہزاروں فکر و پریشانی بھری ہے اور اطمینانِ قلبی صرف اللہ والوں کو عطا ہوتا ہے، حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

از بروں چوں گورِ کافر پر حلَل
و اندروں قہرِ خدائے عز و جل

ترجمہ: باہر سے یہ امیر لوگ کافر کی قبر کی طرح پُر بہار ہیں اور اندر کافر کی قبر میں جس طرح عذاب ہو رہا ہے اسی طرح نافرمان دنیا دار کے قلب میں فکر و پریشانی اور بے سکونی کا عذاب ہو رہا ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

اخلاقِ حسنہ

(امیر المومنین کی ہدایات... مجاہدین کے نام)

امیر المومنین شیخ ہبۃ اللہ اخندزادہ حفظہ اللہ

اخلاق سے مراد اپنے آپ، اپنے رب، اپنے گھرانے، باقی انسانوں اور حتیٰ کہ حیوانات اور اللہ تعالیٰ کی مختلف انواع و اقسام کی مخلوق کے ساتھ ایک انسان کا تعامل ہے۔ ہر مومن کے لیے لازم ہے کہ اس کے طور طریقے اور تعامل اس معیار کے مطابق ہو جس کی اسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے عظیم اخلاق سے اس کی مثالیں قائم کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ○

"اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہو۔"

حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں فرماتی ہیں: كان خلقه القرآن۔ یعنی آپ ﷺ کے اخلاق ایسے تھے جس طرح کے قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے پوچھا، کون سا عمل زیادہ تر لوگوں کے جنت میں جانے کا سبب بنے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تقویٰ اور اخلاقِ حسنہ۔ پھر پوچھا گیا اور کون سی چیز زیادہ تر لوگوں کا جہنم میں جانے کا ذریعہ بنے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان کی زبان اور اس کی شرمگاہ، یعنی زبان اور شرمگاہ کے گناہوں کی وجہ سے بہت سے لوگ جہنم میں ڈالیں جائیں گے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر بن عاصؓ فرماتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نہ تو طبعاً فاحش تھے اور نہ ہی تکلف کے ساتھ فحش گو تھے، آپ ﷺ فرماتے تھے: تم سب میں سب سے بہترین اور اچھے اخلاق والا میں ہوں۔ (متفق علیہ)

حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں جنت کے اطراف میں ہر اس بندے کے لیے ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں جو جھگڑا چھوڑ دے، اگرچہ وہ حق پر ہو اور جنت کے درمیان میں ہر اس بندے کے لیے ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں جو جھوٹ کو چھوڑ دے اگرچہ وہ مذاق میں ہو اور جنت کے سب سے اونچے حصے میں ہر اس بندے کے لیے ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ (رواہ ابوداؤد والطبرانی و البیہقی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ ایک آدمی حُسنِ اخلاق سے وہ مرتبہ حاصل کر سکتا ہے جو دن کو روزے رکھنے اور رات کو عبادت کے لیے کھڑے ہونے سے ملتا ہے۔ (رواہ احمد والحاکم)

اخلاقِ حسنہ کے بارے میں اکابرینِ امت کے اقوال

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لكل بنيان أساس و أساس الإسلام حسن الخلق۔ ہر عمارت کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد اخلاقِ حسنہ ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حسن الخلق: طلاقة الوجه، وبذل المعروف، وكف الأذى۔ اخلاقِ حسنہ، خندہ روئی، نیکی کرنا اور کسی کو ضرر پہنچانے سے اپنے ہاتھوں کو روکنا کہلاتے ہیں۔

أحنف بن قيس أنه قال: ألا أخبركم بأدواء الداء؟ قالو بلى۔ قال: الخلق الدني واللسان البذى۔

احنف بن قیسؒ فرماتے ہیں: کیا میں تمہیں سب سے بڑے مرض سے آگاہ کروں؟ لوگوں نے جواب دیا جی ہاں! آپ نے فرمایا: گرے ہوئے اور برے اخلاق اور بدزبانی سب سے بُرا مرض ہے۔

وقيل لعبدالله بن المبارك أجعل لنا حسن الخلق في كلمة، فقال اترك الغضب۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے کسی نے کہا، کہ ایک جملے میں اخلاقِ حسنہ کو ہمارے سامنے بیان کریں، آپ نے جواب دیا: غصہ چھوڑ دو۔

قال الفضيل: لأن يصحبني فاسق حسن الخلق أحب إلي من أن يصحبني عابد سيئ الخلق۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ میرے ساتھ ایک اچھے اخلاق والے فاسق کی دوستی ہو جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک بداخلاق عابد کی میرے ساتھ دوستی ہو۔

(اللہ پاک ہمیں اخلاقِ حسنہ سے مزین فرمائے، آمین۔)

و ما علينا الا البلاغ!

مُجاھِد کا زادِ راہ 10

شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ

مصیبت سے جو بچنا چاہتے ہو
سلامت مال رکھنا چاہتے ہو

زباں کو عیب گوئی کی اجازت
مرے ہمراز ہرگز بھی نہ دینا

کہ تمہارے بھی تو کچھ عیب ہوں گے
نہیں بھولے گی دنیا لیتے لینا

اگر آنکھوں کو پھر بھی جستجو ہو
تو اُن سے صرف اتنی بات کہنا

کہ لوگوں کے سروں پر بھی ہیں آنکھیں
مری آنکھو ! بس اب خاموش رہنا

ہمیشہ دوستوں کا ساتھ دینا
ہمیشہ دشمنوں سے بچ کے رہنا

کبھی گر ظلم کوئی کر بھی دے تو
ضروری تو نہیں دو حرف کہنا

نصیحت اچھے لفظوں سے ہی کر دو
گوارا گر نہیں ہے ظلم سہنا

آپ کے پاس ایک شخص آتا ہے آپ اس سے کسی کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ اس تیسرے شخص کے بارے میں اس مخاطب کی (اچھی) رائے معلوم کرنے کے خواہش مند ہیں۔

یہ کہنا شروع کرتا ہے......

وہ بڑا اچھا اور نیک آدمی ہے...... لیکن بس ذرا......

اور یہ ''لیکن'' اُس تمام تعریف کا محل مسمار کر دیتا ہے جو اس نے ابھی اپنی چرب زبانی سے تعمیر کیا ہے۔ اس لیکن نے ساری حرمات کا گلا کاٹ ڈالا، ساری پچھلی گفتگو پر خطِ تنسیخ پھیر دیا...... اور آخر کار اب آپ کی نظر میں اس بیچارے کی کوئی اہمیت نہ رہی۔

آپ نے دیکھا...... کہ کہنے والے نے بات کہاں سے شروع کی تھی۔

وہ بڑا نیک آدمی ہے...... بہت اچھا ہے...... بہت...... لیکن......

اور پھر وہ عیوب گنوانے شروع کر دیے جن کو ستار العیوب کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ ان میں سے کچھ کا تو اسے یقینی علم حاصل ہے لیکن اکثر باتیں محض شبہات اور شہوت کلامی پر مبنی ہیں، صرف اس لیے کہ یہ اس سے راضی نہیں، یہ شخص اس کو پسند نہیں...... اس کا انداز گفتگو، انداز کلام، انداز طعام اس کو پسند نہیں۔ اب محض اتنی سی بات پر یہ صاحب اپنی گفتگو میں اس کا گوشت ایسے نوچیں گے گویا کہ دل کا بغض اور حسد نکال لینے کا یہ سنہری موقع اسے آج کے بعد کبھی ہاتھ نہ لگے گا...... یہ کتنا احمق دوست ہے جو اپنے غصے اور حسد کی آگ کو کینہ اور غیبت کی اُس آگ کے ذریعے بجھانا چاہتا ہے جو انسان کی نیکیاں کھا کر اسے غریب کر دیتی ہے۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے اصحاب سے پوچھا:

اتدرون من المفلس؟ قالوا: المفلس فينا من لا درهم ولا متاع، قال: المفلس من امتي من ياتي يوم القيامة بصلاة، وزكاة، وحج، وصيام ... الى آخر ... وياتي وقد شتم هذا، واكل مال هذا، وطعن هذا ... فياخذ هذا من حسناته وهذا من حسناته، فان فنيت حسناته قبل ان يقضى ما عليه اخذ من خطاياهم فطرحت عليه، ثم طرح في النار.

کیا آپ حضرات کو علم ہے کہ 'مفلس' کون ہے؟ عرض کی: ہمارے ہاں تو ''مفلس'' اسے کہتے ہیں جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں۔

فرمایا: ''میری امت کا 'مفلس' وہ ہے جو قیامت کے روز نمازوں، روزوں، حج اور زکوٰۃ وغیرہ سے لدا پھندا آئے گا...... لیکن اس نے کسی کو برا کہا ہو گا، کسی کا مال کھایا ہو گا، کسی کو طعنہ دیا ہو گا...... اُس کی نیکیاں ان سب حقداروں میں تقسیم کر دی جائیں گی...... اگر اُس کی نیکیاں ان سب لوگوں کے حقوق ادا کرنے سے پہلے ختم ہو گئیں تو اِن کے گناہ لے کر اُس پر ڈال دیے جائیں گے اور آخر کار وہ انہی گناہوں کی پاداش میں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔''

اور اگر آپ کے پاس نیکیوں کا صندوق خالی ہے یا کچھ تھوڑا بہت زادِ راہ کی صورت باقی بھی ہے، تب بھی بھلا اس معمولی سے زادِ راہ کو مٹانے، جلانے اور ختم کرنے کے درپے رہنا کہاں کی عقل مندی ہے؟

فرمایا:

من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه

”آدمی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ فضول چیزوں سے کنی کترا جائے۔“

کہتے ہیں ایک بزرگ ایک محل کے پاس سے گزرے اور پوچھا:

”یہ محل کس کا ہے؟“ اس کے ساتھ ہی زیر لب بڑبڑا دیے:

”من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه “

”بہتر اسلام تو یہ ہے کہ آدمی فضول چیزیں ترک کر دے۔“

تھوڑی دیر بعد جب انہیں احساس ہوا کہ وہ زیر لب کسی کے لیے تحقیر آمیز کلمات کہہ چکے ہیں تو آپ نے کفارے کے طور پر پورے سال کے روزے رکھے۔

کہاں یہ بزرگ...... اور کہاں ہم جو صبح شام حرام اور حرمات کے بارے میں لمبی لمبی گفتگوئیں کرتے رہتے ہیں، شبہوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور اپنی زبان کے تیروں سے کسی عالم کو، جاہل کو اور عام آدمی کو بچ کر جانے نہیں دیتے۔ ان میں سے ہر ہر شخص کا گوشت دانتوں تلے پیس ڈالتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم اللہ کا سامنا کس منہ سے کریں گے۔

برادرِ کریم! ابن عساکر کی وہ بات یاد رکھیے جو انہوں نے باب ”علما کا گوشت“ کے بارے میں فرمائی...... فرمایا:

”علماء کا گوشت بڑا زہریلا ہوتا ہے ... یہ گوشت کھانے والے کے بارے میں اللہ کا قانون بڑا واضح ہے...... دوسروں کے عیبوں سے پردہ ہٹانے کے اس جرم میں اللہ مجرم کو مرضِ ’موت القلب‘ میں گرفتار کر دیتا ہے۔“

فرمایا نبی کریم ﷺ نے:

دع ما یریبک الی ما لا یریبک

”شبہہ میں ڈالنے والی چیز کو چھوڑ دو...... اور شبہہ میں نہ ڈالنے والی چیز کو پکڑ لو۔“

”مباح“ چیزوں سے بھی بچنا شروع کر دو تاکہ ”ورع اور تقویٰ“ کے مقام بلند پر فائز ہو سکو تاکہ اللہ تمہیں تمہارے دشمنوں سے بچائے رکھے اور ہاں اللہ کا یہ قاعدہ بھی یاد رکھیے...... فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (سورۃ الحج:۳۸)

”اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دفاع کرتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ اللہ نے فرمایا:

من آذی لي ولیا ... او من عادی لي ولیا فقد بارزته بالحرب

”جس نے میرے دوست کو ستایا یا اُس سے دشمنی کی۔ میں نے اُس سے جنگ کا اعلان کیا۔“

اب کیا کوئی ربّ العالمین سے جنگ کا متحمل ہو سکتا ہے؟

کیا قاہر السماوات والارض کی دعوت مبارزت قبول کی جا سکتی ہے؟ تو پیارے بھائی! کیا بات ہے...... آخرت کو کیوں یاد نہیں کرتے؟

وہ دن یاد نہیں جب آپ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے؟

کیا یوم حشر اور عذاب قبر یاد نہیں؟

کیا قبر کے سانپ اور بچھو یاد نہیں؟

کیا جہنم کے اوپر بندھا ہوا پل یاد نہیں آتا؟

کتنے لوگ ہیں جو اس پل صراط سے جہنم میں گر پڑے اور کتنے ہیں جو دوسروں کے حقوق کی خاطر جہنم میں کودتے پھرتے ہیں حالانکہ یہ دوسروں کے حقوق ان کو کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

آپ نے اُن کے حقوق کا پیچھا کیا...... اور اُن کی بے عزتی کی۔

آپ نے اُن کے حقوق میں کمی کی...... محض اس لیے کہ دوسرے آپ سے کم نظر آئیں۔

اور یہ خود آپ کی ذات کا نقص ہے کہ آپ دوسرے کے نقائص پر نظر رکھیں۔

اور ناقص شخصیت کو یہی پسند ہوتا ہے کہ......

پلڑوں میں ہیر پھیر کی جائے کہ لوگوں کے حقوق کھائے جائیں،

کہ حق سے پہلو تہی برتی جائے۔

ورع کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ برائیوں سے دور رہا جائے۔

جہاں بارودی سرنگیں بچھی ہوئی ہوں...... وہاں سے محتاط ہو کر گزرا جائے۔

مباح اور شبہات کی وادیوں میں احتیاط سے قدم رکھا جائے۔ جو ان سے بچ گزرا اُس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچالی۔

آپ جانتے ہیں کہ انسان، پاخانہ، پیشاب ناپاکیوں سے بچنے کے لیے کس طرح اپنے کپڑے سمیٹتا ہے، اسی طرح اپنے دین کی حفاظت کرنی چاہیے، اپنی عزت کی حفاظت کرنی چاہیے، اپنے قلب کی حفاظت کرنی چاہیے، اپنا دل پاک کرنا چاہیے اور دل ”ورع“ کے علاوہ کسی چیز سے پاک نہیں ہوتا۔ یہ ”ورع“ وہ ہے جو اسے شبہات اور شہوتوں سے پاک کر دیتی ہے۔ انسان دین میں امام اس وقت تک نہیں بن سکتا اور صالح اور متقی لوگ اُس کی بات اُس وقت تک قبول نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ شبہات اور شہوات سے پاک نہ ہو جائے۔

صبر اور یقین ان دونوں کا علاج ہیں۔

شبہات سے بچنے کے لیے ”یقین“ علاج ہے اور شہوات کا علاج ”صبر“ ہے۔ صبر اور یقین کے اس دور سے گزر کر انسان متقین کی امامت کو پا سکتا ہے۔ فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ○ (سورۃ السجدۃ: ۲۴)

”اور ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو، جب انہوں نے صبر کیا، ایسے پیشوا بنا دیا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔“

آپ کو یقین ”اختیار“ کرنا چاہیے جو سارے شبہات کو اٹھا کر دیوار پر دے مارتا ہے۔ اپنی زبان سے کوئی ایسا جملہ نہ کہیے جس کی صحت کا آپ کو مکمل یقین نہ ہو اور اپنی زبان سے کوئی ایسا کلمہ

بھی نہ کہیے جس کے "خیر" ہونے کا آپ کو پورا یقین نہ ہو۔ اگر بات خیر اور شر کے بین بین ہو تو اس جھگڑے سے نکل آیئے اور شبہات کو چھوڑ دیجیے تا کہ متقی ائمہ کے مقام پر فائز ہو سکیں۔

نیکی کے بارے میں "ورع" یہ ہے کہ اُن کو بڑھانے اور انہیں جلنے سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ پھر ایمان کے بارے میں "ورع" یہ ہے کہ نیک اعمال جتنے زیادہ ہوں گے ایمان اتنا ہی زیادہ بڑھے گا۔ اس پر اہل سنت والجماعت کے جمہور متفق ہیں کہ ایمان جس دل میں ٹھکانہ کر لیتا ہے اور جب زبان اُس کے بارے میں بولتی ہے اور جب اعضا اس کے مطابق عمل کرتے ہیں تو نفس کی اطاعت گزاری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ گناہ خود بخود کم ہونے لگتے ہیں...... اس کے مقابلے میں جب انسان شبہات اور شہوات کے میدان میں داخل ہوتا ہے تو برائیاں بڑھتی ہیں اور آگے بڑھ کر نورِ قلب کو بجھا ڈالتی ہیں جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو (اللہ ان دونوں پر رحمت کرے) پہلی دفعہ دیکھنے پر فرمایا:

"اے لڑکے! میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ نے تمہارے دل پر ایک نور انڈیل رکھا ہے، دیکھنا اسے معصیت کی سیاہی سے مٹا نہ ڈالنا۔ اللہ فرماتا ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○ (سورۃ المطففین: ۱۴)

"ہر گز نہیں... بلکہ اُن کی کمائی اُن کے دلوں پر دے ماری گئی۔"

یہ "رَانَ" کیا ہے؟ یہ وہ کالا غلاف ہے جو سیاہ نکتوں سے مل کر بنتا ہے اور پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے:

"انسان جب بھی کوئی برائی کرتا ہے اُس کے دل پر ایک (سیاہ) نکتہ پڑ جاتا ہے۔"

اور اُس کے بعد ہر برائی کے ساتھ نکتے پر نکتہ پڑتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ نکات دل کے اوپر ایک پورا غلاف بنا ڈالتے ہیں...... بس یہی "ران" ہے۔ پھر دل بعض روایات کے مطابق "ران" کے حملوں کے بعد چھلنی کی طرح ہو جاتا ہے جس میں بھلائی نام کی کوئی چیز نہیں ٹھہرتی۔ اور اگر دل میں برائیاں زیادہ ہو جائیں تو اُس میں کوئی نور کوئی نیکی کوئی بھلائی کوئی حکمت نہیں ٹھہر پاتی...... اس میں علم نہیں ٹھہرتا...... پھر دل شیطان کے لیے خالی ہو جاتا ہے اور وہ اس میں خوب آزادی کے ساتھ چکر لگاتا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا ورع:

روایات میں سلف کے ورع اور تقویٰ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں آئی ہیں کہ جن پر یقین تک کرنا آج ہم جیسے افراد کو مشکل معلوم ہوتا ہے۔ امام نووی کے بارے میں نقل ہے کہ آپ نے شام میں زندگی کا ایک طویل عرصہ گزارا اور وہیں وفات پائی لیکن آپ نے شام کے پھلوں کو کبھی نہ چکھا۔ جب آپ سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"یہاں کچھ باغ اللہ کے نام پر وقف کیے گئے تھے جو بعد میں ضائع ہو گئے اور مجھے خدشہ ہے کہ میں کہیں اس وقف کے مال میں سے کچھ نہ کھا جاؤں۔"

آپ کے اس ورع کی وجہ سے اللہ نے آپ کے اوپر علم کے کتنے باب وا کر دیے۔ بہت سے اصحاب نے آپ سے روایت کیا ہے کہ:

"ایک روز تیل ختم ہونے کے باعث چراغ بجھ گیا۔ اس موقع پر آپ کی ایک انگلی سے روشنی پھوٹنے لگی تا کہ آپ اس روشنی میں لکھائی کا کام مکمل کر سکیں۔"

آپ نے اتنی تالیفات چھوڑی ہیں کہ عقل انہیں انسان کی تالیفات تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے۔ ان میں بعض پی ایچ ڈی، بعض ماسٹرز، بعض ہائر سٹڈیز کے نصاب میں داخل ہیں۔

لوگوں نے حساب لگایا کہ آپ کی کل عمر ۴۲ سال تھی۔ اگر آپ اپنی عمر کے ہر سال کے ہر مہینے کے ہر ہفتے کے ہر دن کچھ نہ کچھ لکھتے تو آپ کی تالیفات کی تعداد اتنی ہوتی...... یا للعجب! آپ کی تالیفات کی تعداد زیادہ نکلی۔

ورع سے قوت قلبی پیدا ہوتی ہے، عزت ملتی ہے۔ جب الظاہر بیبرس نے اسلحے کی خریداری کے لیے مال جمع کرنے کے لیے علما سے فتویٰ مانگا تو امام نووی کے علاوہ شام کے تمام علما نے فتویٰ صادر کر دیا۔ ظاہر نے اس پر آپ کی سرزنش کی کہ...... میں تو اللہ کے دشمنوں کو روکنے اور اسلام کے مرکز اور سرحدوں کو بچانے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم فتویٰ دینے سے انکاری ہو!

فرمایا: تم جب یہاں آئے تھے تو ایک غلام تھے تمہارے پاس کوئی مال و دولت نہیں تھا اور آج میں تمہارے پاس غلام اور باندیاں، محلات اور زیورات دیکھ رہا ہوں۔ یہ سب کیا ہے؟...... یہ تمہارا مال نہیں ہے...... اگر تم یہ سب بیچ ڈالو اور اس کے بعد بھی تمہیں اسلحے کی خریداری کے لیے مال کی ضرورت پڑے تو میرے پاس آنا میں تمہیں مسلمانوں سے مال جمع کرنے کا فتویٰ دے دوں گا۔

ظاہر یہ سن کر غضب ناک ہو گیا اور چلایا: "جاؤ شام سے نکل جاؤ۔"

آپ شام سے نکل کر "نوی" آ گئے۔

آپ کے شام سے نکلنے کے بعد علمائے شام ظاہر بیبرس کے پاس حاضر ہوئے اور کہا:

"محی الدین نووی کے علاوہ ہمارے پاس کوئی بڑا عالم نہیں، اُس کو واپس بلاؤ۔"

اس نے فوراً حکم جاری کیا کہ "نووی کو واپس لایا جائے۔"

پیادوں کا ایک گروہ آپ کی تلاش میں حوران کے علاقے "نوی" پہنچا اور عرض کی واپس چلیے ...... ظاہر نے آپ کو شام میں واپس آنے کی اجازت دے دی ہے۔

فرمایا: "خدا کی قسم! جب تک ظاہر شام میں موجود ہے، میں شام نہ آؤں گا۔"

آپ نے دیکھا! یہ کیسی عزت...... کیسا وقار...... کیسی رفعت ہے۔

اِن دلوں کو ایسے فیصلے کرنا کس نے سکھا دیا؟

اِن لوگوں کو عزت و افتخار کی اِن بلندیوں تک کس نے پہنچایا؟

اِن پاک نفسوں کو فرش سے عرش پر کس چیز نے لا بٹھایا؟

یہ "ورع" تھی... "ورع"، جو عزت بخشتی ہے... وقار دیتی ہے... اور قوت بہم پہنچاتی ہے۔

ورع والا دل... بہادر ہوتا ہے... جرأت مند ہوتا ہے، قوی اور عزیز ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں شہوات اور شبہات والوں کے دل مریض، نحیف اور کمزور ہوتے ہیں۔ وہ سڑک پر گزرتے ہوئے سپاہی کو دیکھ کر ڈر جاتے ہیں اور سوچنے لگتے ہیں کہیں وہ دیکھ نہ لے، کہیں چالان نہ کردے، کہیں مقدمہ نہ بنادے۔

بڑے دلوں والے...... کھلے سینوں والے... وہ ہوتے ہیں جو حلال پر پلتے ہیں۔ ''ورع'' پر پرورش پاتے ہیں۔

یہ قلوب قوی اور عظیم ہوتے ہیں، شیروں کے پاس بھی ایسے دل کہاں ہوتے ہیں جو ان کی شجاعت، بہادری اور جرأت مندی کا مقابلہ کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے ''نووی'' کی قسم کس طرح پوری کہ ابھی ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ ظاہر بیبرس فوت ہوگیا اور امام نووی پوری شان اور وقار کے ساتھ شام لوٹ آئے۔

بشیر الحافی کی بہن امام احمد کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:

''اے امام! کیا میرے لیے ظالموں کی روشن کردہ روشنی میں سوت کاتنا جائز ہے؟''

آج کی طرح اس زمانے میں بھی بڑے بڑے لوگ اپنے اپنے مکان کے اِرد گرد کے ماحول کو منور رکھنے کے لیے بڑے بڑے چراغ روشن کیا کرتے تھے۔

یہ بی بی اِسی روشنی سے استفادہ کرنے کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔

آپ نے اصحاب سے پوچھا: ''یہ خاتون کون ہیں؟''

لوگوں نے بتایا: ''یہ مشہور امام بشیر الحافی کی بہن ہیں۔''

فرمایا: ''تمہارے گھر سے 'ورع' نکل گیا؟''

یہ وہ بے نظیر مثالیں ہیں جنہوں نے اسلام کو ہر زمانے میں زندہ رکھا۔

طمع کا علاج ''ورع

امام حسن البصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لڑکے سے سوال کیا:

''دین کا ''سر تاج'' کیا ہے؟''

کہا: ''ورع''!

کہا: ''دین کے لیے ''مہلک'' کیا ہے؟''

کہا: ''طمع''...... آپ کو لڑکے کا یہ جواب بہت پسند آیا۔

واقعی اس طمع نے کتنے لوگوں کا دین برباد کیا، امت کی کتنی تمناؤں اور آرزوؤں کا خون کیا حالانکہ اُمت نے اس کی خاطر قربانیاں دی تھیں۔ اس دنیا اور دنیا کی طمع نے کتنے داعیوں کو نگل لیا۔

اور تاریخ کے تمام ادوار میں اسلام کی حفاظت صالحین کے ورع کے علاوہ اور آخر کس چیز نے کی ہے؟ اسے متقین کے زہد کے علاوہ آخر کس چیز نے بچایا ہے؟ آپ کو ایک انسان کے بارے میں عموماً اسی وقت علم ہوتا ہے جب آپ اس سے معاملہ کرتے ہیں۔ آپ اسے معاملے کے دوران درہم و دینار سے بے نیاز اور ''متورع'' پاتے ہیں لیکن ایک دن اچانک وہ اپنے کردار کی ساری خوبصورتی سمیٹ کر عہدے اور سربراہی کے لالچ کا اظہار کردیتا ہے...... اور اس طرح آپ کے تاثر پر بجلیاں گرادیتا ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہمارے دل ہر شر سے پاک رکھے اور ہمارے دلوں پر اس کا سایہ بھی نہ پڑنے دے...... یہ شخص ایک دم ایسا کردار اختیار کرلیتا ہے کہ پھر دنیا کی ہر روایت اور ہر اخلاق کو تاراج کرتا چلا جاتا ہے۔ عہدے اور کرسی کے لالچ میں اندھا ہوکر وہ تمام مقدس روایتوں کو مٹاتا چلا جاتا ہے۔ وہ لوگوں کو قتل ہوتے اور ذبح ہوتے دیکھتا ہے، وہ لوگوں کی غربت اور کسمپرسی کو دیکھتا ہے لیکن اپنے حال میں مست رہتا ہے اور اپنے پروگرام پر عمل پیرا رہتا ہے۔ اُس کی سوچ ہر وقت یہی کہتی ہے کہ وہ اپنے حقیر اور فضول منصب کی کس طرح حفاظت کرے جو دنیا کی کسی چیز کے برابر نہیں ہے تو بھلا آخرت میں اس کا کیا مقام ہوسکتا ہے؟

ما الدنیا فی الاخرۃ الّا کما یغمس احدکم اصبعه فی الیم فلینظر بم یرجع

''ساری دنیا کی قدر و قیمت آخرت کے مقابلے میں اس سے زیادہ نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈبوئے اور پھر دیکھے کہ اُس نے کل سمندر کا کتنا حصہ حاصل کیا''۔ بھلا ایک انگلی سمندر میں کیا کمی کرسکتی ہے!

اور فرمایا:

ما الدنیا فی الاخرۃ الا کموضع سوط احدکم فی الجنۃ

''دنیا آخرت کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ۔''

جنت زمین کے مقابلے میں کئی گنا ہے۔ امام احمد کی روایت کے مطابق جنت زمین سے دس گنا بڑی ہے۔ پس اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ اپنے دلوں کو ٹٹولنا چاہیے۔ شک و شبہہ کو چھوڑ کر یقین کو پکڑنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ ہمارے ذہنوں میں کیا چیز جا رہی ہے اور کیا چیز باہر نکل رہی ہے۔ ہمیں بچانے والی دو چیزیں بڑی اہم ہیں اور وہ ہیں: منہ اور شرم گاہ!

یہی دو چیزیں ہمیں جنت میں لے جاسکتی ہیں۔ صحیح میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

من یکفل لي ما بین لحییه وما بین رجلیه اکفل له الجنۃ

''جو مجھے اپنی دونوں داڑھیوں (داڑھوں) اور ٹانگوں کے درمیان والی چیزوں کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

اپنا منہ حرام چیزوں کے داخلے کے لیے بند رکھو، سامنے آنے والے شبہات سے اسے بچاؤ، اس سے باہر نکلنے والے کلام سے محتاط رہو!

اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرو! اللہ تمہیں جنت میں داخل کرے گا۔

اور اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں جنت سے محروم نہ کرے، آمین۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

علاماتِ قیامت 3

اِمــام مَہـدی کا تعــارف

مولانا مسعــود کوثــر

قیامت سے پہلے کچھ حالات و معاملات ایسے برپا ہونے ہیں جن سے اہلِ ایمان کی جنت و جہنم وابستہ ہے۔ مخبرِ صادق، نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک کا مفہوم ہے کہ 'آخری زمانے میں دنیا دو خیموں میں بٹ جائے گی، ایک خیمہ اہلِ ایمان کا ہو گا جس میں نفاق نہ ہو گا اور ایک خیمہ اہلِ نفاق کا ہو گا جس میں ایمان نہ ہو گا'۔ مولانا مسعود کوثر صاحب مدّ ظلّہ کے یہ دروس اسی کامیابی یا ناکامی سے متعلق ہیں اور ان میں اہلِ ایمان کو لائحۂ فکر و عمل فراہم کرنے کا سامان ہے۔ مولانا موصوف نے یہ دروس ایک عوامی مجلس میں ارشاد فرمائے تھے، جہاں برادرِ عزیز حافظ شہزاد (محب اللہ) شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، برادر حافظ شہزاد شہید نے ہی بڑے اہتمام سے ان دروس کو ریکارڈ کیا تھا۔ ان صوتی دروس کو تحریری شکل میں بھائی خیر الدین درانی نے ڈھالا ہے، باذن اللہ یہ دروس قسط وار، مجلّہ 'نوائے افغان جہاد' میں نشر کیے جائیں گے۔ (ادارہ)

إنّ الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ و نعوذ بااللہ من شرور أنفسنا و من سیئاتِ اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادي لہ و نشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ و نشہد أنّ سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ اما بعد۔

پہلا حصہ ظہورِ مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہے۔ تو ظہورِ مہدی کے سلسلے میں پہلے دو باتیں ذہن میں رکھیں، ان شاءاللہ اس کو اسی ترتیب سے بیان کریں گے۔

سب سے پہلے حضرتِ مہدیؓ کا تعارف، اُن کا نام و نسب، اُن کا حلیہ، پھر اُن کے آنے سے قبل کی علامات۔ وہ کب آئیں گے، اس کی علامات جو رسولِ اقدس ﷺ نے احادیث میں ارشاد فرمائیں، ان کو بیان کیا جائے گا۔ پھر اُن کی کیفیت کہ وہ ظاہر کیسے اور کب اور کہاں ہوں گے؟ اُس کی کیفیت کیا ہو گی، اس کو بیان کیا جائے گا۔ اس کے بعد حضرتِ مہدیؓ کی جو اپنی زندگی کی کیفیت ہے کہ ظہور کے بعد، وہ کس طرح اسلام کو غالب کریں گے؟ اس کی کیفیت کیا ہے؟ اُن کا جہاد کیا ہے؟ اُن کی جنگیں کس کس کے ساتھ ہیں؟ اور کیسے اسلام کا غلبہ ہو گا؟ کون اُن کا حامی ہے؟ کون اُن کا مخالف ہے؟ یہ بیان کر کے اُن کے ممیزات، اُن کی خصوصیات کہ حضرت مہدیؓ کے زمانے میں اسلام کو کیا خصوصیت حاصل ہو گی یا ان کے زمانے کو کیا اہمیت اور کیا صفات حاصل ہیں؟ ان کی کتنی عمر ہو گی؟ وہ حضرتِ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ کتنا عرصہ رہیں گے؟ اُن کی وفات کب اور کہاں ہو گی؟ ان کا جنازہ کون پڑھائے گا اور ان کی تدفین کہاں ہو گی؟ تمام احادیث کو بیان کیا جائے گا۔

ظہورِ مہدی کے سلسلے میں اُن کا نام و نسب

رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ابو داؤد اور سنن ابنِ ماجہ کی احادیث میں کہ ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہو گی۔ کنیت یعنی ان کے بیٹے کے نام سے، ان کو ابو عبد اللہ کے نام سے پکارا جائے گا۔ اصل نام ان کا بنیادی طور پر محمد ہو گا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: 'اُن کا نام میرے نام جیسا ہو گا'۔ محمد نام ہو گا، والد کا نام بھی عبد اللہ، 'ان کے والد کا نام بھی میرے والد کے نام جیسا ہو گا'، محمد بن عبد اللہ۔

القاب میں نبی کریم ﷺ نے ان کے دو لقب حدیث میں ارشاد فرمائے کہ ان کا نام، ان کا لقب المہدی اور الجابر ہو گا۔ تو اب پورا نام یہ بنتا ہے ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المہدی الجابر، القاب کے ساتھ۔ اور نسب میں وہ خاندانِ بنو ہاشم سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ ہاشمی النسل ہیں، قریشی ہیں اور مدینہ منورہ کے رہنے والے۔ ہاشمی پوری دنیا میں ہیں، مکہ میں ہیں، مدینہ میں ہیں، ہندوستان میں ہیں... وہ مدینہ کے رہنے والے ہاشمی ہوں گے۔ تو ان کی سیرت لکھنے والوں نے جو ان کا مکمل نام کنیت، ولدیت، القاب، نسب اور ان کے علاقے کے ساتھ لکھا ہے وہ اب یوں بنے گا۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المہدی الجابر الہاشمی المدنی یعنی مدینہ کے رہنے والے۔ ابو عبد اللہ کنیت، محمد نام، عبد اللہ ولدیت، المہدی اور الجابر القاب اور الہاشمی نسب اور المدنی علاقہ۔

''ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المہدی الجابر الہاشمی المدنی رضی اللہ عنہ''

نبی کریم ﷺ نے ان کے جو القاب ارشاد فرمائے ہیں ان کا معنیٰ سمجھ لیں۔ مہدی کا معنیٰ ہے ''اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص ہدایت لے کر آنے والی شخصیت'' کیونکہ حضرتِ مہدیؓ کو اللہ ذوالجلال ایک خاص وصف دے کر، ایک خاص عہدہ اور مقام دے کر بھیجیں گے، اس حوالے سے ان کا نام مہدی ہے۔ ورنہ المہدی، اس عنوان سے ہدایت کی نسبت سے تو رسولِ اقدس ﷺ نے بہت ساری دعائیں دی ہیں۔ حضرتِ معاویہؓ کو دعا دی اللّٰھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً۔ لیکن یہ ایک خاص وصف ہے۔ ایک بات سمجھ لیجیے کہ یہ المہدی، لقب کے ساتھ ساتھ ان کا عہدہ بھی ہے، یہ ان کا مقام بھی ہے۔

المہدویت کیا مقام ہے اس کو یوں سمجھیے کہ اللہ ذوالجلال نے عطائی طور پر...... کچھ منصب ایسے ہیں جن کو اللہ انتخاب کرتے ہیں اور کچھ منصب ایسے ہیں جن کو مخلوق ریاضت سے جد و جہد سے حاصل کرتی ہے۔ اسلام میں معروف چار مقام ہیں جو اللہ کسی کو عطا کرتے ہیں: نبوت، صدیقیت، شہادت اور صالحیت۔ کسی کو اللہ نے نبی بنایا ہو وہ مقام نبوت پر فائز۔ کسی کو مقامِ صدیقیت دیا وہ صدیق بنے۔ کسی کو مقام شہادت ملا وہ شہید بنا۔ مقام صالحیت دیا وہ صالح بنا۔ اللہ

ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر نماز میں مجھ سے یہ دعا کیا کرو اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ اے اللہ! ہمیں صراطِ مستقیم دکھا اور صراطِ مستقیم کیا ہے؟ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِمْ اے اللہ! تیرے ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ کن پر انعام کیا؟ پانچواں پارہ، سورۂ نساء ہے: فَأُوْلَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاء وَالصَّالِحِينَ۝[1]

نبوت، صدیقیت، شہادت، صالحیت...... یہ چار بڑے مقام ہیں۔ مقامِ مہدویت جو ہے، مہدی ہونا... یہ مقام دو مقاموں کے بعد اور دو مقاموں سے پہلے ہے۔ یہ مقام نبوت اور مقام صدیقیت کے بعد شہادت اور صالحیت سے پہلے ہے، یعنی المہدی ہونا یہ نبوت اور صحابیت (صدیقیت) کے بعد بڑا مرتبہ ہے۔ شہادت اور صالحیت اس کے بعد آتا ہے۔ مقامِ مہدی پر ہونا، مہدویت پر فائز ہونا، مقامِ نبوت اور مقامِ صحابیت (صدیقیت) کے بعد ہے اور شہادت اور صالحیت سے پہلے ہے۔ دنیا بھر کے تمام شہدا سے زیادہ درجہ مقامِ مہدویت کا ہے اور دنیا بھر کے اولیا سے زیادہ...... درجہ مقامِ مہدویت کا ہے۔ ولایت سے اونچا، صالحیت سے اونچا، شہادت سے اونچا مقام...... مہدویت...... نبوت اور صحابیت (صدیقیت) کے بعد۔ المہدی لقب کے ساتھ ساتھ ان کے اس عہدے کی پہچان بھی ہے کہ وہ المہدی کے عہدے پر فائز ہیں۔

دوسرا لقب ان کا ہے الجابر۔ الجابر کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی مبارک حدیث آئی ہے خود حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

الجابر الذي يجبر أمة، جابر کے دو معنیٰ ہیں۔ ہم اردو میں جب جابر کہتے ہیں تو ہمارے سامنے ایک معنیٰ آتا ہے، جابر...... سخت، ظالم کے معنیٰ میں کہ فلاں بڑا ظالم اور جابر حکمران ہے۔ جبکہ عربی میں ایسا نہیں ہے۔ عربی میں جابر کے دو معنیٰ ہیں اور یہ دونوں معنیٰ حضرتِ مہدی کے لقب کے ساتھ منطبق ہوتے ہیں۔ ایک معنیٰ معروف جس کو آپ اور ہم جانتے ہیں اردو میں کسی کا سخت گیر ہونا۔ ظلم نہیں بلکہ کسی کا شدید ہونا۔ تو علما یہ کہتے ہیں کہ حضرتِ مہدیؒ جب دنیا میں آئیں گے تو ان کو دو طرح کے لوگوں کا سامان کرنا پڑے گا۔ سب سے پہلے ان کا سامنا ہو گا...... مقابلے میں کفر سے تو وہ کافروں کے لیے واقعتاً جابر ہیں یعنی سخت گیر ہیں۔ احکامِ الٰہیہ میں، حدود اللہ میں وہ نرم نہیں ہیں۔ اللہ کے دین کو نافذ کرنے میں وہ نرم نہیں۔ جس طرح حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ اللہ کی کتاب پر عمل کرنے والے اور دین کو انتہائی سختی کے ساتھ دنیا میں نافذ کرنے والے تھے جس میں کوئی رعایت کسی کی نہیں ہے۔ وہ اس ضمن میں جابر ہیں کہ وہ کافروں کے لیے جابر ہیں اور دین کو دنیا میں، زمین میں نافذ کرنے میں سخت ہیں۔ اور یہ اچھا وصف ہے۔ یہ جابر ظلم اور تشدد کے معنیٰ میں نہیں، سختی اور پابندی کے معنیٰ میں ہے۔

دوسرا جو نبی کریم ﷺ نے احادیث میں ارشاد فرمایا اس کا معنیٰ الجابر الذي يجبر أمة کہ جابر کے دوسرے معنیٰ عربی لغت اور گرائمر میں یوں آتے ہیں کہ جابر الجبيرة سے ہے، ''جیم'' ''با'' اور ''را'' ایک ہوتا ہے الجبُر اور ایک ہے الجبَر، جبُر اور جبَر میں فرق ہے۔ یہ الجابر الجبيرة سے ہے۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے لیے جو پٹی یا جو لکڑی باندھی جاتی ہے عربی زبان میں اس کو جبیرہ کہتے ہے۔ فقہ کی کتابوں میں جب مسئلہ آتا ہے وضو کرنے کا کہ جس آدمی کو چوٹ لگی ہو ہاتھ کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہو اور اس نے وہاں پٹی باندھی ہو یا ڈاکٹر پہلوان جو ہے وہ ایک لکڑی باندھ دیتے ہیں جس کے اوپر پٹی ہوتی ہے اور جب ہڈی جڑتی ہے تو وہ خود نرم ہو جاتی ہے، اس کو عربی زبان میں جبیرہ کہتے ہیں فقہ کی کتابوں میں الجبيرة کے نام سے یہ مسئلہ موجود ہے کہ اس شخص کے لیے اس جگہ کا دھونا ضروری نہیں، وہ اس کے اوپر مسح کر لے تو اس کا وضو اور نماز ادا ہو جائے گی۔

تو الجابر، جو ان کا لقب ہے، اس کا ایک معنیٰ یہ ہوئے، ایک معنیٰ کہ کافر کے لیے سخت دوسرا معنیٰ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے والے۔ یقیناً حضرتِ مہدیؒ جن حالات میں اس اُمت میں وارد ہوں گے اور ظاہر ہوں گے وہ ٹوٹی ہوئی بکھری ہوئی منتشر اُمت کو ایک جگہ جمع کر کے ان کی حالت کو سنواریں گے۔ ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے والا۔ بکھری ہوئی اُمت کو جوڑنے والا، منتشر چیز کو منظم کرنے والا الجابر ہوتا ہے۔ تو حضرتِ مہدیؒ بالیقین ایک ہڈی کی طرح ریزہ ریزہ، بکھری ہوئی اُمت کو اس کے بازو کو درست کر کے قوتِ بازو بنا کر اپنے بازو کے ذریعے جہاد کے ذریعے دین کو دنیا میں نافذ کریں گے۔ تو بکھری ہوئی اُمت کے احوال کو درست کرنا اس عنوان سے الجابر ان کا لقب بالکل درست ہے۔

اگلی بات ہے ان کے نسب کی کہ وہ کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں؟ تو ان کے نام میں جس طرح آیا کہ ''الہاشمی''، خاندانِ نبوت سے تعلق ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ میری نسل سے ہیں اور میری نسل سے ایسے ہیں کہ فاطمہؓ سے اور فاطمہ کے بعد وہ حسن سے۔ حضرت فاطمہ کے دو بیٹے، ایک حضرت حسنؓ، ان کی اولاد حسنی کہلائی اور ایک حضرت حسینؓ، جن کی اولاد حسینی کہلائی۔ ابو داؤد شریف کی حدیث ہے کہ حضرتِ علیؓ نے اپنے بیٹے حضرت حسن کو کھیلتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حسن کی صلب سے، ان کی نسل سے اللہ اس شخص کو پیدا کریں گے جو المہدی ہو گا اور جس کے ذریعے اسلام کا غلبہ آئے گا۔ ابو داؤد شریف میں یہ حدیث تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ تو وہ خاندانِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور خاندانِ نبوت، بنی ہاشم ہونے کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ نے ان کی ایک اور فضیلت ارشاد فرمائی، بڑی فضیلت، دیکھیے! سیّد ہونا بہت بڑی فضیلت ہے، ہاشمی اور قریشی ہونا بہت بڑی فضیلت ہے، لیکن آج اگر کوئی سیّد کوئی ہاشمی کوئی قریشی یہ کہہ دے کہ

[1] ''تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین۔ اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔''

میں اہلِ بیت میں سے ہوں تو آپ مان لیں گے ؟ اہلِ بیت میں سے ہونا یہ ایک الگ شان ہے، ایک الگ فضیلت ہے۔ اہلِ بیت کو جو فضیلتیں اللہ ذوالجلال نے عطا فرمائی ہے، وہ کسی اور کو نہیں، خواہ وہ سیّد ہو خواہ وہ ہاشمی ہو۔ اہلِ بیت ہونا اور ہے اور ہاشمی اور قریشی اس خاندان سے ہونا یہ اور ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ ہاشمی النسل تو ہیں، قریشی ہیں، خاندانِ نبوت سے تعلق ہے، میری آل اور میری اولاد سے ہیں، حسنی ہیں، حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہیں... اس کے ساتھ اللہ نے ان کو ایک اور فضیلت عطا فرمائی کہ اللہ نے ان کو وہی فضیلت عطا کی ہے ، ان کا وہی درجہ ہے وہی مقام ہے، جو اہلِ بیت کا ہے۔ جو فضیلت اللہ ذوالجلال نے اہلِ بیت کو دی، اہلِ بیت کون؟ حضور ﷺ کی ازواج......بیویاں، نبی کریم ﷺ کی اولاد جو رسول کے گھرانے کو، رسولِ اقدس ﷺ کے اہلِ خانہ کو، نبی کریم ﷺ کے گھر کو جو فضیلت حاصل تھی خاص گھرانہ، خاص نبوت کا گھر، نبوت کی اولاد، نبی کریم ﷺ کی ازواج، اللہ نے ان کو جو فضیلتیں عطا فرمائی تھیں جو احکام ان کے ہیں وہی احکام محمد بن عبد اللہ المہدیؒ کے ہیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا سنن ابنِ ماجہ کی حدیث ہے کہ المھدی منّا ومن أھل البیت مہدی ہم میں سے تو ہیں ہمارے خاندان سے، اہلِ بیت میں سے بھی ہیں، اللہ نے ان کو وہ فضیلت بھی عطا کی ہے۔

اور ان کا حلیہ نبی کریم ﷺ نے پوری تفصیل کے ساتھ احادیث میں ارشاد فرمایا۔ سنن ابنِ ماجہ کی ایک حدیث میں ہے ان تمام تفصیلات کے ساتھ کہ وہ ہاشمی النسل ہیں، رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ دراز قد ہیں، ان کا رنگ سرخ و سفید ہو گا، مضبوط جسم کے مالک ہوں گے، روشن اور کھلی پیشانی اور کھڑی ناک والے ہوں گے اور ان کی زبان میں تھوڑی سی لکنت ہو گی، تھوڑی سی لکنت جو عیب نہیں۔ اپنی بات کرتے وقت کبھی کبھی ان کی زبان رُک جایا کرے گی جس سے وہ تھوڑا سا اپنی بات کو روک دیا کریں گے اور اپنی بات کو جاری رکھنے کے لیے ان کو تھوڑی سی مشقت اٹھانا پڑے گی۔ یہ ان کا حلیہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ابو داؤد شریف میں یہ حدیث ہے اور سنن ابنِ ماجہ کی ایک طویل حدیث میں سے ہے۔

یہ حضرتِ مہدیؒ کا نام، ان کا نسب اور ان کا حلیہ، علاقہ جیسا عرض کیا کہ وہ مدینہ کے ہاشمیوں میں سے ہوں گے اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مدینہ کے رہنے والے ہوں گے۔ حدیث شریف کی ایک کتاب نور الابصار ہے جس میں یہ ایک اثر نقل کیا گیا ہے۔ مدینہ کے قریب ایک بستی، جس کا نام القریٰ یا الکریم آیا ہے، اس بستی کے رہنے والے ہوں گے۔

حضرتِ مہدیؒ کن حالات میں آئیں گے ؟ کچھ ان کے آنے سے قبل کی علامات۔ اس کو شروع کرنے سے پہلے ایک دلچسپ بات آپ کو عرض کر دیتا ہوں کہ دیکھیے آج کے جدید زمانہ میں جب کسی کا اتنا تفصیلی حال معلوم ہو، اس کا نام، والد کا نام، علاقے کا نام، قبیلے کا نام اور رنگ و نسل حلیہ قد و قامت، آنکھوں کا رنگ اور پیشانی اور ناک اتنی تفصیلی خبر اگر حدیث شریف میں موجود ہے، تو یہود یا کافر جو ہیں وہ اس سے غافل نہیں ہیں۔ ان احادیث کو سامنے رکھ کر انہوں نے کچھ عرصہ قبل ایسے آدمی کی تلاش شروع کی جو آکر اسلام کے غلبے اور کفر کے توڑنے کا سبب بن سکتا ہے۔ پوری محنت کے ساتھ میدان میں اترے اور اس نام، اس حلیہ اور اس قد و قامت کی تلاش شروع کی۔ ڈیٹا موجود ہے، کمپیوٹر موجود ہیں، روابط موجود ہیں، حکومتیں ان کے تحت ہیں... تو اللہ ذوالجلال نے حضرتِ مہدیؒ کی حفاظت کا بڑا ہی اچھا طریقہ کیا۔ ایک ذریعہ ہے ان کا، ان کا نام اور ان کا نسب وہ کیسے ؟ وہ اس طرح کہ ان کا نام کیا ہے ؟ محمد بن عبد اللہ اور خاندان بنو ہاشم۔ جب نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ وہ ہاشمی ہیں اور مدینہ سے تعلق رکھتے ہیں تو بڑی آسانی سے ایسا شخص مل جانا چاہیے تھا کفر کو جنہوں نے اس کی تلاش شروع کی کہ اس کو پہلے ہی ختم کیا جائے یا کچھ بھی کیا جائے تو انتہائی تلاش کے باوجود ایسا شخص نہیں ملا۔ وجہ؟ وجہ نام و نسب ہے کہ محمد بن عبد اللہ نام ہو، ہاشمی النسل ہو، مدینہ اور مدینہ کے متصل آبادیوں کا رہنے والا ہو۔ اللہ ذوالجلال نے یہ انتظام فرمایا کہ ہاشمیوں میں، عربوں میں بالخصوص، ہر دوسرا تیسرا شخص محمد بن عبد اللہ ہے۔ اس نام کو اتنا عام کر دیا گیا کہ عرب میں آپ کسی سے پوچھیں تو ہر دوسرا شخص محمد بن عبد اللہ ہو گا۔ دو تین نام بہت زیادہ ہیں اور ہاشمیوں میں آلِ نبوت میں تو یہ نام ویسے ہی بہت آئے ہیں۔ تو رپورٹ کے مطابق، محمد بن عبد اللہ، ہاشمی ہو اور مدینہ کے قریب علاقوں کا رہنے والا ہو، ایسے شخص کی جب فہرست الگ کی گئی تو ہزاروں آدمی اس نام کے سکرین پہ آگئے۔ اب کس نام کا اور کس آدمی کا پیچھا کیا جائے، اس کو ٹریس کیا جائے؟ اور حفاظت کی دوسری سب سے اعلیٰ شکل یہ ہے کہ رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا، ابنِ ماجہ کی حدیث ہے کہ اللہ ذوالجلال نے ان کو جو اوصاف عطا کرنے ہیں وہ ایمان نیکی تقویٰ اور طہارت کے بعد ان میں ایک فاتح جیسی صفات موجود ہوں، ایک عقل مند حکمران جیسی صفات موجود ہوں اور زمانے بھر کو فتح کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ جتنی صلاحیتیں ہیں اللہ ذوالجلال ان کو وہ پہلے سے عطا نہیں کریں گے، وہ ایک عام مسلمان، نیک، پاکیزہ سوچ رکھنے والے انسان ہوں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی جناب سے اپنی قدرت سے ان کو ایک رات میں اس مقام پر فائز کر کے یہ ساری صلاحیتیں ان کی شخصیت میں عطا کر دیں گے۔ اس سے پہلے کسی اور کو تو کیا خود محمد بن عبد اللہ، جس نے کل مہدی ہونا ہے، اس کو آج پتا نہیں کہ کل میں اس منصب پر فائز کیا جاؤں گا۔ حدیث کیا ہے؟ وہ حدیث جو پہلے اہلِ بیت والی پڑھی، وہی حدیث مکمل یہ ہے المہدی منّا و من أھل البیت یصلح اللّٰه في لیلة، اللہ ذوالجلال ان کو ایک رات میں یہ تمام اوصاف اور یہ صفات ودیعت کر دیں گے۔ اس سے پہلے کسی کو علم نہیں کائنات میں دنیا میں۔ اور خود جو محمد بن عبد اللہ ہوں گے، آج وہ ایک عام مسلمان کی شکل میں ہیں، مومن ہیں، پرہیز گار ہیں، متقی ہیں، اللہ سے ڈرنے والے ہیں لیکن ان کو یہ پتا نہیں، شاید وہ آج خود اس انتظار میں ہوں کہ کل کوئی مہدی آنے والا ہے جبکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ایک رات میں مہدویت کے مقام پر ان کو فائز کر دیں گے اور وہ تمام صلاحیتیں اور اوصاف اللہ ذوالجلال ان کو ایک رات میں ودیعت کر دیں گے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات قادر و مقتدر ہے۔ اور حدیث شریف میں اس کی تصریح موجود ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 26 پر)

فتحِ مُبین

عالی قدر امیر المومنین، شیخ الحدیث والتفسیر

مولانا ہبۃ اللہ اخوندزادہ نصرہُ اللہ

کا فرمان

بسم الله الرحمن الرحيم

ألله أكبر كبيرا والحمد لله كثيرا و سبحان الله بكرة و أصيلا

ألحمد لله الذي صدق وعده و نصر عبده و أعز جنده وهزم الأحزاب وحده والصلوٰة والسلام علىٰ من لا نبي بعده و علىٰ آله و أصحبه الذين نشروا الدين، أما بعد

۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ کی سرکردگی میں نیٹو افواج نے ہماری سرزمین پر حملہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور افغان غیرت مند قوم کی مدد کے سہارے...... امارتِ اسلامیہ افغانستان اس قابل ہوئی کہ تقریباً انیس سال جہاد پر ڈٹے رہنے کے بعد بالآخر افغانستان کو امریکی تسلط سے آزاد کرانے کی خاطر معاہدے تک پہنچ گئی۔

یہ فتح تمام مسلمان عوام اور مسلمان بہن بھائیوں کی مشترکہ فتح ہے جنھوں نے تقریباً انیس سال اپنی جانوں اور مالوں کی گراں قدر اور تاریخی قربانیاں پیش کیں۔ افغانستان کی سرزمین سے تمام غیر ملکی افواج کا مکمل طور پر نکلنا اور مستقبل میں (ان کی طرف سے) کسی بھی قسم کی مداخلت نہ کرنے کا یہ معاہدہ ایک بڑی کامیابی ہے۔ امارتِ اسلامیہ افغانستان اس عظیم کامیابی کی مناسبت سے اپنے تمام لوگوں، خصوصاً مجاہدین، شہدا کے گھرانوں، قیدیوں، زخمیوں، معذوروں، مہاجرین اور سب عوام کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتی ہے۔ ہم اس عظیم فتح کو، اللہ تعالیٰ کی نصرت، مجاہدین کی قربانیوں اور اپنی ملت کے اخلاص، دوڑ دھوپ، تھکاوٹوں اور قربانیوں کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ اس عظیم فتح کے بعد آنے والے حالات کے حوالے سے مجاہدین اور پوری قوم کی توجہ درج ذیل نکات کی جانب مبذول کرواؤں:

1. امریکیوں کے ساتھ جنگ کے خاتمے کا معاہدہ، جس کے نتیجے میں ہماری عوام نے جنگ سے نجات پائی ہے؛ ایک عظیم فتح، اللہ تعالیٰ کا احسان، نصرت اور بڑا انعام ہے۔ لہٰذا ہم اس کامیابی کو کسی اور کا کمال نہ سمجھیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام اور مجاہد عوام کی قربانیوں کا حاصل ہے۔
2. امارتِ اسلامیہ کی طرف سے امریکیوں کے ساتھ کیے گئے یہ معاہدات، جو شرعی اصولوں کے تحت تکمیل پائے اور جو دنیا بھر کے معیارات کے مطابق ہیں؛ سب مجاہدین اور افغان عوام کی طرف سے ایک عہد اور وعدہ ہیں جس پر عمل کرنا سب پر لازم ہے۔
3. امارتِ اسلامیہ کے کسی بھی مسئول، فرد اور شہری کو اجازت نہیں کہ ان معاہدات کے خلاف کوئی عمل کرے۔ سب لوگ اس حوالے سے اپنے آپ کو مکلف جانیں کیونکہ اسلام میں فریب اور غدر کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ بڑے گناہ کی بات ہے۔ البتہ اگر مقابل کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی ہو تو سب عوام پر لازم ہے کہ ماضی کی طرح مقابلے کے لیے تیار رہیں!

4. افغانستان کی مسلمان ملت، خصوصاً مجاہدین اس عظیم فتح کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، اپنے آپ کو تقویٰ سے مزین کریں اور خود کو امانت داری اور دیانت داری کا پابند بنائیں۔ تکبر، غرور، دوسروں پر اپنے آپ کو فائق سمجھنے اور خود پسندی سے اپنے آپ کو سختی سے بچائے رکھیں کیونکہ یہ اعمال جہاد اور فتح کی ضد ہیں۔

5. امریکیوں کے ساتھ کامیاب مذاکرات نے یہ ثابت کر دیا کہ ہر قسم کے مسائل کے حل کے لیے راستہ ڈھونڈا جا سکتا ہے۔

6. امارتِ اسلامیہ، ان مذاکرات کی کامیابی کے موقع پر تمام داخلی فریقوں کو یہ پیغام دیتی ہے کہ ہم ایک معقول اور عادلانہ حل کے لیے تیار ہیں۔ آیئے! اپنے عوام کی دینی اور ملی اقدار کی روشنی میں مسائل کا حل تلاش کریں، نیز کابل انتظامیہ عوام کی مخالفت سے پیچھے ہٹ جائے۔

7. ہم اپنے مظلوم عوام کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ایک عادلانہ اور حقیقی اسلامی نظام کے سائے میں ملک کے تمام مردوں اور خواتین کو ان کا حق دیا جائے گا۔

8. امارتِ اسلامیہ کی مخالفت میں جو بھی شریک رہا ہو اور عموماً ہر وہ فرد جو امارت اسلامیہ سے (اپنے سابقہ رویے کی بنا پر) خوف رکھتا ہو؛ ہم ان کے ماضی میں کیے گئے تمام افعال پر انہیں معاف کرتے ہیں اور امان دیتے ہیں اور مستقبل میں ان کے لیے اسلامی اخوت، ملی وحدت اور اچھی زندگی کے خواہاں ہیں۔

9. امارت اسلامیہ دینی و عصری تعلیم، تجارت و ترقی، آبادکاری اور تمام اجتماعی کاموں میں ترقی کے لیے راستہ ہموار کرے گی کیونکہ یہ افغانیوں کا بنیادی حق اور ہمارے ملک کی ترقی اور عوام کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کے لحاظ سے اہم ضرورت ہے۔

10. امارتِ اسلامیہ کے مجاہدین اپنی صفوں کو پہلے سے زیادہ منظم، فعال اور تربیت یافتہ بنائیں تاکہ اپنے بڑے ہدف یعنی جنگ کے خاتمے کے بعد اسلامی نظام کا قیام اور عوام کو ترقی دلا سکیں، نیز آنے والے وقت میں ہر قسم کے برے حالات کا مقابلہ کرنے، امارت اسلامیہ کی حفاظت اور صلح و امن کے معاہدے کو مضبوط تر بنانے کی خاطر احتمالی خطرات کے مقابلے اور عوام کی خدمت کے لیے تیار رہیں۔

11. امارتِ اسلامیہ علمائے کرام، قومی عمائدین، دانشوروں، تجزیہ کاروں، اساتذہ، طلبہ اور عام عوام سے گزارش کرتی ہے کہ جس طرح جنگ کے خاتمے تک آپ لوگ اخلاص کے ساتھ مجاہدین کے ساتھ کھڑے رہے، اسی طرح داخلی معاملات کے حل کے لیے بھی اتحاد و معاونت جاری رکھیں؛ یہاں تک کہ یہ مرحلہ بھی کامیابی کی منزل تک پہنچ جائے اور افغانستان عادلانہ اسلامی نظام اور امن سے ہمکنار ہو جائے۔

آخر میں، مَیں قطر اور اس کے امیر شیخ تمیم بن حمد الثانی کا مشکور ہوں جنہوں نے مذاکرات کے لیے سہولیات فراہم کیں اور اخلاص کے ساتھ اس مہم کے لیے مدد فراہم کی۔ اسی طرح پاکستان، ازبکستان، چین، ایران، روس، انڈونیشیا، ترکمانستان، کرغزستان، متحدہ عرب امارات اور باقی تمام ممالک جنہوں نے مذاکرات کے سلسلے میں ہماری مدد کی ان کا میں مشکور ہوں...... آباد رہیں۔

والسلام

زعیم امارت اسلامیہ افغانستان

امیر المومنین ہبۃ اللہ اخوندزادہ

۵ رجب ۱۴۴۱ھ / ۲۹ فروری ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی قیادت
جماعت قاعدة الجهاد

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا

[بلاشبہ ہم نے تمہیں کھلی فتح عطا کی ہے!(القرآن)]

جماعت قاعدۃ الجہاد (القاعدہ) کی مرکزی قیادت کی طرف سے امارت اسلامی افغانستان کی فتح پر بیان

الحمد لله الذي نصر عبده، وأعز جنده، وهزم الأحزاب وحده، والله أكبر كبيرا، والحمد لله كثيرا، و سبحان الله بكرة وأصيلا، والصلاة والسلام الأتمان الأكمان على رسولنا الأمين، وعلى آله وصحبه و من استن بسنته و جاهد بجهاده إلى يوم الدين، أما بعد

سب سے پہلے ہم اپنے رب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس کے اسمائے حسنیٰ کے ذریعے اس کی تقدیس بیان کرتے ہیں کہ اُس رب قدیر نے اپنے بندے امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کے اُس مشہور قول کو سچا فرمایا جب آپ نے کہا کہ:

"اللہ جل جلالہٗ نے ہم سے فتح ونصرت کا وعدہ کیا ہے اور بش ہم سے شکست کا وعدہ کرتا ہے، دنیا جلدی دیکھ لے گی کہ کس کا وعدہ سچا ثابت ہوتا ہے۔"

پس اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں کہ آج ساری دنیا نے کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھ لیا کہ امریکہ اپنی تمام قابض افواج افغانستان سے نکالنے پر مجبور ہے اور اس نے ذلیل ہو کر امارت اسلامی افغانستان کی قیادت میں ایمان ویقین سے سرشار مجاہدین کی شرائط کے سامنے سر جھکایا اور اُس معاہدہ پر دستخط کیے؛ جس کے مطابق ان کا قبضہ سرزمینِ افغانستان سے ختم ہو جائے گا۔ اس بابرکت موقع پر ہم عالی قدر امیر المومنین شیخ الحدیث والتفسیر مولوی ہبۃ اللہ اخوندزادہ (حفظہ اللہ)، امارت اسلامیہ افغانستان کے تمام غیرتِ ایمانی سے سرشار مجاہدین، غیرت مند افغانی قوم اور اپنی فاتح امت......امتِ مسلمہ کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک قابض افواج کے انخلا کا یہ معاہدہ، اللہ کے فضل سے مومنین کے لیے انتہائی عظیم فتح جبکہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے لیے واضح شکست ہے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس فتح کو پوری امت مسلمہ کے لیے عموماً اور افغانستان میں بسنے والے ہمارے اہل ایمان کے لیے خصوصاً باعثِ خیر ثابت فرمائے، بے شک خیر وبرکت اور ہدایت ورہنمائی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

ہماری محبوب امت!

گزشتہ بیس سال کی یہ تاریخ اپنے اندر انتہائی اہم اسباق رکھتی ہے۔ یہ ہمیں بتاتی ہے کہ امت مسلمہ میں سے ایمان سے سرشار ایک قوم نے جب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھاما، اپنے خالق پر توکّل کیا، ایسے علمائے کرام اور قائدین کے پیچھے کھڑی ہوئی جو صدق ووفا کے پیکر تھے، اپنی صفوں کو مضبوط ومتحد کیا اور صبر وصلوٰۃ کا زادِ راہ لے کر میدان جہاد میں اتری تو وہ اللہ کی توفیق سے اس قابل ہو گئی کہ اس نے کفارِ عالم کے انتہائی طاقت ور اتحاد کو ذلت ورسوائی سے ہمکنار کیا۔ اس قوم نے ایسی حالت میں کفار کو شکست دوچار کیا کہ جب ساری دنیا نے اسے تن تنہا چھوڑ رکھا تھا۔ اللہ نے ہمیں دکھا دیا کہ اس نے صلیبی کفار کو اسلام کے خلاف اس جنگ میں انتہائی بری طرح ناکام کر دیا۔ ان کے پاس کیا کچھ نہیں تھا؟ بہترین جنگی بیڑے، جدید ٹیکنالوجی، بے شمار جہاز، تباہ کن ہتھیار اور منظم فوجوں کے قوی لشکر......یہ سب کچھ ان کے پاس تھا، مگر اس سب کے باوجود، اللہ کے اذن سے، صبر وثبات کے پیکر مومنین کی انتہائی قلیل تعداد کے ہاتھوں انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ اللہ رب العزت نے سچ فرمایا: وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ، یعنی "اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی!"......وللہ الحمد۔

اس جنگ کے آغاز سے اختتام تک امریکہ میں تین دورِ حکومت گزرے۔ اس جنگ کو شروع کرنے کا اعلان بھی ریپبلکن پارٹی نے کیا تھا اور اپنی شکست اور فوج کی پسپائی کا اعلان بھی ریپبلکن پارٹی ہی کر رہی ہے...... جس ثابت ہو گیا کہ تینوں ادوار کی یہ حکومتیں ناکام رہی ہیں۔ نیز اللہ کی شان دیکھیے کہ آج شکست کی اس دستاویز پر دستخط کرنے اور مجاہدین کی شرائط کے سامنے جھکنے کا یہ واقعہ بھی خاص اُس امریکی ریپبلکن صدر کے دور میں پیش آ رہا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت وعداوت میں پچھلوں سے زیادہ سخت ہے۔

اس موقع پر ہم اپنی امت کے تمام علمائے کرام اور سب اہلِ خیر سے اپیل بھی کرتے ہیں کہ ایسی اسلامی حکومت کے قیام میں امارت اسلامی کی مدد کیجیے جس میں حقیقی معنوں میں اللہ کی شریعت، ان شاء اللہ حاکم ہو گی۔ اسی طرح ہم تمام اہل اسلام کی خدمت میں یہ درخواست بھی کرتے ہیں کہ وہ امارت اسلامی کے مجاہدین اور ایمان سے سرشار افغانی قوم

کے نقش قدم پر چلیں اور جان لیں کہ خارجی اور داخلی دشمنانِ دین کے قبضے سے نہ ہی ہم خلاصی حاصل کرسکتے ہیں اور نہ ہی اللہ کی شریعت کو حاکم بناسکتے ہیں الا یہ کہ ہم صدقِ دل سے اللہ کے سامنے گناہوں اور کوتاہیوں سے تائب ہو جائیں اور اس رب کریم کے دین کی طرف دعوت دینے اور اس کے راستے میں جہاد کرنے والے بن جائیں۔

پس اے ہماری پیاری امت! صرف اللہ پر بھروسہ کرو، اس رب کی مدد و نصرت کے بارے میں حسن ظن رکھو جو بہترین مددگار اور کارساز ہے اور اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے کمربستہ ہو جاؤ۔ صبر و یقین کا دامن تمہارے ہاتھوں سے نہ چھوٹے اور اپنی صفوں میں کلمۂ توحید کے گرد جمع ہو کر وحدت و اتحاد پیدا کرو کہ بس یہی کفار کے تسلط سے نجات، حقیقی آزادی کے حصول اور دشمنانِ دین و امت کے خلاف فتح و نصرت کا واحد راستہ ہے!

افغانستان میں بستی ہماری محترم مسلمان قوم!

ہم آپ سے اس عظیم فتح و نصرت کے موقع پر اول و آخر اللہ کا شکر ادا کرنے کی درخواست کرتے ہیں اور پھر وصیت کرتے ہیں کہ حکمت و شعور کی پیکر امارت اسلامیہ کی آپ کی یہ عظیم قیادت جب تک اللہ کے دین اور اس کی شریعت کے ساتھ جڑی رہے، تو آپ بس اسی کے دست و بازو بنیں اور اسی کے گرد ہی جمع رہیں۔ اس مجاہد قیادت کی معروف میں سمع و طاعت کریں، اس کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار اور اس کے لیے مدد و نصرت کا اعلان کریں اور اس کے عدل و اسلام پر مبنی نظام کو قوی کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔ داخلی اختلافات اور تفرقہ بازی کو ختم کرنے میں بھی اپنی امارت اسلامی کی مدد کیجیے اور آپ سب کلمۂ توحید کے گرد متحد ہو جائیے۔ ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے اور معیشت بہتر کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے دین و ایمان اور اسلامی و افغانی اقدار کی حفاظت جیسی ذمہ داریاں بھی اب امارت اسلامی کے کندھوں پر ہیں، ان سب میں بھی آپ کے تعاون اور مدد کی امارت کو ضرورت ہے۔ افغانستان کی اس پاک سرزمین کو جنگوں نے تھکا دیا ہے، پس اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اس کی تعمیر و ترقی میں لگائیے تاکہ یہ سرزمین ہر مسلمان کے چین و امان اور پاکیزہ اسلامی زندگی گزارنے کے قابل بن جائے۔

جہاں تک افغانستان میں موجود، صبر و ثبات کی علامت ہمارے مجاہد بھائیوں کا تعلق ہے، تو ہم انہیں وصیت کرتے ہیں کہ جو معاہدہ ہوا ہے، سب اسے پورا کرنے کی ذمہ داری کا احساس کیجیے۔ عہد شکنی اور غدر، ایمان و احسان کے حامل مومنین کا طریقہ بالیقین نہیں ہے...... جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ غدر و عہد شکنی ہمیشہ صلیبی کفار اور ان کے آلۂ کاروں کا شیوہ رہا ہے۔

پس کسی بھی ناگہانی صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے مستعد رہیے اور اپنی احتیاطی تدابیر اور اسلحے سے کبھی غافل نہ ہوں۔ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً، یعنی "کفار اس تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یک بارگی ٹوٹ پڑیں"۔

اللہ رب العزت کا فرمان مبارک ہے: وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ، یعنی "اور (مسلمانو) جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی جتنی چھاؤنیاں تم سے بن پڑیں ان سے مقابلے کے لیے تیار کرو جن کے ذریعے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن پر بھی ہیبت طاری کرسکو"۔ اس حکم ربانی پر لبیک کہتے ہوئے، امارت اسلامیہ کی قیادت میں قائم معسکرات کو فی الفور آباد کیجیے۔ اسی طرح علمی مجالس اور تعلیم و تربیت کے مراکز کے ساتھ ساتھ رباط و ذکر اللہ کے مراکز سے جڑیے تاکہ اللہ کے مقرب بندوں میں آپ کا شمار ہو جائے۔

جو وصیت امیر المومنین شیخ ہبۃ اللہ اخوندزادہ حفظہ اللہ نے اپنے آخری بیان میں کی ہے، ہم بھی آپ کو اسی کی تذکیر کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

"افغانستان کی مسلمان ملت، خصوصاً مجاہدین، اس عظیم فتح کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، اپنے آپ کو تقویٰ سے مزین کریں اور خود کو امانت داری اور دیانت داری کا پابند بنائیں۔ تکبر، غرور، دوسروں پر اپنے آپ کو فائق سمجھنے اور خود پسندی سے اپنے آپ کو سختی سے بچائے رکھیں کیونکہ یہ اعمال جہاد اور فتح کی ضد ہیں...... امارتِ اسلامیہ کے مجاہدین اپنی صفوں کو پہلے سے زیادہ منظم، فعال اور تربیت یافتہ بنائیں تاکہ اپنے بڑے ہدف یعنی جنگ کے خاتمے کے بعد اسلامی نظام کا قیام اور عوام کو ترقی دلا سکیں، نیز آنے والے وقت میں ہر قسم کے برے حالات کا مقابلہ کرنے، امارت اسلامیہ کی حفاظت اور صلح و امن کے معاہدے کو مضبوط تر بنانے کی خاطر احتمالی خطرات کے مقابلے اور عوام کی خدمت کے لیے تیار رہیں۔"

آخر میں ہم دل کی گہرائیوں سے یہ دعا اللہ سے مانگتے ہیں کہ وہ ربِ رحمان افغانستان، فلسطین، کشمیر، مغرب اسلامی، مشرقی افریقہ اور شام سمیت تمام مسلم سرزمینوں میں مسلمانوں کی ایسی مدد فرمائے کہ جس سے اللہ کے مطیع بندوں کو عزت ملے، گناہ گاروں کو ہدایت ملے اور ان پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ نیز تمام مسلمانوں کی مشکلات اللہ آسان فرمادیں، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

رجب ۱۴۴۱ھ – فروری ۲۰۲۰ء

سر بلند ہیں دوستانِ دیں...... سر نگوں ہیں دشمنانِ دیں!

شیخ مولانا عبد البصیر دامت برکاتہم

میزبان: صدائے شریعت ریڈیو کے قابلِ قدر واحترام سامعین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کل ۵ رجب ۱۴۴۱ھ بمطابق ۲۹ فروری ۲۰۲۰ء کو، افغانستان پر امریکی حملے اور جنگ کے خاتمے کی خاطر معاہدہ نامے پر دستخط کرنے کی تقریب ہوئی۔ اس تقریب میں اکثر ممالک کے عہدہ داروں نے شرکت کی۔ تقریب کا آغاز، قطر کے وقت کے مطابق، دن کے تین بج کر پینتالیس منٹ پر ہوا۔ سب سے پہلے قطر کے وزیر خارجہ نے گفتگو کی، اس کے بعد امریکی وزیرِ خارجہ مائیک پومپیو نے گفتگو کی اور اس کے بعد اِمارتِ اسلامیہ افغانستان کے نائب امیر برائے امورِ سیاسی محترم ملا عبد الغنی برادر اخوند نے گفتگو کی اور اس کے بعد معاہدہ نامے پر دستخط ہوئے۔ یہ تقریب نہایت اچھی اور خوشگوار فضا میں تکمیل پائی۔ اس تقریب میں امارت اسلامیہ افغانستان کی علمی شخصیات میں سے ایک محترم شیخ مولانا عبد البصیر صاحب نے بھی شرکت کی، محترم شیخ صاحب سے ہماری گزارش ہے کہ کل کے دن کا آنکھوں دیکھا حال بیان کریں اور اس تقریب کے حوالے سے شیخ کے کیا تاثرات تھے وہ بھی بتائیں۔

شیخ مولانا عبد البصیر صاحب:

الحمدللہ والصلاۃ والسلام علیٰ رسول للہ وعلیٰ آلہ و صحبہ و خدام دین اللہ

امابعد فأعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا، اس عظیم نعمت اور عظیم فضل پر جو اُمتِ مسلمہ پر اللہ تعالیٰ نے فرمائی، میں بہت شکر گزار ہوں، اللہ تعالیٰ کا احسان بجالاتا ہوں اور پوری اُمتِ مسلمہ کو اس عظیم نعمت پر مبارک باد دیتا ہوں۔ پھر خاص کر اُمتِ مسلمہ کے مجاہد بیٹوں کو مبارک باد دیتا ہوں، محاذوں پر موجود اور معسکروں میں زیرِ تربیت غازیوں کو، بہادر فدائی مجاہدین کو، جیلوں میں قید عزم وہمت کے پہاڑوں اور سب مسلمانوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

کل کا دن ایک ایسا دن تھا جب امریکیوں کو شکست ہوئی۔ لہٰذا اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ تمام مسلمانوں اور امارت اسلامیہ کے مسئولین ومجاہدین سے میری درخواست ہے کہ اس دن کو فتح کے دن سے تعبیر کرکے خوشیاں منائی جائیں اور کبھی بھی اس دن کو نہ بھولا جائے۔

جیسا کہ امارت اسلامیہ کے مؤسس امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد، نوّراللہ مرقدہٗ نے آج سے بیس سال قبل امریکہ کو مخاطب کرکے جو مبارک کلمات ارشاد فرمائے تھے کہ 'امریکہ ان شاء اللہ لسٹ میں اوپر سے (سپر پاور سے) بالکل نیچے آجائے گا (زیرو پاور بن جائے گا)'۔ الحمدللہ کل کی تقریب میں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ امریکہ لسٹ میں اوپر سے لسٹ میں بالکل نیچے آگیا۔ سب مجاہدین اور مسلمانوں سے میں عرض کرتا ہوں کہ عالی قدر امیر المومنین کی کرامت وولایت کو مان لیں اور ان کے لیے دعا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کلمات کو سچا کرکے پورا کیا۔ آج امریکیوں کے سر جھک گئے، انھوں نے مات کھائی اور امارت اسلامیہ کامیاب ہوگئی۔ امارت اسلامیہ نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر جتنی بھی قربانیاں دی ہیں، آج اللہ تعالیٰ نے اُن حسین و جمیل قربانیوں کا ثمر ہمیں دکھادیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں ہم التجا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے دلوں کو غرور وتکبر سے بچائیں اور اللہ رب العزت کی ذات کا ہی ہمیشہ ہمیں شکر ادا کرنا چاہیے۔

میں اپنے عالی قدر مجاہدین سے کہتا ہوں کہ یقیناً یہ آپ کا خون تھا، آپ کی شجاعتیں تھی، آپ کی اس دینِ اسلام کے لیے غیرت تھی، جس کی برکت سے...... آپ کے مبارک خون کا ثمر و نتیجہ ہمیں کل دیکھنے کو ملا جب کل، ہفتے کے روز، افغانستان کے وقت کے مطابق، بوقتِ عصر...... شام پانچ بجے افغانستان کی آزادی اور فتح کے دن کی تقریب قطر میں منعقد ہوئی، جس میں امارت اسلامیہ کے مجاہدین نے اپنے ہی لباس، اپنی ہی پگڑیوں اور داڑھیوں کے ساتھ بہترین انداز میں شرکت کی۔ لیکن امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد ہم سب کے درمیان موجود نہیں تھے۔ کاش کہ وہ آج زندہ ہوتے...... ہمیں دیکھتے اور افغانستان کی آزادی و فتح کی اس تقریب و معاہدے کو دیکھتے۔ آپؒ قطر دفتر کے بھی مؤسس تھے اور اس امارت کے بھی مؤسس ہیں۔ قطر دفتر کو ہمیشہ آپ نے اپنی زیرِ نگرانی رکھا کہ اس دفتر سے امارت کو فتح وکامرانی ملے گی۔

ہمارے محاذوں پر موجود مجاہدین نے جتنی قربانیاں دیں اس کا نتیجہ پوری دنیا میں روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگیا اور قطر میں اس مبارک خون کے نتیجے میں جو مجلس منعقد ہوئی وہ سب لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اللہ رب العزت ہمارے تمام مسئولین کو جنت الفردوس سے نوازیں۔

ہمارے اور آپ کے امیر المومنین، شمس الشہداء، ملا اختر محمد منصور رحمہ اللہ نے بھی اس مقصد کی خاطر بہت قربانیاں دیں۔ آپ نے اپنی امارت کے فریضے کو احسن طریقے سے ادا کیا، بہت سے قطعوں (عسکری بریگیڈوں) کو فعال کیا، بہت سی جنگی تیاریاں کیں۔ اللہ رب العزت آپؒ کو جنت الفردوس سے نوازیں۔

حالیہ امیر المومنین شیخ الحدیث ہبۃ اللہ اخوندزادہ صاحب، اللہ ان کو اچھی زندگی سے نوازیں، کی بھی یہی تمنا، یہی آرزو اور دلی خواہش تھی۔

اچھی تقریب ہوئی اور اچھی گفتگو ہوئی۔ امریکیوں کے سر جھکے ہوئے تھے اور امارت اسلامیہ کے مجاہدین کے سر بلند تھے۔ خاص طور پر یہ شجاع مجاہدین کی برکتیں تھیں، فدائی مجاہدین کی برکتیں تھیں، غازیوں کی برکتیں تھیں... ان کی برکتوں کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوری

اُمتِ مسلمہ اور دینِ اسلام کو سربلندی دی،اللہ اس کو اور زیادہ سربلندی دے۔ اللہ رب العزت ہم سب کی قربانیوں کو اپنے دربار میں مقبول بنالیں، آمین!

میں اپنے قیدی بھائیوں سے کہتا ہوں کہ آپ لوگوں نے جتنی تکالیف برداشت کیں، اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرمائے۔ ہم سب مجاہدین آپ سب کی رہائی کے لیے بھرپور کوشش کریں گے یہاں تک کہ آپ کی رہائی کا راستہ ہموار ہو جائے اور اس کے نتیجے میں تمام قیدی مجاہدین قید سے رہا ہو جائیں۔ ان شاء اللہ العزیز آپ کی رہائی کے بعد سب مل کر اس مبارک دن کی خوشیوں کو منائیں گے، عبادات کے ساتھ، تلاوتِ قرآن کے ساتھ اور اذکار کے ساتھ۔

میں کہتا ہوں کہ خصوصاً اپنے مسئولین کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔

حضرتِ نائب امیر المومنین اور سیاسی دفتر کے مسئول، الحاج ملا عبد الغنی برادر حفظہ اللہ بھی اس موڑ پر نہایت فاتح اور شجاع بن کر نکلے۔ الحمدللہ آپ نے ان کی گفتگو سن لی ہو گی، کیسی ہی حسین وخوبصورت گفتگو تھی۔

الحمدللہ! ہم جہاں بھی ہوتے نماز کے دوران، کمروں میں، یا تقریب میں شرکت کے لیے آتے ہوئے......پوری دنیا کے میڈیا کی توجہ ہماری طرف ہوتی۔ دنیا بھر کے میڈیا نے تقریب کے باقی شرکا کو اتنی توجہ نہیں دی جتنی توجہ ہمارے ساتھیوں کو ملی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اعلیٰ دربار میں ان سب امور کو قبول فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی دنیا و آخرت کو حسین بنائیں۔

میرے مجاہد ساتھیو! خوش رہو، مطمئن رہو۔ آپ جہاں کہیں بھی محاذوں پر ہوں، ہمارے دل آپ لوگوں کے ساتھ ہیں۔ آپ ہمارے دل کے ٹکڑے ہیں، ہماری آنکھوں کے تارے ہیں۔ اللہ رب العزت آپ سب کی حفاظت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کا محافظ اور حامی و ناصر ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کی تمام قربانیوں کو مقبول بنائیں، آمین۔

افغانستان کی غیور و شجاع ملت نے بہت سی تکالیف سہہ لیں۔ اس غیور و شجاع ملت کو ہمارے اور آپ کے خون اور خدمت کی ضرورت ہے، لہٰذا یہ سب کچھ ہم ان کو دیں گے عاجزی کے ساتھ اور احسن طریقے سے۔

اے میری غیور ملت! یہ آپ کی غیرت ہی ہے، اگر آپ کی غیرت نہ ہوتی تو امارت اسلامیہ اس ہدف تک نہ پہنچ پاتی۔ اللہ پاک کی نصرت اور آپ کی مدد نے ہمیں یہاں تک پہنچایا۔

اپنے اعلامی کمیسیون (کمیشن) سے میں کہنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں نے جتنی تکالیف برداشت کیں اور جتنی قربانیاں دیں، اللہ تعالیٰ ان تکالیف و قربانیوں پر آپ کو دنیا و آخرت میں نعم البدل عطا کریں۔ آپ سب کا بہت بہت شکریہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو، ہمارے والدین کو حشر کے میدان میں سرخرو فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے حوضِ کوثر کا جام نصیب فرمائیں۔

میزبان: محترم شیخ صاحب! ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے صدائے شریعت ریڈیو کے واسطے سے امارت اسلامیہ کے محاذوں پر موجود مجاہدین تک اپنا پیغام پہنچایا اور اس تقریب کا آنکھوں دیکھا حال بیان فرمایا۔ بہت شکریہ!

بقیہ: امام مہدی کا تعارف

ایک اہم بات کہ حضرتِ مہدی کو جب ہم کہتے ہیں تو ان کے دائیں بائیں ہم دو لفظ لگاتے ہیں۔ ایک لفظ جو ہے وہ الامام ہے اور ایک لفظ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ”امام“ تو لازم ہے جو آکر خلافت کو قائم کرے اور جو آکر لوگوں کا سیاسی امام ہو تو اس کو امام ہی کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ چونکہ انہوں نے ایک نماز پہلے پڑھانی ہے اور اس نماز میں حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کے مقتدی ہوں گے۔ اس نسبت سے بھی ان کو امام کہتے ہیں کہ دنیا میں اس امت میں سے ایسا امتی جس کے پیچھے ایک نبی نماز پڑھے۔ اس لحاظ سے ان کو الامام کہا جاتا ہے۔ اس امت کو اللہ نے یہ فضیلت عطا کی ہے۔ خود حضرتِ مہدی پیچھے ہٹنے لگیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ نہیں مجھے آپ کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ نماز پڑھایئے۔ اللہ نے اس امت کو یہ اعزاز دیا ہے کہ اس امت کے ایک فرد کے پیچھے کل کا ایک نبی جو ہے وہ نماز پڑھے گا۔ اس لیے ان کو امام کہا ہے۔ سیاسی امام بھی اور ایک خاص امام بھی۔

دوسرا ”رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ کہا جاتا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے لیے کہنا مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری ہے اس لیے کہ الترضیٰ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے کی جو شرطیں ہیں کہ ہم کس کو رضی اللہ عنہ کہہ سکتے ہیں، وہ ساری کی ساری شرطیں حضرتِ مہدیؓ پر پوری آتی ہیں۔ اس کی تین شرطیں ہیں جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ آپ ”رضی اللہ عنہ“ اس کو کہہ سکتے ہیں جس کے ایمان پر گواہی موجود ہو، اس کا ایمان لانا دلیل قوی سے ثابت ہو۔ پھر ایمان پر زندگی گزارنا ثابت ہو اور ایمان پر موت ثابت ہو۔ جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، ان کے ایمان کی گواہی رسولِ اقدس ﷺ نے دی، ایمان پر رہنا ثابت ہے اور ایمان پر موت ثابت اور اس سے ہٹ کر ان کو اللہ نے خود رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ کہہ دیا۔ تو حضرتِ مہدیؓ کا ایمان قرآن و حدیث سے ثابت ہے، ایمان پر ان کا رہنا، ایمان کے لیے اسلام کے لیے قربانیاں اور جہاد کرنا یہ ثابت ہے، ایمان پر موت، تو جنازہ چونکہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پڑھائیں گے لہٰذا ایمان پر موت بھی ثابت ہے۔ لہٰذا ان پر الترضیٰ کی شرائط موجود ہیں، ان کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا مناسب ہے۔

(باقی آئندہ، ان شاء اللہ)

ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور!

محترم جناب شیر محمد عباس ستانکزئی حفظہ اللہ

عباس ستانکزئی: جس طرح کہ معاہدے میں ذکر ہوا ہے کہ ۱۰ مارچ کو بین الافغان کانفرنس ہو گی، جس میں افغانی قوم کے نمائندے جمع ہو کر بیٹھیں گے۔ البتہ یہ کانفرنس کس جگہ ہو گی یہ ابھی تک طے نہیں ہوا ہے۔

وائس آف امریکہ: آنے والے کچھ دنوں میں (افغانستان کے) نئے صدر کی حلف برداری کی تقریب ہو گی اور ۹ یا دس تاریخ کو بین الافغان مذاکرات ہوں گے، تو حکومت بین الافغانی مذاکرات میں کیا کرے گی؟

عباس ستانکزئی: یہ تو آپ کو بہتر معلوم ہے کہ افغانستان میں انتخابات نہیں ہوئے اور جو انتخابات حکومت دکھارہی تھی، وہ اصل میں انتخابات نہیں تھے۔ وہ کسی طور بھی انتخابات کے بین الاقوامی معیار پر پورے نہیں اترتے۔ اور یہ آپ نے بھی دیکھ لیا کہ ہزاروں بائیو میٹرک مشینیں غائب ہو گئیں۔ وہ مشینیں کہاں گئیں؟ اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ عوام کے ووٹ کا احترام کہاں گیا؟!

وائس آف امریکہ: سوال یہ ہے کہ طالبان کی جنگ حکومت کی مضبوطی میں رکاوٹ ہے اور ہر بار افغانستان میں جمہوری راستے سے نظام کی مضبوطی کو جنگ نے روکے رکھا ہے اور یہ الزام ہمیشہ افغان حکومت کی طرف سے پاکستان پر لگایا جاتا ہے کہ ایک منصوبے کے تحت افغانستان کی حکومت کو مستحکم ہونے سے جنگ کے ذریعے روکا جارہا ہے؟

عباس ستانکزئی: کابل کا ادارہ تو ہمیشہ اس طرح کے ڈھنڈورے پیٹتا ہے۔ وہ تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے مقابل پوری قوم کھڑی ہے اور وہ ہمیں نہیں چاہتی۔ نہ ہمیں (کابل حکومت کو) چاہتی ہے اور نہ ہی امریکہ کے غلاموں اور مزدوروں کو!

وہ مجبور ہیں کہ یا تو پاکستان پر الزام لگائیں یا کسی دوسرے ملک پر کہ یہ لوگ ہمارے داخلی معاملات میں مداخلت کرتے ہیں۔ اگر پاکستان پر یہ الزام لگ رہا ہے کہ وہ افغان حکومت کے داخلی معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے تو یہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ پاکستان عملاً نیٹو کے ساتھ اس اتحاد میں شامل ہے (جو افغانستان پر حملہ آور ہے)۔ امریکہ کی ساری رسد پاکستان کے راستے سے آتی ہے، لہٰذا پاکستان کیسے ہمارا (طالبان کا) مددگار ہو سکتا ہے؟ پھر یہاں اڑتالیس یا انچاس ممالک کی افواج موجود ہیں اور پاکستان کون سا کوئی سپر پاور ہے کہ ان سب ممالک سے جنگ لڑے (جبکہ یہ اڑتالیس انچاس ممالک افغانستان میں کابل کے ادارے کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں)!!

وائس آف امریکہ: کیا آپ انتخابی عمل پر یقین رکھتے ہیں؟

عباس ستانکزئی: میں نے آپ سے کہا کہ بین الافغان مذاکرات میں ہر قسم کے موضوع پر بحث ہو گی۔ ہر اس معاملے پر بات ہو گی، ہر اس حکومت پر بات ہو گی جس پر افغان قوم کی اکثریت متفق ہو، ہم اسی پر خوش ہوں گے اسی کا ہم احترام کریں گے۔

وائس آف امریکہ: یعنی اگر افغانیوں کی اکثریت نے جمہوریت اور انتخابات کے عمل کو افغانستان کی حکومت کے لیے منتخب کیا تو کیا طالبان بھی پھر انتخابات میں حصہ لیں گے؟

عباس ستانکزئی: آپ بہتر جانتے ہیں کہ افغانستان کی اکثریت مسلمان عوام پر مشتمل ہے۔ افغان قوم کی اکثریت، افغانستان میں اسلامی نظام چاہتی ہے...... اس میں کوئی شک نہیں۔ ہم اس کے خواہاں ہیں کہ اسلامی نظام قائم ہو۔

وائس آف امریکہ: آپ کیسا اسلامی نظام چاہتے ہیں؟ قطر میں 'امارت' کا نظام ہے؟ سعودیہ میں ایک نظام ہے، ایران میں ایک خاص طرز کی حکومت ہے، آپ کس طرز کا اسلامی نظام افغانستان میں چاہتے ہیں؟

عباس ستانکزئی: یہ اسلامی نظام جس پر اکثر صحافی و تجزیہ کار اور دیگر ممالک کے لوگ بحث مباحثے کرتے ہیں اور ہمیشہ یہی نعرے لگاتے رہتے ہیں کہ اصل اسلامی نظام کون سا ہے، ایران کا یا کسی اور ملک کا......؟ تو اسلامی نظام تو ایک ہی نظام ہے۔ یہ نہ ایران کا نظام ہے نہ ہی سعودی عرب کا۔ اسلام کا قانون ایک قانون ہے۔ یہ سیاستدان ہیں کہ اس میں تفریق ڈالتے ہیں؛ کوئی ایک قسم کہتا ہے اور کوئی دوسری قسم۔ ہم ان شاء اللہ ایک ایسی حکومت پر متفق ہوں گے جو اسلامی اور شرعی نظام ہو اور ہماری افغانی اقدار کے مطابق ہو۔ ہم اس معاملے میں کسی ملک کے نظام کی تقلید نہیں کریں گے۔

وائس آف امریکہ: اگر غیر ملکی افواج افغانستان سے نہ نکلیں تو کیا یہ معاہدہ ختم ہو جائے گا؟

عباس ستانکزئی: معاہدے کے مطابق غیر ملکی افواج کو افغانستان سے نکلنا چاہیے اور اگر وہ نہ نکلیں تو یہ جنگ جاری رہے گی اور پھر ہم ان کو زبردستی نکالیں گے!

وائس آف امریکہ: امریکیوں کا قطر میں سب سے بڑا اڈا ہے، سعودیہ میں بھی ہے، اور اسی طرح اور بھی اسلامی ممالک میں ہیں، وہ کون سا ملک ہے جس میں ان کا اڈا نہیں ہے! کیا وہ وہاں ان کے ساتھ لڑتے ہیں؟

عباس ستانکزئی: میں یہ نہیں چاہتا کہ غیر ملکی افواج، جو باقی ممالک میں ہیں، پر بحث کروں کیونکہ وہ ان ممالک کا داخلی موضوع ہے، اور نہ ہی یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں اس حوالے سے بات کروں۔ لیکن ہمارا جہاں تک تعلق ہے، ہماری جہاں تک ذمہ داری ہے، ہم افغانستان میں غیر ملکی افواج کو نہیں چھوڑیں گے...... (بقیہ صفحہ نمبر 30 پر)

طالبان اپنی حکومت سے دستبردار نہیں ہوئے!

ملا عبد السلام ضعیف حفظہ اللہ

ہارون رشید: دوحہ میں اس وقت مَیں، افغانستان میں طالبان تحریک کے سابق سفارت کار، ملا عبد السلام ضعیف، جو پاکستان میں سفیر تھے، کے ساتھ موجود ہوں۔ اور اس موقع پر ہم بات کریں گے کہ یہ طالبان اور امریکہ کے درمیان جو امن معاہدہ ہونے جارہا ہے یہ اب کیوں کر ممکن ہوا پہلے کیوں نہیں ہو سکا اور طالبان کی سوچ میں اب جو تبدیلی آئی ہے، اس کی کیا وجوہات ہیں؟ تو ملا ضعیف صاحب آپ بتائیں کہ طالبان کی سوچ اب کیوں بدلی؟ اب وہ معاہدے کے لیے کیوں کر تیار ہوئے؟

ملا عبد السلام ضعیف: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، دراصل افغانستان میں امریکہ نے جو لڑائی شروع کی اس کا انتخاب افغانستان کے لوگوں یا طالبان نے نہیں کیا تھا۔ وہ لڑائی افغانستان پر مسلط کی گئی تھی۔ امریکہ نے پوری طاقت، غرور، دنیا اور پڑوسی ممالک کی مدد سے افغانستان پر حملہ کیا اور افغانستان آیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ طالبان نے ہار مانی، بلکہ امریکہ نے ہار مانی ہے۔ ۲۰۰۶ء تک امریکہ اسی غرور میں مبتلا تھا۔ البتہ ۲۰۰۶ء کے بعد امریکہ نے محسوس کیا کہ افغانستان میں اس کے مقابلے میں بڑی مزاحمت پیدا ہو گئی ہے جو روز بروز بڑھ رہی ہے۔ ۲۰۰۸ء میں امریکہ اور دنیا کی سوچ میں تبدیلی پیدا ہوئی کہ افغانستان کو طاقت کے استعمال سے نہیں چلایا جا سکتا بلکہ ایک سیاسی عمل کی ضرورت ہے۔ ۲۰۰۸ء کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوا کہ طالبان کے لیے ایک سیاسی چینل پیدا کیا گیا اور یہ کہ یہ کہاں ہو گا، کس طرح ہو گا اور طالبان سے بات چیت کیسے ہو گی؟ اس سلسلے میں سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، انڈونیشیا اور پاکستان سے کردار ادا کرنے کو کہا گیا لیکن طالبان نے وہ سب کچھ اس طرح نہیں مانا جس طرح کہ امریکہ چاہتا تھا۔ تو طالبان کی سوچ میں تبدیلی نہیں آئی بلکہ دراصل امریکہ کی سوچ میں تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔

ہارون رشید: طالبان کے جو مقاتلین یا سپاہی ہیں، ان پر اس معاہدے کا منفی یا مثبت کیسا اثر ہو گا؟ کیا وہ سب اس کی حمایت کرتے ہیں؟

ملا عبد السلام ضعیف: طالبان بارے بہت منفی تاثر پیش کیا گیا ہے کہ ان کے درمیان اس معاہدے سے متعلق ہم آہنگی نہیں ہے۔ یعنی قیادت اور جنگجوؤں یا قیادت اور کمانڈروں یا سیاسی اور عسکری قیادت کے درمیان ہم آہنگی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے جنگ بندی کی مدت، جس کا آج آخری دن ہے، رکھی گئی۔ میرے خیال میں یہ بہت مؤثر رہا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طالبان کی آپس میں مکمل ہم آہنگی موجود ہے۔ اُن کے سارے معاملات اسی ہم آہنگی سے چل رہے ہیں۔ میرے خیال میں ایسا کوئی خدشہ موجود نہیں۔

ہارون رشید: کیا یہ معاہدہ چل پائے گا؟ معاہدے کی جو تفصیلات سامنے آئی ہیں، طالبان کے لیے اس کی شرائط ماننا آسان ہوں گی؟

ملا عبد السلام ضعیف: طالبان کے لیے شرائط کوئی سخت نہیں ہیں سوائے اس کے کہ افغانستان کا مسئلہ سیاسی بات چیت کے ذریعے حل ہو۔ طالبان نے اس پر مشورہ بھی کیا ہے۔ طالبان نہیں چاہتے کہ افغانستان میں سوویت یونین کے نکلنے کے بعد والا تجربہ دہرایا جائے بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ جنگ کے بعد افغانستان میں سیاسی عمل شروع ہو۔ یہ صلح اور اتفاق سے ہی ممکن ہے اور یہ افغانوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہو گا۔ طالبان کی تقریباً تمام شرائط مانی گئی ہیں۔ امریکیوں نے اپنی شرائط منوانے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں مانی گئیں۔ امریکیوں نے مان لیا ہے کہ وہ تقریباً چودہ مہینوں میں افغانستان سے مکمل طور پر نکل جائیں گے، یہ اچھی بات ہے۔

ہارون رشید: معاہدے میں ایک شرط یہ ہے کہ طالبان کو افغان حکومت سے مذاکرات کرنا ہوں گے۔ طالبان ہمیشہ اس سے انکار کرتے رہے ہیں!

ملا عبد السلام ضعیف: یہ شرط اس میں نہیں ہے۔ یہ شرط نہیں ہے کہ طالبان صرف افغانستان کی حکومت سے مذاکرات کریں گے۔ ہاں یہ مانا گیا ہے کہ افغانوں کے درمیان مذاکرات ہوں گے۔ یہی وہ مشکل کام ہے جس کا طالبان کو سامنا ہو گا۔ معاہدے کے کچھ روز بعد افغان حکومت کو بھی اس مشکل کا سامنا ہو سکتا ہے۔ طالبان نے اب تک جو بات چیت کی ہے وہ امارت اسلامیہ افغانستان کے نام سے کی ہے اور جو معاہدہ ہو رہا ہے، وہ بھی اسی نام سے ہو گا۔ طالبان اپنی امارت (حکومت) سے دست بردار نہیں ہوئے۔ جب وہ امارت پر ڈٹے ہوئے ہیں تو دوسری کسی حکومت کا وجود نہیں مان سکتے۔ یہ مسئلہ افغان ڈائیلاگ کے دوران حل ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں اس کا حل یہی ہے کہ افغانستان میں ایک قومی نظام پر بات ہو نہ کہ ایک دوسرے کو ماننے پر۔

ہارون رشید: طالبان نے پانچ ہزار قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ اٹھایا ہے۔ وہ امریکہ نہیں بلکہ افغان حکومت کے ہاتھ میں ہیں۔ رہائی کس طرح ہو گی؟

ملا عبد السلام ضعیف: یہ سوال بہت زیادہ کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر یہ امریکہ کے بس میں نہیں ہے تو امریکہ کس طرح معاہدے میں یہ بات مان رہا ہے؟ پہلی بات۔ دوسری یہ کہ آپ نے دیکھا کہ انس حقانی کی رہائی کے متعلق بھی انہوں نے کہا کہ یہ افغانستان حکومت کر سکتی ہے لیکن بعد میں یہ معاملہ حل ہو گیا۔ افغانستان میں تقریباً چالیس ہزار قیدی ہیں۔ ان میں سے تین چوتھائی امریکیوں نے گرفتار کیے ہیں۔ اگر امریکہ یہ کہتا ہے کہ یہ افغان حکومت کا مسئلہ ہے تو گرفتاریوں میں شامل کیوں رہا ہے؟ جب کسی کو گرفتار کر کے جیل میں ڈالتے ہیں تو انہیں آزاد کرنے کا اختیار بھی رکھتے ہیں۔

(باقی صفحہ نمبر 30 پر)

ہم ایک اسلامی معاشرے کے خواہاں ہیں!

محترم جناب ملا سہیل شاہین حفظہ اللہ

سہیل شاہین: وہ تفصیلات جو معاہدہ نامے میں ہیں، اس پر عمل شروع ہو گا اور معاہدے کے مطابق سب سے پہلے قیدی رہا ہوں گے، پانچ ہزار قیدی امارت اسلامیہ کے ہیں اور ایک ہزار قیدی کابل انتظامیہ کے رہا کیا جائیں گے۔ اس مرحلے کو معاہدہ نامے میں اعتماد سازی کا نام دیا گیا ہے اور اس کے بعد بین الافغان مذاکرات کا آغاز ہو گا۔ جب قیدیوں کی رہائی مکمل ہو گی تو بین الافغان مذاکرات میں مستقبل کی حکومت کے بارے میں بات چیت ہو گی۔

صحافی: بین الافغان مذاکرات میں کس قسم کی رکاوٹیں ہو سکتی ہیں؟

سہیل شاہین: میری نظر میں تو کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی مجھے رکاوٹ نظر آرہی ہے کیونکہ جب ہم امریکیوں کے ساتھ بات کر سکتے ہیں، حالانکہ نہ ہمارا اور ان کا رواج ایک اور نہ زبان ایک اور نہ ہی ہمارا عقیدہ ایک ہے، لیکن جب ہم نے چاہا کہ مسئلے کا حل بات چیت کے ذریعے ڈھونڈا جائے تو وہ ہم نے ڈھونڈ لیا اور ایک حل تک پہنچ گئے۔ تو اسی طرح ہم افغانی، جبکہ ہمارا ایک رواج ہے، ایک عقیدہ ہے، ایک زبان ہے اور ہمارے بہت سے امور مشترک ہیں، ہمارا ملک ایک ہے؛ لہٰذا ہمیں جلد مسئلے کے حل تک پہنچنا چاہیے، مجھے یہی امید ہے۔

صحافی: آپ کے خیال میں افغانستان کے اساسی دستور پر مشکلات بننے کا امکان ہے؟

سہیل شاہین: اساسی دستور ملک کی ضرورت ہے۔ لیکن افغانستان کا موجودہ اساسی دستور جو کہ ایک آزاد فضا میں نہیں بنا، یہ ایک غیر ملکی قبضے کے سائے میں بنا ہے اس لیے یقیناً اس میں ایسے قوانین ہیں جو حملہ آور افواج کے فوائد کو ملحوظِ خاطر رکھے ہوئے ہیں۔ ہم ایک ایسا اساسی دستور چاہتے ہیں جس کی تشکیل آزاد فضا میں ہو، وہ قانون جو افغانستان کے عوام کے لیے فائدے کا باعث ہو۔

صحافی: میرا سوال یہی تھا کہ اساسی دستور کی تشکیل میں وہ کیا مشکلات اور چیلنجز ہوں گے جس کا آپ لوگوں کو سامنا ہو گا، کیونکہ بین الافغان مذاکرات میں وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جنہوں نے افغانستان کے اندر یہ (جنگ کے) اٹھارہ سال گزارے ہیں اور اساسی دستور کے حوالے سے ان کی فکر مختلف ہے؟

سہیل شاہین: افغانستان کے عوام کی اکثریت مسلمان ہے۔ یہ مسلمان ہیں، مجاہد ہیں، اپنی آزادی اور اسلامی دستور کی خاطر گزرے چالیس سال میں ہزاروں کے حساب سے انہوں نے قربانیاں دی ہیں، لہٰذا مستقبل کا اساسی دستور، اسلامی رواج اور مسلمانوں کی امیدوں کا ترجمان ہو گا اور اسی بنیاد پر اس کی تشکیل ہو گی۔ میرے خیال میں تو کسی بھی افغان کو اس میں مشکل نظر نہیں آنی چاہیے۔ ہم کبھی بھی نہیں چاہتے کہ ہمارا قانون ایسا ہو جو پرائے ممالک اور غیروں کے فوائد سمیٹنے کا سبب ہو۔ اس مسئلے پر تو تمام افغانیوں کا اتفاق ہے۔

صحافی: ایک مسئلہ جو ہمیشہ رہا ہے، چاہے طالبان کی ماضی کی حکومت میں ہو یا طالبان کی حکومت کے سقوط کے بعد، جس میں طالبان پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ خواتین کو حقوق دینے کے خلاف ہیں۔ خواتین کو حقوق دینے کے حوالے سے آپ کس حد تک تیار ہیں؟

سہیل شاہین: ایک بات تو یہ ہے کہ جو لوگ ہم پر الزام لگاتے تھے تو وہ ویسے ہی ہمارے خلاف تھے اور اس اختلاف کی وجہ سے وہ ہماری مخالفت کے لیے حیلے بہانے ڈھونڈتے تھے۔ ایک بہانہ ان کا یہ تھا کہ طالبان خواتین کے حقوق کو نہیں مانتے یا اس کا خیال نہیں رکھتے۔ میرے خیال میں خواتین کے دو اہم حقوق ہیں: ایک ان کا حقِ تعلیم اور دوسرا کام (معاش) کا حق۔ یہ دونوں حقوق دینے کو ہم تیار ہیں، البتہ؛ ہمارا معاشرہ ایک اسلامی معاشرہ ہے اور یہ خواتین مسلمان ہیں؛ لہٰذا ان کو حجاب کا خیال کرنا ہو گا اس کے علاوہ کوئی مشکل نہیں۔

صحافی: از راہِ مزاح آپ سے ایک سوال ہے، وہ یہ کہ ٹیلی وژن کے جو گلوکار ہیں...... تو آنے والے وقت میں جب طالبان کی حکومت ہو گی تو مثال کے طور پر ایک گلوکارہ آریانہ سعید ہے، تو اس قسم کے گلوکاروں کے ساتھ طالبان کا کیسا تعامل ہو گا؟

سہیل شاہین: دیکھیے! ہمارا ایک اسلامی معاشرہ ہے اور ہم اسلامی اصول رکھتے ہیں، ہمارے دینی علما ہیں اور بین الافغان مذاکرات اسی مقصد کے لیے ہو رہے ہیں۔ ہر وہ چیز جو ان اصولوں کی روشنی میں ہو، اس میں کسی قسم کا مسئلہ نہیں ہو گا۔ میں افراد کی بات نہیں کر رہا کہ ان کے کیا اہداف ہیں، کس سے منسلک ہیں... اس موضوع پر ہم بین الافغانی مذاکرات میں اپنے اصولوں کی روشنی میں بات کریں گے اور یہ بھی واضح کریں گے کہ آیا ان کو اجازت ملے گی کہ نہیں؟! اگر اجازت ملتی ہے تو کس اصول کے تحت اور اگر اجازت نہیں ملتی تو وہ کس اصول کے تحت، اس کے (شرعی) دلائل موجود ہوں گے۔

صحافی: محترم سہیل شاہین صاحب! آنے والے بیس سال میں آپ افغانستان کو کیسا دیکھنا چاہتے ہیں؟ اگر میں کھل کر بات کروں تو آپ کے خیال میں دنیا بھر کے ممالک میں وہ کون سا ملک ہے جو آپ کا آئیڈیل ہو گا اور آپ چاہتے ہیں کہ تیس چالیس سال بعد ہمارا ملک افغانستان بھی اس طرز کا ہو؟

سہیل شاہین: ٹکل صاحب! میں یورپ کے ممالک میں گیا ہوں اور سیاسی دفتر کے ایک عہدہ دار کی حیثیت سے دیگر ممالک بھی میں نے دیکھے ہیں۔ میں نے جب کسی ملک میں کوئی اچھی عمارت دیکھی تو دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش یہ عمارت میرے ملک میں بھی ہوتی، وہاں اگر میں نے کوئی اچھی سڑک دیکھی تو دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش یہ میرے ملک میں بھی ہوتی، ایسا نہیں کہ میں ان کے ساتھ حسد کر رہا تھا لیکن میری یہ تمنا تھی کہ ہمارا ملک بھی ایسا ہو تا اور ایسے

کارخانے وترقی ہماری آرزو ہے...... میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں یہ سب کچھ اپنے ملک میں دیکھ لوں، یہ جنگ ختم ہو جائے اور ہم اپنے ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے کمربستہ ہوں۔ یہ میری خواہش ہے اور سب افغانیوں کی بھی یہی آرزو ہو گی۔ اھم

صحافی: کچھ اور کہنا چاہیں گے ؟

سہیل شاہین: سب افغانیوں کو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آیئے! اپنے مشترکہ امور کے لیے اکٹھے ہو جائیں، ماضی کو بھلائیں اور تلخ تجارب سے سبق لیں جنہوں نے افغانیوں کو خرابی کے علاوہ کچھ نہیں دیا اور اغیار کے لیے یہ راستہ فراہم کیا کہ وہ افغانستان میں بلاوجہ مداخلت کریں۔ ابھی ہمیں اس مقصد کے لیے ایک ہونا چاہیے کہ ہمارا ملک آزاد ہو جائے اور جب ہمارا ملک آزاد ہو جائے تو ہم سب مل کر اپنے ملک کو آباد کرنے کی خاطر اور اسلامی طرزِ حیات قائم کرنے کی خاطر اکٹھے ہو جائیں۔

بقیہ: عباس ستانکزئی انٹرویو

غیر ملکی افواج افغانستان سے نکلیں گی اور اگر افغانستان سے نہیں نکلیں گی تو میں نے آپ سے پہلے ذکر کیا کہ ہم نے اب بھی ان کو مجبور کیا ہے اسی وجہ سے وہ مذاکرات کی میز پر بیٹھی ہیں۔ لیکن اگر یہ افواج نہ نکلیں تو پھر ہم ان کو زبردستی نکالیں گے، یہ ہم پر لازم ہے۔

وائس آف امریکہ: جب بین الافغان مذاکرات کامیاب ہو جائیں گے اور طالبان افغان حکومت بن جائیں گے تو اگر اس وقت آپ لوگوں سے اڈوں کا مطالبہ کیا جائے تو کیا آپ لوگ امریکہ کو اڈے بنانے کی اجازت دیں گے ؟

عباس ستانکزئی: یہ اس وقت کی حکومت اور قوم کا فیصلہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں یا نہیں۔ اور وہ فیصلہ شرائط اور حالات کے مطابق ہو گا۔ وقت سے پہلے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اڈوں کی ضرورت ہو گی یا نہیں۔ اول تو جب بھی کوئی غیر ملکی اڈا کسی دوسرے ملک میں ہوتا ہے تو اس ملک کے فائدے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس ملک کو نقصان ہی دیتا ہے۔ وہ ملک اگر جنگی اعتبار سے نہیں، تو سیاسی اور اقتصادی حوالے سے ضرور خسارہ اٹھاتا ہے...... اور یہ ہم نہیں چاہتے اور اسی مقصد کے لیے ہم بیس سال سے امریکہ کے ساتھ لڑ رہے ہیں، لہٰذا ان کو افغانستان سے نکلنا چاہیے!

بقیہ: ملا عبد السلام ضعیف انٹرویو

ہارون رشید: آخری سوال آپ سے یہ ہے کہ اگر افغانستان میں قومی حکومت بنتی ہے تو کیا طالبان ماضی کی غلطیوں کو دہرائیں گے یا اچھے طریقے سے حکومت چلائیں گے ؟

ملا عبد السلام ضعیف: انسان سے غلطیاں ہوتی ہیں لیکن عقل مند وہ ہوتے ہیں جو غلطیوں کو مانیں اور انہیں دہرانے سے گریز کریں۔ میرے خیال میں طالبان کی تحریک کے آغاز اور آج میں فرق یہ ہے کہ طالبان کے علم میں (اضافے کی صورت) تبدیلی آئی ہے۔ طالبان کی سفارت کاری میں (بہتری کی صورت) فرق آیا ہے۔ طالبان کے تجربے میں (اضافے کی شکل) فرق آیا ہے۔ اب طالبان کا علم، سفارت کاری اور تجربہ بین الاقوامی ہو گیا ہے۔ میرے خیال میں یہ بہت مثبت ثابت ہو گا۔

”إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ “کا عملی نمونہ

ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان امراء کو نفس و شیطان، کفار و منافقین اور اس گندی دنیا کے فتنوں سے محفوظ فرمایئے۔ اللہ سے یہ بھی دعا ہے کہ امارت اسلامی کی اس مبارک تحریک کو دنیا کی تمام جہادی جماعتوں کے لیے مشعل راہ ثابت کرے کہ وہ اپنے قول و عمل میں دین و شریعت پر کوئی سودا بازی بھی نہ کریں اور امت مسلمہ کے زخموں پر مرہم کا ذریعہ بھی بنیں۔ اے اللہ! جس طرح کہ افغانستان میں فراعنۂ عصر اور ان کے دینِ باطل، دینِ جمہوریت کو تو نے اپنے مجاہد بندوں کے ذریعے مغلوب و مردود کر دیا، اسی طرح دیگر مقبوضہ اسلامی سرزمینوں کو بھی نظامِ کفر سے آزادی دلا دیجیے، وہاں بھی دعوت و جہاد اور شریعت کا نام بلند و بالا کر دیجیے اور وہاں بھی مظلوموں کی مدد و نصرت کیجیے، آمین یارب العالمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

بقیہ: وللہ العزة ولرسوله وللمؤمنين

دوسری جانب طالبان کی عاجزی اور تواضع دیکھیے کہ ان میں سے جو کوئی بھی گفتگو کرنے اٹھتا ہے تو وہ اپنے ساتھیوں کو غرور نہ کرنے، اس فتح کو انسانوں کی جانب نہیں بلکہ سراسر اللہ ہی کی جانب منسوب کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ اور بے شک فتح و نصرت تو اللہ ہی کی جانب سے ہے اور وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔

امن معاہدے کے اس واقعے میں بالخصوص اسلامی ممالک کے سربراہان کے لیے بہت کچھ سامانِ عبرت موجود ہے۔ مستحکم انتظامی ڈھانچوں، تمام تر سہولیات اور سب سے بڑھ کر ہر قسم کی اسلحے اور ٹیکنالوجی سے لیس اتنی بڑی بڑی مسلح افواج کے حامل ان ملکوں کے سربراہان کو سوچنا چاہیے کہ سالہا سال سے مستقل جنگوں سے تباہ حال افغانستان کے غیور افغانی عوام کے پاس ایسا کیا ہے کہ ایک کے بعد ایک دنیوی سپر پاور ان کے سامنے ہار مان لیتی ہے؟ یہ فقط ایمان ہے۔ وہی ایمان کہ جسے اکثر نے چند ڈالروں کے عوض بیچ ڈالا اور ذلیل ٹھہرے اور وہی ایمان کہ جس کی قیمت نہ وصول کر کے امارتِ اسلامی کے طالبان سرخرو ہوئے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ امارتِ اسلامی کے طالبان کو درست نہج پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، ان کی مدد و نصرت فرمائے اور افغانستان اور پوری دنیا میں شریعت نافذ کرنے کا ہمارا خواب شرمندۂ تعبیر فرمائے۔ اللہ اکبر وللہ الحمد۔

”إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ “کا عملی نمونہ

ابو عمر عبد الرحمٰن

امارتِ اسلامی افغانستان کے مردانِ خود آگاہ و خدا مست اور امریکہ کے بیچ معاہدہ، جہاں فرعونِ عصر امریکہ کے حق میں اس کی اپنی شکست فاش کا برملا اعتراف قرار پایا، وہیں امارت اسلامیہ کے حق میں بالخصوص اور دنیا بھر کے مجاہدین و امتِ مسلمہ کے لیے بالعموم یہ فتح مبین ٹھہرا۔ یہ عظیم فتح اپنے اندر اسباق و عبر کا ایک ایسا خزانہ سموئے ہوئے ہے جو مادہ پرستی کی معراج کے اس دور میں ہمارے لیے اللہ کی پہچان، اس پر ایمان اور اس کی قربت و محبت کے حصول کا ایک انتہائی مؤثر ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے، شرط بس دلِ بینا کی ہے۔ جن کے نصیب میں اللہ نے خیر لکھی ہو، ان کے اس یقین میں یہ معاہدہ اضافہ کرے گا کہ صرف اللہ کی غلامی میں ہی تمام تر غلامیوں اور ہر قسم کے خوف و حرص سے نجات ہے۔ سچ ہے کہ قرآن کی آیات جس طرح اللہ کی نشانیاں ہیں اور ان کے ذریعے بندہ اپنے رب کو پہچانتا ہے، اسی طرح اپنے سے ہزار ہا گنا قوی لشکرِ فرعون کے مقابل اہل ایمان کے ڈٹنے، جمنے اور پھر فتح یاب ہونے جیسے یہ تاریخی واقعات بھی اللہ کی 'آیات' ہی ہیں۔ پھر یہ واقعہ اس لیے بھی انتہائی اہم ہے کہ غلبۂ دین کی جدوجہد کے شرعی راستے کی کامیابی و سچائی پر امارت اسلامی کی آج تک کی تاریخ بھی مہر تصدیق ثبت کرتی ہے۔ یہ ہمیں بتاتی ہے کہ اگر دعوت و جہاد کے اس نبوی راستے پر کاربند رہا جائے تو سفر کبھی رائیگاں نہیں جائے گا اور جلد یا بدیر کامیابی مل ہی جائے گی۔

امت مسلمہ کے ہر ہر طبقہ اور ہر ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس مبارک فتح کو یاد رکھے، اسے یاد رکھوائے، اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور مجاہدینِ امت اور بالخصوص امارت اسلامی کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھے کہ اللہ اسے حق پر استقامت دے اور اسے اپنے دین کی نصرت کی اسی طرح علامت رکھے۔ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس سوال کا جواب بھی ہم سمجھیں اور امت مسلمہ میں اس کی فکر و فہم عام کریں کہ امارت اسلامی کے آج تک کے سفر کو کس چیز سے تعبیر کیا جائے؟ وہ کیا اہم سبب ہے کہ جس نے امارت اسلامی کو دائیں بائیں نہیں ہونے دیا اور شدید ترین آزمائشوں میں بھی اس کے قدم راستے پر اور اس کا رُخ جانبِ منزل ہی رہا؟ ضروری ہے کہ اس موضوع پر بات کی جائے اور اگر یہ فکر امت کے اصحابِ فکر اور دین سے محبت رکھنے والوں کی محنت و کاوش کو اُس راہ پر لگا پائے کہ جو بطورِ امت ہماری ضرورت ہے تو اس سے بڑھ کر نعمت اور کوئی نہیں اور یوں امارت اسلامی کی یہ فتح مزید فتوحات پر منتج ہو گی، ان شاء اللہ۔

امارت اسلامی کی درخشندہ تاریخ پر اگر تبصرہ کیا جائے تو مختصر الفاظ میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ رُشد و ہدایت کی توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے اور امارت کی کامیابیوں میں اہم ترین سبب اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے یہی توفیق ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ بندوں کے قلوب دیکھ کر ہی انہیں خیر و فلاح والے راستے کی توفیق دیتے ہیں۔ اگر دلوں میں ایمان ہو، صرف اللہ ہی کا خوف ہو، اُس ذاتِ قدیر ہی کی محبت غالب ہو، تکبر و غرور کی جگہ اللہ ہی کے سامنے انکساری ہو اور ساتھ ہی اُس ذات قدیر کی خاطر اُس کے بندوں کے لیے تواضع ہو...... تو وہ عزیز و قدیر مالک پھر اپنے ایسے بندوں کو غلبۂ دین اور نصرتِ امت کی مبارک خدمت میں استعمال کر لیتا ہے اور یوں اسی ہی کے فضل سے راستے کی سب دشواریاں آسان ہو جاتی ہیں۔

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا، کار ساز

پھر محض یہ اخلاص بھی کافی نہیں ہے؛ جدوجہد کی قبولیت کے لیے دوسری اہم صفت اتباعِ شریعت ہے اور ان دونوں (اخلاص و اتباعِ شریعت) کا مجموعہ تقویٰ کہلاتا ہے۔ گویا ضروری ہے کہ مقصد و منزل کے تعین میں بھی احکامِ الٰہی کی پابندی ہو اور اس منزل کو حاصل کرنے کا طریقۂ کار بھی شریعت کے موافق ہو۔ پھر یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نصرتِ دین کا یہ سفر جب تقویٰ کے ساتھ ہو تو یہ کچھ آسان سفر نہیں ہوتا، یہ تو جیسے طوفانوں اور سیلابوں کے مقابل کھڑا ہونا اور ان کے آگے بند باندھنا ہو، مصائب و مشاکل کے بھاری پہاڑ پھر ٹوٹ پڑیں گے، اپنوں کی جفاکاری اور پرایوں کی دشمنی سہنی پڑے گی، اس لیے اس تقویٰ کے ساتھ ساتھ اس سفر میں صبر و استقامت کو ہم قدم رکھنا بھی عین واجب ہو جاتا ہے۔ یہ صبر و تقویٰ دونوں ہوں تو پھر 'ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ' والی صورت بن جاتی ہے، اللہ سبحانہٗ پھر اپنے بندوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے، پھر وہ خالق ہی ہوتا ہے جو مخلوق کی سازشوں سے حفاظت کرتا ہے:

﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾(سورۃ آلِ عمران:۱۲۰)

”اگر تم صبر اور تقویٰ سے کام لو تو ان کی چالیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سب اللہ کے (علم اور قدرت کے) احاطے میں ہے۔“

امارت اسلامی کے اس قافلے کا معرضِ وجود میں آنا، اس کے سفر کا آغاز، اس کی فتوحات و پیش قدمی، پھر امیر المؤمنین ملا محمد عمر رحمہ اللہ کا مبارک دور، اور اب اس کا یہ اٹھارہ انیس سالہ عزیمت سے بھرا جہاد، یہ سب ایک کھلی تاریخ ہے؛ اس پر آپ نظر دوڑائیے اور دیکھیے کہ اس قافلے کی کامیابی کا کیا سبب ہے؟ اس میں کیا خوبی ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ روزِ اول سے لے کر آج تک اگر کوئی خاص بات اس میں نظر آتی ہے تو وہ یہ کہ الحمد للہ، اس قافلے نے اپنے پورے سفر میں اتباعِ شریعت کو ہی اپنا اولین ہدف رکھا ہے۔ یہ اس فتنے کا شکار نہیں ہوا کہ

شریعت کی کس تعبیر پر عمل ہو؟ اس نے شریعت کی بس اُس تعبیر کو اپنی راہ عمل بنایا ہے جو ائمۂ امت کے ذریعے تسلسل کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے۔ اپنی تمام تر سوچ و فکر اور نظریے و فلسفے کو انہوں نے اس شریعت کے تابع کیا اور پھر نشیب و فراز، تنگی و وسعت، ہر حال میں بس دیکھا کہ یہ شریعت کیا کہتی ہے، اس کی حدود کیا ہیں، گنجائش کا دائرہ کتنا وسیع ہے...... کل بھی یہی سوال تھے اور آج بھی یہی سوالات ہیں۔ شریعت اگر اجازت دیتی ہو تو ناگزیر کی خاطر بعض رخصتوں پر بھی عمل ہو سکتا ہے، لیکن شریعت اگر اجازت نہ دیتی ہو تو سخت ترین حالات کا ہی سامنا کیوں نہ ہو اور ساری عالمی طاقتیں بھی جانی دشمن کیوں نہ بن جائیں، وہ سب متحد ہو کر نیست و نابود کرنے کے لیے کیل کانٹے سے لیس ہو کر ٹوٹ کیوں نہ پڑیں، سب کچھ قبول اور سب پر صبر کریں گے مگر دائرۂ شریعت سے باہر قدم نہیں رکھیں گے؛ کوئی سودے بازی نہیں ہوگی؛ مداہنت نہیں اپنائی جائے گی؛ سب مصائب و آلام کو اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھ کر قبول کیا جائے گا اور یہی بس اس قافلے کی کامیابی کا راز ہے۔

امیر المؤمنین ملا عمر رحمہ اللہ کے مبارک دور میں اقوامِ متحدہ کی رکنیت کا معاملہ بھی اس ایک شرط کے سبب لٹکا رہا۔ اقوام متحدہ نے بلا تخصیص اپنے تمام تر قوانین تسلیم کرنے کا مطالبہ کر رکھا تھا، جبکہ امارت اسلامی کی شرط تھی کہ صرف اُن قوانین کی پاسداری ہوگی جو شریعتِ مطہرہ کے موافق ہوں۔ یہی وہ رکاوٹ تھی کہ جس کے سبب امارت اسلامی اپنے دورِ حکومت میں اقوام متحدہ کی رکن نہیں بن سکی۔ اِمارت اسلامی کی حکومت کا دور، شریعت الٰہی کی عملی بالادستی کا دور تھا۔ اس میں افغانستان دارالاسلام...... اسلام کا گھر تھا۔ عرصۂ دراز بعد کرۂ زمین کو اسلام کا گھر ملا تھا۔ عدالتوں کے اندر بھی کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ کی حاکمیت تھی اور معاشرت و معیشت کے اندر بھی اسلام ہی کا بول بالا تھا۔ شریعتِ الٰہی کی یہ اطاعت ہی تھی کہ امیر المؤمنین ملا عمر رحمہ اللہ نے ایک شرعی حکم پر اپنی حکومت قربان کر دی اور یہ ثابت کر دیا کہ ایک مومن کے لیے اول و آخر ترجیح بس اپنے رب کی اطاعت ہے۔ یہ کوئی معمولی قربانی نہیں تھی؛ تاریخ انسانی کا منفرد اور انتہائی عظیم واقعہ تھا۔ پھر یہ محض حکومت چھوڑنا بھی نہیں تھا بلکہ یہ ایک ایسی جنگ کو اپنے لیے قبول کرنا تھا کہ جس میں ان بندگان خدا کے پاس خود مقابلے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا، جبکہ دشمن کیل کانٹے سے مکمل طور پر لیس تھا، اس کے پاس آگ و بارود کی وہ ٹیکنالوجی تھی کہ جو تاریخ میں کسی انسانی طاقت کے پاس پہلے کبھی نہیں رہی تھی۔ ٹیکنالوجی اور اس کی جو بدترین تباہی تھی...... سب اس قدر ہیبت ناک تھا کہ امریکی میگزین 'ٹائم' نے لکھا تھا کہ گویا یہ حقیقی مناظر نہ ہوں بلکہ سائنس فکشن(science fiction) ہو۔

اہم بات یہ ہے کہ ان بیانات اور سفارت کاری میں سیاستِ شرعیہ کے دائرے سے بھی کبھی باہر نہیں نکلا گیا۔ ان کی طرف سے کوئی ایک بھی ایسی بات نہیں کی گئی جو شریعت سے متصادم ہے۔ بعض باتوں میں اولیٰ پر غیر اولیٰ کو ترجیح، ہو سکتا ہے کہ دی گئی ہو، رخصت والی گفتگو بھی شاید ہوئی ہو، مگر چونکہ فرعون وقت کے ساتھ معاہدہ ہو رہا تھا اور سب شیاطین عالم بھی گھیرا ڈالے دیکھ رہے تھے، اس لیے ایسے میں رخصت والی ایسی بات اگر کی گئی ہے کہ جو غیر شرعی نہیں ہے، تو اسے معیوب کیوں کر سمجھا جائے؟ اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اپنے ان قائدین کے لیے اجر و استقامت کی دعا کرنی چاہیے۔ کیا یہ بڑی بات نہیں ہے کہ تحریک وجہاد کے شرعی اہداف پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا!

خوف و دہشت کا ہتھیار تو استعمال ہوا ہی، حرص و لالچ کے حربوں سے بھی خوب کام لیا گیا...... عافیت، حکومت، ترقی اور خوشحالی کے راستے بھی بہت دکھائے گئے، مجاہدین امارتِ اسلامی کی یہ اتباع شریعت ہی تھی کہ ان سب پیشکشوں کو وہ جوتے کی نوک پر رکھ کر انکار کرتے رہے اور اکیلے، کسی بھی ملک یا فوج کی مدد کے بغیر...... بس ایک اللہ کی معیت میں وہ تن تنہا برسرِ پیکار رہے۔ اسٹریٹیجی بھی اللہ نے سمجھا دی اور مدد و نصرت بھی تنہا اُس ایک اللہ ہی نے کی کہ وہ اللہ بیشک ہادی و رہنما بھی ہے اور تائید و نصرت کرنے پر قادر بھی؛ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا[1]!

ایک دور وہ تھا کہ جب 'پڑوسی' اپنائیت کا دعوی کرتے تھے؛ پھر دوسرا دور آیا تو یکایک وہ آستین کے سانپ بن گئے اور بڑے ستم گر بن کر علی الاعلان دشمن کی صف میں کھڑے ہو گئے۔ امارت اسلامی کے سفیر کو ڈالروں کے عوض امریکی کتوں کے آگے ڈالنے سے جو خیانت و جنگ شروع ہوئی تھی، وہ عشرے سے زیادہ عرصہ تک اُسی طرح جاری رہی، بے شمار مجاہدین اور متعدد قائدین کال کوٹھڑیوں میں شہید کیے گئے، ہر طرح کا ظلم و ستم ڈھایا گیا؛ پھر سالوں بعد جب نظر آیا کہ طالبان ختم نہیں ہو رہے، بلکہ بڑھ رہے ہیں، دشمنوں کو تہس نہس کر رہے ہیں اور خود امریکی بھی جب اپنی ناکامی کا اعتراف کرنے لگے، تو خائنین کو بھی فوراً اپنی فکر لاحق ہو گئی، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا، پس فوراً قلابازی لگائی اور جو کل تک ڈالر اور ڈالر والوں کی 'دوستی' کے لیے بھائیوں کو قتل کر رہے تھے، انہوں نے اب دوسرا بہروپ اپنایا، اب آگے بڑھے اور مذاکرات میں سہولت کاری کے لیے منتیں کرنے لگے...... اللہ اکبر! یہ ہے اللہ کی شان اور اس کی تدبیر کہ وہ رب مُعِز (عزت دینے والا) بھی ہے اور مُذِل (ذلیل کرنے والا) بھی! جس نے ذلت کا راستہ اپنایا تھا، وہ کل بھی ذلیل ہوئے اور آج بھی ذلیل ہیں، جنگ بھی ڈالروں کے لیے لڑی تھی اور آج یہ سہولت کاری بھی ڈالروں اور 'مسٹر پریزیڈنٹ' کی تعریف سننے کے لیے ہے...... لیکن مقامِ عبرت ہے کہ ڈالر

[1] الفرقان:۳۱؛ "اور تمہارا پروردگار ہدایت دینے اور مدد کرنے کے لیے کافی ہے"۔

لے لے کر بھی ان کا کشکول ہے کہ بھر کے نہیں دے رہا اور صدرِ امریکہ کی دوستی ہے کہ کبھی حاصل ہی نہیں ہوئی!!

غرض مکرر عرض ہے کہ یہ جہاد بڑا ایمان افروز ہے، اس کا ایک ایک کردار قرآن کی آیات کی جیسے تشریح و تطبیق کرتا ہے۔ مومنین، کفار اور منافقین...... یہ تینوں کردار اپنی اپنی صفات کے ساتھ یہاں زمین پر موجود نظر آئے...... تینوں کے مقاصد، طریقۂ کار اور دنیوی انجام بھی عین وہی ہے جو اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔ مومنین کی آزمائش، ان کا تقوٰی و یقین، حسبنا اللہ ونعم الوکیل کہہ کر میدان کارِ زار میں ڈٹنا، شہادتوں، قید و بند اور ہلا مارنے والی پریشانیوں کا طویل سلسلہ، صبر و استقامت کی عظیم داستان ...... اور پھر آخر میں فتح و نصرت اور عزت و عظمت کی ایک اعلیٰ علامت بن کر ابھرنا اور کُل عالم کا ان کی فتح یابی کا اعتراف کرنا......

دوسری طرف کافروں کا غرور و تکبر، قوت و طاقت کا زعم، أنا رَبُّکُمُ الأعلیٰ کا دعوٰی، احزاب بنا بنا کر مومنین پر ٹوٹ پڑنا، ظلم و جبر میں حد سے گزر جانا، پھر اللہ کے بندوں کے ہاتھوں پٹائی، ذلت و شکست سے دوچاری، بھاگنے کے لیے راہ فرار ڈھونڈنا......

جبکہ تیسرا فریق منافقین...... تو سبحان اللہ! ان بے ایمانوں کا کردار بھی کس قدر واضح ہے...... خود غرضی، بزدلی، موقع پرستی، جھوٹ و فریب، 'سیانا' ہونے کا زعم، کافروں کی جنگ اپنے سر لینا...... پھر مومنین کی فتح اور کفار کا عاجز ہونا دیکھ کر فوراً پینترا بدل لینا...... قسمیں کھانا کہ ہم تو اول دن سے بس آپ کے ساتھ ہی تھے ......﴿وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ﴾[1] ...... کہتے ہیں؛ یہ فتح جو تمہیں ملی، اس جنگ میں ہم ساتھ ہی تو تھے، ہماری وجہ سے یہ ملی ہے، ﴿وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ﴾[2]۔ اس سب کا مقصد بھی اپنی ذلت و رذالت پر پردہ ڈالنا ہوتا ہے...... اس لیے اللہ فرماتا ہے، دھوکہ مت کھاؤ إِنَّهُمْ رِجْسٌ، یہ غلاظت کا ڈھیر ہیں۔ غرض ایسا لگ رہا ہے جیسے قرآن آج کے ان کرداروں ہی سے متعلق ہمیں مخاطب ہے اور یہ اعلان کر رہا ہے کہ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ![3]

اس فتح مبین کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انیس سال میں مجاہدینِ امارت نہیں جھکے، ان کے کل اور آج میں کوئی فرق نہیں آیا، یہ آج بھی الحمدللہ اپنے اصول و مبادی پر ڈٹے ہوئے ہیں، جبکہ دوسری طرف امریکہ اور اس کے حواری ہیں جو تھک بھی گئے اور ہار کر جھک بھی گئے۔ ملاحظہ ہو کہ جو امریکہ پہلے مذاکرات شروع کرنے کے لیے بھی مشرف بہ دینِ جمہوریت ہونے کی شرط لگاتا تھا۔ وہ میدان جنگ میں سولہ سترہ سال پٹنے کے بعد بلا شرط ہی مذاکرات کی بھیک مانگنے لگا... دوسری طرف اہل ایمان کو دیکھیے۔ مذاکرات میں بھی ہر مطالبہ شرعی پیمانے پر پرکھا گیا۔ امریکیوں کو کسی ایک مقصد میں بھی مکمل کامیابی نہیں ملی۔ امریکی مذاکراتی ٹیم ہڑبڑاتی، آپس میں نشستوں پر نشستیں کرتی، بیچ میں طویل طویل وقفے کرنے لگتی، ایک دفعہ تو صدرِ امریکہ نے زچ ہو کر مذاکرات ختم ہی کرا دیے، مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق دوبارہ شروع کیے اور پہلے جو ایک امریکی کے مرنے کے بہانے مذاکرات منسوخ کیے تھے، اب کی بار کارروائیاں بھی جاری رہیں اور مذاکرات منسوخ نہیں ہوئے۔ امریکی جنگ بندی کا مطالبہ کر رہے تھے مگر طالبان تھے جو نہیں مان رہے تھے۔ سبحان اللہ! وہ بھی ایک وقت تھا کہ سن ۲۰۰۱ء میں جب رمضان کا مہینہ تھا تو پوری دنیا کے مسلمان امریکہ سے رمضان کے تقدس میں جنگ روکنے کا مطالبہ کر رہے تھے، مگر طاقت کے نشے میں مست متکبر نہیں مان رہا تھا اور پھر ایک ۲۰۱۹ء کا سال تھا کہ وہی امریکہ طالبان سے اُسی جنگ بندی کی بھیک مانگ رہا تھا اور طالبان جنگ بندی کو مسترد کر رہے تھے؛ آخر میں جب بہت اصرار کیا گیا تو طالبان نے جنگ بندی نہیں، بلکہ جنگ میں کمی کی شرط مان لی اور یوں یہ انتہائی طویل مذاکرات ایک ایسے معاہدے پر ختم ہوئے کہ جو بلا کسی شک و شبہ امریکیوں کی ذلت و رسوائی کی دستاویز ہے۔

دستاویز پر دستخط ہوئے تو ہال میں موجود مجاہدین نے بہ آواز بلند تکبیر کے نعرے لگائے، گویا امریکیوں کو جیسے زبانِ قال و حال سے بتا دیا گیا کہ اے پاور نمبر ون کے دعوے دار و...... تم ذلیل، بونے، جاہل، گھٹیا اور انتہائی عاجز و کمزور ہو! جبکہ عزت و عظمت...... صرف اللہ، اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے۔ اس معاہدے کو اوپر سے نیچے تک دیکھیں تو اللہ کا شکر واجب ہو جاتا ہے کہ کہیں کوئی ایک بھی ایسی بات نہیں ہے کہ جو اہل ایمان کے خلاف جاتی ہو اور جس سے تحریک جہاد پر کوئی زد پڑتی ہو۔ سب نکات سیاستِ شرعیہ کے موافق ہیں اور سب اہل اسلام اور جہاد و مجاہدین کے مفاد میں ہیں۔ تمام تر امریکی و اتحادی افواج کا افغانستان سے مکمل طور پر انخلا، سب فوجی اڈوں کو خالی کرنا، افغانستان کے داخلی امور میں امریکہ کو مداخلت کی بالکل اجازت نہ دینا اور پانچ ہزار سے زیادہ مجاہدین کی رہائی جیسی شرطیں تو اس میں ہیں ہی، ایک دو نکات ایسے بھی ہیں کہ جن کا بالخصوص ذکر کرنا ضروری ہے۔

ان میں سے ایک یہ کہ اس جنگ کے اول روز سے ہی امریکہ کے بنیادی مطالبات میں اہم ترین جمہوریت میں شمولیت اور آئین تسلیم کرنے کا تھا۔ بش، اوبامہ اور پھر ٹرمپ، سب ہی اپنے بیانات میں اس شرط کا مطالبہ کرتے رہے، مگر یہاں بھی یہ امارت اسلامی کی اطاعتِ شریعت ہی تھی کہ اس نے بفضل اللہ اس مطالبے پر کان تک کبھی نہیں دھرا۔ جیسا کہ عرض کیا کہ ان مذاکرات کا آغاز تو بغیر کسی پیشگی شرط کے ہوا تھا، مگر اللہ کی شان دیکھیے کہ اس کا اختتام کچھ اس طرح ہوا کہ امریکیوں کو لینے کی جگہ دینے پڑ گئے۔ وہ طالبان سے جمہوری حکومت کیا منواتے،

[1] التوبہ: ۵۶؛ ''یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، بلکہ وہ ڈرپوک لوگ ہیں''۔

[2] العنکبوت: ۱۰؛ ''اگر آپ کے رب کی طرف سے مدد آ جائے تو یہ ضرور کہیں گے کہ ہم آپ لوگوں کے ساتھ ہی تو تھے''۔

[3] المنافقون: ۸؛ ''حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسل اور مومنین کے لیے ہے، مگر یہ منافق جانتے نہیں ہیں''۔

انہیں تو کابل میں اپنی جمہوریت کی بھی قانونی حیثیت 'قربان' کرنا پڑی۔ جس دستاویز پر طالبان کے سامنے انہوں نے دستخط کیا، اس میں 'جمہوری' کی جگہ 'اسلامی' حکومت کے لیے کوشش کی جائے گی درج ہے۔ اندر کی خبر یہ ہے کہ امریکیوں نے جمہوری حکومت میں شامل ہونے، یا کسی طرح جمہوریت کو معاہدے کے اندر داخل کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، مگر آفرین ہے شریعت کے علم برداروں اور ملا عمرؒ کے ان جانبازوں پر کہ یہ دوٹوک الفاظ میں انکار کرتے رہے کہ جمہوریت غیر شرعی ہے اور اسے کسی بھی قیمت پر قبول نہیں کیا جاسکتا! امریکیوں کے مستقل اصرار اور طالبان کے بھرپور انکار پر بہت وقت لگا۔ امریکیوں کو مذاکرات کی میز پر بھی مکمل ناکامی نظر آئی اور یہ یقین ہو گیا کہ اگر انہوں نے جمہوریت پر مزید اصرار کیا تو طالبان مذاکرات چھوڑ دیں گے اور اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ اس کے تصور سے ہی ان کے پسینے چھوٹ جاتے...... یوں بالآخر گھٹنے ٹیک دیے گئے اور مان گئے کہ آئندہ افغانستان میں جمہوری نہیں، بلکہ اسلامی حکومت ہو گی اور افغانیوں کے ساتھ مذاکرات بھی شریعت کے تحت، نہ کہ جمہوریت کے تحت ہوں گے۔ جمہوریت اسلام کے سامنے جھک گئی اور نتیجہ یہ نکلا کہ وہ امریکی جو پوری دنیا میں جمہوریت کا راگ الاپتے ہیں اور جو اٹھارہ سال لڑے اس لیے تھے کہ کسی طرح طالبان سے جمہوریت منوائیں، انہیں آخر میں کابل کے اندر اپنی کٹھ پتلیوں کو بھی بس اسلام و شریعت کی بالادستی کی نصیحت کرنا پڑی۔ اللہ کی حاکمیت اس طرح منوائی جاتی ہے۔ یہ ہے باطل جمہوریت چھوڑنے اور خالص شرعی منہج پر عمل کا ثمرہ اور یہ ہے إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ[1] کے الٰہی وعدے کا عملی نمونہ۔ قائدینِ امارت اسلامی کی ایمانی فراست، شریعت پر عمل اور اس سے بھی پہلے اللہ کا فضل ہے کہ یہ مجاہدین اس دامِ فریب سے بچ گئے، وگرنہ جمہوریت کی اس غلاظت پر مداہنت کی جاتی تو ساری کی ساری قربانیاں رائیگاں چلی جاتیں اور نفاذ شریعت کی منزل ایک سراب بن جاتی اور شریعت کا نفاذ ویسا ہی ناممکن ہو جاتا جیسا کہ پاکستان میں، جہاں اس کا محض خواب دیکھنا بھی آج محال ہو گیا ہے۔

یہ پہلو بھی ملاحظہ ہو کہ جب سفارت کاری کا آغاز ہوا اور کانفرنسوں میں اپنے مواقف اور اہداف رکھے جانے لگے تو بعض سیانوں نے کہا کہ یہ تو پہاڑوں سے اترے ہوئے لوگ ہیں، گوانتانامو یا پاکستانی جیلوں سے نکلے قیدی ہیں، یہ کیا جانیں کہ میڈیا کے ساتھ ڈیل کیسے کیا جاتا ہے! کہا جا رہا تھا کہ سیاست و سفارت کاری کی زبان بڑی مہارت اور کوالیفکیشن چاہتی ہے، یہ ان سادہ لوحوں کے بس کی بات کہاں ہے؟ الحمد للہ، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہاں بھی ان مجاہدین کا پلّہ ہی بھاری رہا۔ مومنانہ بصیرت اور کردار تھا کہ جس کے سامنے کفر و نفاق کی دنیا تسلیم ہوتی گئی۔ پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان بیانات اور سفارت کاری میں سیاستِ شرعیہ کے دائرے سے بھی کبھی باہر نہیں نکلا گیا۔ ان کی طرف سے کوئی ایک بھی ایسی بات نہیں کی گئی جو شریعت سے متصادم ہے۔ بعض باتوں میں اولیٰ پر غیر اولیٰ کو ترجیح، ہو سکتا ہے کہ دی گئی ہو، رخصت والی گفتگو بھی شاید ہوئی ہو، مگر چونکہ فرعون وقت کے ساتھ معاہدہ ہو رہا تھا اور سب شیاطین عالم بھی گھیر اڈالے دیکھ رہے تھے، اس لیے ایسے میں رخصت والی ایسی بات اگر کی گئی ہے کہ جو غیر شرعی نہیں ہے، تو اسے معیوب کیوں کر سمجھا جائے؟ اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اپنے ان قائدین کے لیے اجر و استقامت کی دعا کرنی چاہیے۔ کیا یہ بڑی بات نہیں ہے کہ تحریک و جہاد کے شرعی اہداف پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا!

پھر جن پڑوسی ممالک سے تعاون لیا گیا ہے، ان میں سے کسی کو بھی دارالاسلام نہیں کہا گیا؛ ان کے حکمرانوں میں موجود کفر و فسق کو اسلام اور نیکی نہیں کہا گیا، ان پڑوسی ممالک سے اپنے خیر کے کام میں تعاون تو لیا گیا مگر ان کے ساتھ کسی گناہ اور شر والے کام میں معاونت کا وعدہ نہیں کیا گیا...... جو باتیں بھی کی گئیں، اللہ کا شکر ہے کہ ان میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ پھر بڑی بات یہ ہے کہ آئندہ کے لیے بھی اپنے عمل میں کسی ایک بھی غیر شرعی قدم پر رضامندی کا اظہار نہیں ہوا۔ جب بھی کسی نے عورتوں کی آزادی اور ان کے حقوق سے متعلق پوچھا تو کھل کر کہا گیا کہ ہر وہ آزادی اور حقوق ان شاء اللہ خواتین کو مہیا ہوں گے جو اسلام کے دائرے میں ہیں۔ ملا عبد الغنی برادر (حفظہ اللہ و وفّقہٗ) جب امریکی وزیر خارجہ، بین الاقوامی نمائندوں اور صحافیوں کے سامنے اپنا پالیسی بیان دینے کھڑے ہوئے تو سبحان اللہ کس قدر سادگی، اعتماد اور وقار کے ساتھ اعلان کیا کہ اسلامی حکومت ہی ہماری منزل ہے اور تمام دیگر افغانیوں کو بھی ہم دعوت دیتے ہیں کہ آئیں اور مل کر اسلامی نظام قائم کر لیں۔

جن پڑوسی ممالک سے تعاون لیا گیا ہے، ان میں سے کسی کو بھی دارالاسلام نہیں کہا گیا؛ ان کے حکمرانوں میں موجود کفر و فسق کو اسلام اور نیکی نہیں کہا گیا، ان پڑوسی ممالک سے اپنے خیر کے کام میں تعاون تو لیا گیا مگر ان کے ساتھ کسی گناہ اور شر والے کام میں معاونت کا وعدہ نہیں کیا گیا...... جو باتیں بھی کی گئیں، اللہ کا شکر ہے کہ ان میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ پھر بڑی بات یہ ہے کہ آئندہ کے لیے بھی اپنے عمل میں کسی ایک بھی غیر شرعی قدم پر رضامندی کا اظہار نہیں ہوا۔

پھر یہ باتیں صرف کانفرنسوں اور میڈیا میں نہیں ہیں، ہم سب زمین پر دیکھ رہے ہیں کہ الحمد للہ یہ قائدین جس تحریک و امارت کی قیادت کر رہے ہیں، اس میں دین ہے، جہاد ہے، اللہ کے لیے دوستی اور اللہ کے لیے دشمنی، دعوت الی اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، ایسے میں ہم کیوں نہ خوش ہوں اور کیوں نہ اسے عظیم فتح کا نام دیں؟ اللہ سے ہم دعا کریں کہ اے اللہ! امارت اسلامی کے ہمارے قائدین کو اتباع شریعت پر صبر و استقامت دیجیے، یا اللہ! ان مجاہدین کے ذریعے اپنے دین و امت کو عزت و نصرت سے نوازیے...... (باقی صفحہ نمبر 30 پر)

[1] محمد: ۷: "اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا"۔

فتح و نصرت کا دن

اوریا مقبول جان

آج کا دن محترم ہے۔ پوری امت کے لیے محترم۔ یہ دن میرے اللہ کی آیات (نشانیوں) میں سے ایک ہے۔ یہ دن اللہ کے اس اعلان کی تکمیل کا دن ہے کہ ''دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی سربلند ہوگے اگر تم مومن ہو'' (آلِ عمران:۱۳۹)۔

آج کے دن قطر کے شہر دوحہ میں طالبان اور امریکہ کے درمیان جو ''اتفاق نامہ'' دستخط ہو گا وہ ایک دستاویز نہیں، بلکہ ڈیڑھ ارب جیتی جاگتی، ہنستی بولتی اور عیش و عشرت میں گم، امت مسلمہ کے لیے ایک ایسی دستاویز ہے جو روزِ حشر ان کے سامنے اتمام حجّت کے طور پر پیش بھی کی جاسکتی ہے کہ دیکھو اگر میں ان نہتّے چند ہزار لوگوں کو پوری دنیا پر فتح دے سکتا تھا تو تمہیں بھی غالب کر سکتا تھا۔ کسی کو یاد ہے ۷، اکتوبر ۲۰۰۱ء، رات نو بجے کا وہ وقت جب امریکہ نے کابل پر حملہ کیا تھا۔ یہ حملہ امریکہ نے اکیلے نہیں کیا تھا بلکہ دنیا پر آباد ہر طاغوت اس کے ساتھ تھا۔ ابتدائی لشکر میں برطانیہ، جرمنی، فرانس، کینیڈا، آسٹریلیا، سپین، اٹلی، یونان، بیلجیم، آسٹریا، البانیہ، ڈنمارک، بلغاریہ، آئرلینڈ، فن لینڈ، ناروے، نیوزی لینڈ، پولینڈ، پرتگال، سنگاپور، رومانیا، سویڈن، یوکرائن، کروشیا، چیک ریپبلک، آسٹونیا، آئس لینڈ، ہنگری، لٹویا، لکسمبرگ، سلواکیہ، سلووینیا، مقدونیہ جیسے ملک شانہ بشانہ تھے۔ پاکستان اور تاجکستان، رسد و کمک فراہم کرتے ہوئے ''حق ہمسائیگی'' ادا کر رہے تھے اور ایران ان افغانیوں کے شانہ بشانہ تھا جو شمالی اتحاد کی صورت ان طاغوتی طاقتوں کا ساتھ دے رہے تھے۔

طاغوت کا یہ قافلہ بڑھ رہا تھا۔ کابل ان کی زد میں تھا، پھر وہ ایک دن اس میں داخل بھی ہوگئے۔ ان کی بظاہر فتح کو دیکھ کر، ترکی، آذربائیجان اور متحدہ عرب امارات جیسے مسلمان ملک میں بھی لشکرِ طاغوت کا حصہ بنتے چلے گئے۔ یہ دن ہر مسلمان کے لیے آزمائش کے دن تھے، فیصلے کے دن تھے۔ مراکش کے ساحلوں سے لے کر برونائی کے محلّات تک پوری مسلم امہ اپنے بچوں کے ساتھ پر آسائش رہائش گاہوں اور محفوظ مسکنوں میں بیٹھی یہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔ ان سب کے نزدیک افغانستان میں یہ چند سر پھرے مسلمان اب اپنے انجام کو پہنچنے والے ہیں۔ ان ستّاون اسلامی ملکوں کے حکمران، وزرا، تبصرہ نگار، تجزیہ کار صرف ایک ہی راگ الاپ رہے تھے کہ ایک شخص ملا محمد عمر کی ''ہٹ دھرمی'' نے پوری دنیا کے مسلمانوں کو مشکلات کا شکار کر دیا ہے۔ وہ لوگ جو اس وقت اپنے اپنے ملکوں میں چین اور آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے، ان عظیم انسانوں کے بارے میں ایسی گفتگو کرتے تھے جو صرف چند ہزار تھے مگر انہوں نے توکل کا راز پا لیا تھا اور انہیں صرف اللہ کی نصرت اور مدد پر ایمان و یقین تھا۔ آج ان چند ہزار کی فتح کا دن ہے۔ اس لمحے، اس پوری امت کے خوف سے جنم لینے والی سرد مہری کے مقابلے میں ایک توانا آواز گونج رہی تھی؛ وہ آواز جو آج فتح یاب ہوئی ہے؛ ملا محمد عمر کی آواز۔ سات اکتوبر ۲۰۰۱ء کے حملے سے ذرا پہلے کی ان کی دو تقاریر ہیں، جو امت کی جدید تاریخ میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے ایمان کی یاد دلاتی ہیں۔ جب امریکہ کے منہ زور مذاکرات کاروں سے مذاکرات ناکام ہوئے تو ملا عمر نے امارت اسلامی کے ان چند ہزار سرفروشوں سے خطاب کیا۔ تقریر تو مجاہدین کے روبرو تھی، لیکن مخاطب عالمی طاغوت اور ان کے ساتھی تھے۔

ملت اسلامیہ کے اس مردِ مجاہد نے کہا:

> ''امریکہ اور اس کے چند مزدور افغانیو! تمہاری طالبان مجاہدین کے بارے میں بڑی گھٹیا سوچ ہے۔ طالبان کی حکومت ظاہر شاہ کی حکومت کی طرح نہیں ہے، جس کا بادشاہ خود روم بھاگ گیا تھا اور اس کی فوج نے اپنے آپ کو دوسری حکومت کے حوالے کر دیا تھا۔ اگر ہم سے تمام سرکاری ادارے اور شہر چلے جائیں اور امریکہ اور ان کے دوست ان پر قبضہ بھی کر لیں تو یہ مجاہدین پہاڑوں اور جنگلوں میں چلے جائیں گے، پھر تم لوگوں کا کیا حشر ہوگا! اے امریکیو! اے افغانی امریکیو! اپنے آپ کو دھوکہ میں مت ڈالو! تمہارے اعمال کا نتیجہ بہت سخت ہوگا، یہاں قابض ہونے کے خواب دیکھنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اے افغانیو! بہت لمبے عرصے بعد یہاں امن آیا ہے، ایک اسلامی نظام قائم ہوا ہے، افغانیوں کو خوشی اور سکون نصیب ہوا ہے، اس امن کو بدامنی میں تبدیل مت کرو۔ اس اسلامی نظام کو کفر سے نہ بدلو۔ افغانیو! اگر تمہیں اسلامی قوانین کی پروا نہیں تو پھر اسلام بھی کسی کی پروا نہیں کرتا۔ تم امریکیوں کا ساتھ دیتے ہوئے جان دوگے تو مردار کہلاؤ گے۔ اے امریکیو! تم آجاؤ، میں بھی دیکھتا ہوں تم کس طرح آتے ہو اور جب تم آجاؤ گے تو اپنا انجام بھی دیکھو گے۔''

اس تقریر کے بعد چند دن تک خاموشی رہی۔ ایک ایسا سکوت جو کسی بڑے طوفان کی آمد سے چند دن پہلے ہوتا ہے۔ اس کے بعد جارج بش کا اعلان جنگ ہے اور پھر کابل پر حملہ ہے۔ جس وقت امریکہ کے میزائل داغے جارہے تھے تو اپنی دوسری تقریر میں ملا محمد عمر کا ایک فقرہ آج تاریخ کی سب سے بڑی سچائی بن چکا ہے:

> ''میں مسلمانوں کے لیے اپنی زندگی میں ایسی کوئی چیز چھوڑ کر نہیں جاؤں گا جو مسلمانوں کے لیے شرمندگی کا باعث ہو۔''

یہ فقرہ مسلمان امت کی چودہ سو سالہ تاریخ کے ان چند عظیم جملوں میں سے ایک ہے جس پر یہ امت رہتی دنیا تک فخر کر سکتی ہے اور آج کا دن اس جملے کی سربلندی کا دن ہے۔ عین اس حملے

سے ذرا پہلے ملا عمر نے اپنے ہیڈ کوارٹر میں ساتھیوں سے خطاب کیا تھا۔ یہ ان کا آزاد افغانستان میں آخری خطاب تھا۔ اس روشن فقرے کے علاوہ یہ خطاب بھی ایک مومن کی میدانِ جہاد میں آمد کی شاندار تصویر پیش کرتا ہے۔ فرمایا:

"آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس بحران سے نکلنے کا واحد راستہ صرف یہ ہے کہ اپنے عظیم رب پر توکل اور صبر و استقامت سے کام لیا جائے۔ بے غیرتی کا مظاہرہ کرنے سے ہم امریکی میزائلوں سے نہیں بچ سکتے۔ اگر کوئی ایمان کی حالت میں مرتا ہے تو اس سے بڑی بادشاہی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اے مسلمانو! اگر تم نے قربانی نہ دی اور اپنے دین کے لیے غیرت نہ دکھائی تو تمہارا حشر بھی ان قوموں کی طرح ہو گا جن کو اللہ نے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ذلیل کر دیا۔ ان کا ایمان اور عزت ان سے چھین لی گئی۔ آج یہ آگ اگر ہمارے یہاں لگی ہوئی ہے تو کل تمہارے گھر میں بھی لگ سکتی ہے۔ میں ذرا بھی ان لوگوں سے نہ ڈرتا ہوں، نہ مجھے ان کا خوف ہے۔ میں دین اسلام کے لیے سب کچھ چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر میں ان بے دین لوگوں سے معاہدہ کر لوں تو میری حکومت، عزت اور دنیاوی مال و دولت سب کچھ برقرار رہے گا، جیسے دوسرے مسلمان ممالک کے حکمرانوں کا ہے۔ اگر تم نے فرعون کی بات مان لی تو سمجھ لو تم نے مسلمانوں کا جنازہ نکال دیا۔ تمام دنیا کے مسلمانوں کو ہمارا پیغام ہے کہ وہ افغانستان کے مسلمانوں کی مدد کریں اور ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہیں۔"

اس کے بعد ملا عمر نے سورۃ الانفال کی یہ آیت پڑھی:

(ترجمہ): "اللہ ناپاک لوگوں کو پاک لوگوں سے الگ کر دے گا اور ایک ناپاک کو دوسرے ناپاک پر رکھ کر ایک ڈھیر بنا دے گا اور اس ڈھیر کو جہنم میں ڈال دے گا۔"

اور پھر دنیا بھر کے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"آپ کا ایمان آپ کو کیا کہتا ہے، آرام سے بیٹھ کر نظارہ کرو یا کفار کے ساتھ مل جاؤ یا پھر مجاہدین کا ساتھ دو؟ اے مسلمانو! اللہ نے آج ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں کہ وہ خبیث (ناپاک)، اور طیب (پاک) کو علیحدہ علیحدہ کرنا چاہتا ہے۔"

یقیناً ان اٹھارہ سالوں میں طیب اور خبیث کھل کر واضح ہو گئے اور آج طیب لوگوں کے ساتھ اللہ کے وعدے کے اظہار کا دن ہے۔ یہ صرف امریکہ اور طالبان کے درمیان معاہدہ کا دن نہیں ہے بلکہ اللہ کے اس اعلان کا دن ہے کہ "تم ہی کامیاب ہو گے اگر تم مومن ہو"۔ یقیناً میرے رب کا وعدہ صرف مومنین کے ساتھ ہے!

بقیہ: كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ!

پس بشارت ایک مرتبہ پھر جامعہ حفصہ کی ہماری بہنوں کو اذیت سے دوچار کرنے والوں کو، اور خوشخبری ہو ہند میں ہماری مساجد کی بے حرمتی کرتے اور ہمارے بھائیوں پر ظلم کرتے باندر کے پجاریوں کو...... کہ اب ہم تمہاری سمت ہی بڑھیں گے باذن اللہ۔ اللہ کی قسم! ہم تمہیں ابلیس کے سارے وسوسے بھلا دیں گے۔ تم اگر ہماری ضربیں بھول گئے ہو تو باذن المنتقم یہ سب یاد دلا یا جائے گا۔ اور اے ہندی انجاس، تمہیں تو جانور بھی نہیں کہا جا سکتا کہ انہیں بھی تم نے بھگوان بنا رکھا ہے۔ اوکالانعام بل ھم اضل!، او جانوروں سے بدتر و!، تمہیں کشمیر میں ذبح ہوئے اپنے بیسیوں ہزار بیٹے بھول گئے ہیں یا تم غزوۂ ممبئی کے شیروں کو بھول گئے ہو، تمہیں جرمن بیکری یاد نہیں؟ سب یاد دلا دیا جائے گا:

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ○

"عن قریب تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کس پر وہ بلا ٹوٹ پڑتی ہے جو ٹالے نہ ٹلے گی۔"

اور ہاں یہ بھی یاد رہے کہ امارت اسلامیہ ہی کے فرزند، اسی کے سائے میں اپنے عہد وفا کریں گے۔ اس بارے میں بھی کسی کو کوئی غلط فہمی نہ رہ جائے۔ ابھی ہم ایک ہفتے سے کھلے آسمان تلے، اس شدید موسم میں دشمن کا گھیراؤ کیے ہوئے تھے، جب دشمن کا نصف سو گاڑیوں کا قافلہ ہماری رینج میں آیا تو ہمیں اطلاع ملی کہ امارت اسلامیہ جنگ بندی کر چکی ہے۔ واللہ کسی کے ماتھے پر شکن بھی نہ آئی۔

ہم ایک صف، ایک جسم، ایک گھر اور ایک لشکر کی مانند ایک امیر کی زیر قیادت ایک راستے پر بڑھ رہے اور عن قریب مودی اور آنگ سان سُوچی کے سروں پر ہوں گے، ان شاء اللہ! وہ دین زیادہ دور قطعاً نہیں ہے کہ جب پورے برصغیر میں ظلم اور ظالموں دونوں باذن اللہ خاتمہ ہو گا اور اللہ کا رحمانی عدل غالب ہو گا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ○

اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام سے دوچار ہوتے ہیں!

★★★★★

شرکِ ”ہیومن ازم“ کی یلغار اور امت کا طائفہ منصورہ

شیخ حامد کمال الدین حفظہ اللہ

شیخ حامد کمال الدین صاحب نے زیرِ نظر تحریر مجاہدینِ طالبان؛ امارتِ اسلامیہ افغانستان کی عظیم الشان فتح اور امریکہ اور اس کے چالیس سے زائد اتحادیوں کی ذلت آمیز شکست کے موقع پر اپنے ’فیس بک‘ پر تحریر کی ہے، جسے شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

ارمانوں کی انتہا کیا ہے؟ ’قوم کا اصل مسئلہ‘ اور بار بار آنے والی ’لب پہ تمنا‘ کیا ہے؟ وہی روٹی، بجلی، آٹا، تنخواہیں، وافر رزق، دودھ اور شہد کی بہتی نہریں، اسی دنیا میں، اِنہی کفر اور اِعراض کی شرطوں پر اور اِسی شریعت سے منہ موڑ رکھنے کی قیمت پر......!

مِمَّا تُنۢبِتُ الْاَرْضُ مِنۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا![1]

بڑا ہی تعجب ہو تا رہا ہے ستر سال سے دہرائے جانے والے اِس منظر میں کھُبے ہوئے خردمندوں پر، جو اُن خطیر واقعات کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی فرصت نہیں پاتے جو ایک عرصے سے افق پر دعوتِ نظارہ دے رہے ہیں۔

دنیا سے قرآن کی حکمرانی غائب، اور دنیا کو امن اور آشتی کا گہوارہ بنا دینے کی فرحت افزا نویدیں...... ایک سے ایک بڑھ کر عزم...... اور ایک کے بعد ایک لیڈر!

آسمانی شرائع سے خالی اور سنسان کر دی گئی دنیا کو ”ترقی و خوشحالی“ کی منزلیں سر کرانے کے دجالی مژدے...... اور ان کو ممکن بنانے کے لیے سرگرم دیو ہیکل پراجیکٹ اور کوہ قامت این جی اوز!

کاروبارِ حیات سے ”خدا“ کی بے دخلی...... اور اس کی جگہ پر انسانی ’ترقی و کمال‘ کا ظہور؛ اپنے بڑے بھائی (یورپ) کے نقشے پر...... ’اِس بار‘ اچھی خاصی ممکن شکل میں، خاص طور پر روٹی کی فراوانی کے معاملے میں......!

”روٹی“ جو کہ معاشروں میں آسمانی شرائع کو فارغ خطی دینے کا ابلیسی تدارک اور ایک دجالی چال ہوا کرتی ہے......

جس دنیا کو غربت، افلاس، بھوک اور کشت و خون سے نجات دلانے کی کوششیں اور دعوے ہو رہے ہیں، بیک وقت، اُسی دنیا کو قرآنی شریعت کی عمل داری سے پاک کر دینے کے منصوبے پروان چڑھ رہے ہیں! بلکہ یہ دو الگ الگ منصوبے نہیں ایک ہی منصوبہ ہے: ایک ایسی دنیا کی تخلیق جس میں بھوک اور افلاس کو باقی رہنے دیا جائے گا اور نہ آسمانی حوالوں کو۔ دونوں ’پسماندگی‘ کا شاخسانہ، جس کے خاتمے کا وقت آ چکا! اور اگر (ہزار کوشش اور منصوبہ بندی کے باوجود) غربت، افلاس، بھوک اور کشت و خون نہ ختم کرایا جا سکے (یا اس کوشش کے دوران اور بڑھ جائے!!!) تو بھی ’غربت‘ اور ’پسماندگی‘ مٹانے کے شور میں ”آسمانی حوالوں“ کا خاتمہ تو بہر حال کر ڈالا جائے۔ ’بھوک‘ سے پاک دنیا تخلیق ہو سکے یا نہ، ”آسمانی حوالوں“ سے پاک دنیا کا وجود بہر صورت یقینی بنایا جائے۔ انسان کہیں پر بھوکا، ننگا اور مفلوک الحال ہو تو بھی خدائی کے منصب پر فائز ضرور ہو؛ مستقل بالذات، آسمان سے بے نیاز! جو اپنے فیصلے زمین پر آپ کرے اور آسمان والے کو ایسی ہر قسم کی زحمت سے سبکدوش کر دے۔

دنیا کو آسمانی حوالوں سے پاک کرنا اصل منصوبہ ہے۔ روٹی ’پیکیج‘ کا حصہ ہے...... پھر بھی اِس کی کوشش کی جائے گی یقین دہانی ممکن نہیں! آخرت ہاتھ سے دینا ضروری ہے البتہ دنیا پانے کی ضمانت آپ کو کوئی نہیں دے سکتا! ’بھروسے‘ کے سوا چارہ نہیں خدا پر کر لیں یا ابلیس پر!

لہٰذا...... سیلز مین شپ زور ’روٹی‘ پر رکھے گی اور سب رونے ’روٹی‘ کے رُلائے گی، سب دکھڑے ’روٹی‘ کے سنائے گی، مگر کُل توجہ انسان کو ”خدا“ بنانے پر مرکوز رکھے گی؛ ایک مستقل بالذات درندہ جو پڑھ لکھ کر پہلے سے زیادہ خطرناک اور مغرور ہو گیا ہے...... اور جو ”خدا“ کو اپنی دنیا سے باہر یا، اگر وہ یہاں رہنے پر مصر ہی ہے تو، عبادت خانوں میں قید کر دینے کی مار پر ہے اور کچھ صدیوں کی محنت کے بعد زمین میں اچھی خاصی پیش قدمی کر آیا ہے۔

ایک مستقل بالذات درندہ جو پڑھ لکھ کر پہلے سے زیادہ خطرناک اور مغرور ہو گیا ہے...... اور جو ”خدا“ کو اپنی دنیا سے باہر یا، اگر وہ یہاں رہنے پر مصر ہی ہے تو، عبادت خانوں میں قید کر دینے کی مار پر ہے......

ایک گلوبل نمرود؛ ایک ملٹی نیشنل قارون؛ جس کی جکڑ میں دین، اخلاق اور اعلیٰ قدروں کا پنپنا تو خیر بھول ہی جائیں، معیشت، تعلیم اور صحت تک کی سانس گھٹ جاتی ہے اور جس کی گرفت میں آنے کے بعد انسان کے بنیادی ترین رشتوں کے گلے پر چھری پھر جاتی ہے؛ اور جہاں انسانیت کے لیے چیخنے چلانے تک کی گنجائش نہیں رہتی کیونکہ یہ چھری اس کے گلے پر ”انسان“ اور اس کے ”حقوق“ کا نام پڑھ کر ہی پھیری جاتی ہے۔ یہ منصوبہ، جو درحقیقت ”ہوس اور سرمائے کی عبادت“ ہے اور زمین پر انسان کے ”قیوم self-subsisting اور خود کفیل self-sufficient اور خود مختار independent ہونے“ کا اعلان ہے (اور جس میں بالآخر انسان نے ہی انسان کی خوراک بننا اور بقائے اصلح survival of the fittest والے اُس قدیمی جنگل کے قانون نے ہی جیت کر دکھانا ہوتا ہے، لہٰذا کمزوروں کے حصے میں یہاں کراہنے اور مرگِ مفاجات پانے کے سوا کچھ نہیں آتا، اور جو کہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ایک اندھے کو بھی نظر آ سکتی ہے)...... اِس ’ہوس پرست انسان‘ (سرمایہ دار درندے) کو آزاد کرنے کا یہ منصوبہ جو

---

[1] زمین کی پیداوار ساگ، ترکاری، گیہوں، لہسن، پیاز، دال وغیرہ۔ (سورۃ البقرۃ: ۶۱)

'انسانیت'(humanism) کے نام پر چلایا گیا، اب حیرت انگیز رفتار کے ساتھ آپ کے یہاں چوکڑیاں بھرنے لگا ہے۔ سب راستے اب اسی 'روم' کو جاتے ہیں؛ خواہ کسی شیر کی راہ سے جائیں یا اس کے لیے کسی چیتے یا بھیڑیے کا دامن تھام لیں یا کسی باریش کے پیروکار ہو جائیں۔ سب اسی کی خدمت پر مامور......یا 'موقع' کے متلاشی۔

کون ہے یہاں جو اس نظام سے کفر کرتا ہو؟ جو محض نظریاتی حد تک ہی انسانی خدائی کے اِس عالمی دجالی انتظام کے ساتھ برسرِ جنگ ہو؟ جبکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ عالمی ساہوکاری نظام ہر ہر ملک میں دستیاب ''گنجائش'' کو بہترین انداز میں کام میں لاتے ہوئے، وہاں کے لیے ایک مقامی روپ دھارتا ہے، اور پھر اپنے ''مکمل ظہور'' کے لیے وہاں پر مسلسل جگہ بناتا چلا جاتا ہے۔ جیسے جیسے وہ اپنے اِس عمل میں پیش قدمی کرتا ہے ویسے ویسے آپ اُس کے آگے پسپائی اختیار کرتے اور اپنی اکثر اشیا سے دست بردار ہوتے چلے جاتے ہیں، کم از کم بھی یہ کہ اپنی ان اشیا کو اُسی کے پیراڈائم میں رکھ کر دیکھنے دکھانے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے وجود تک کو اسی کے تناظر میں اور اُسی کے دیے ہوئے حوالوں سے پڑھنے اور پڑھانے لگتے ہیں...... اور آخر اُسی کے گرداب میں گم ہو جاتے ہیں۔

''توحید'' در حقیقت آج کے اِس عالمی ساہوکاری دین سے کھلی بغاوت کر دینے کا نام ہے؛ وہ عالمی ساہوکاری دین جس کا ایک بھی حوالہ اختیار کرنا مسلمان کے حق میں موت تھا، مگر اس کے یہ مستعار حوالے ہمارے یہاں دھڑا دھڑ 'اسلامیائے' گئے اور اس کارگزاری achievement پر خوب خوب داد سمیٹی گئی، آخر ایک دن اپنی یہ فاقہ مستی رنگ لائی؛ ہمارا سب کچھ نیلام میں گیا اور ہم ایک لایعنی وجود کی طرح اس کی ڈیکور کا ناقابل ذکر حصہ ہو گئے اور اس نقطے پر پہنچے جسے بہت دیر پہلے کسی خردمند نے 'نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم' سے تعبیر کیا تھا۔

''عقیدہ'' دراصل ہم جس چیز کو کہتے ہیں (موجودہ ملکی و عالمی تناظر میں) وہ اس عالمی شرک کے مقابلے پر ایک ''کھلے انکار'' کا نام ہے۔ وہی کھلی دوٹوک ''لا'' جس سے ہمارا کلمۂ توحید شروع ہوتا ہے۔ یہ عالمی شرک، جسے انسان پرستی یا انسانی خدائی Humanism کا نام دیا جاتا ہے اور جو کہ اپنا ظہور ڈیموکریسی، سیکولرزم، سرمایہ داری، آزادی، مساوات، فیمن ازم، اخلاقی قدروں کے قتل، رائے عامہ، عریانی، انارکی اور فری مارکیٹ اکانومی وغیرہ کے پورے ایک پیکیج کے ذریعے کرتا ہے، اور اس کی ایک چیز لے لینے کے بعد جلد یا بدیر آپ کو اس کی باقی چیزیں بھی لینا ہوتی ہیں؛ بلکہ اس کی ایک چیز اس کی دوسری چیز کی جگہ بنانے کے لیے ہی ہوتی ہے ('پِک اینڈ چوز کی آزادی' سے بڑا فریب اور اس سے بڑی سیلز مین شپ یہاں کوئی نہ ہو گی؛ جس پر حالات مسلسل گواہی دے رہے ہیں، یہاں تک کہ دل کے اندھوں بہروں کو چھوڑ کر اب یہ ہر کسی کو دکھائی اور سنائی دینے لگی ہے)......اِس عالمی دین کے آگے آپ کو ایک مکمل ''اِباء'' an absolute defiance اختیار کرنا تھی اور اِس کو مسترد کر کے اللہ واحد و قہار کی خدائی اور کبریائی کا اعلان اور اس کی عبادت اور بندگی کا اقرار اور تمام جہانی معاملات کو ایک اُسی کی شریعت کی جانب لوٹانا اور اُسی کی جانب تحاکم کا دستور اختیار کرنا اور خاص اِس بنیاد پر ملتِ شرک کے ساتھ ایک نہ ختم ہونے والا نزاع سامنے لے کر آنا تھا۔ اسی چیز کو ہم اپنی اصطلاح میں ''عقیدہ'' کہتے ہیں (اور اسی وجہ سے ''عقیدہ'' پر اتنا زور دیتے ہیں) کیونکہ اِس سارے عمل کی روحِ رواں بس یہی ہے کہ ''جاہلیت کے ساتھ مخاصمت'' اور ''غیر اللہ کی عبادت سے بے زاری و برأت'' ہمارے فکری وجود سے پھوٹ پھوٹ کر برآمد ہو رہی ہو۔

''طائفۂ منصورہ'' کا ذکر متعدد احادیث میں آتا ہے۔ عقیدہ کی کتب بھی اس کے ذکر سے پُر ہیں۔ ہمارے دین میں اس طائفے کے قائم و دائم رہنے کی باقاعدہ پیشین گوئی ہوئی ہے۔ مختصراً: یہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خاص طبقہ ہے جو ہر دور میں باطل سے ہاتھاپائی کرے گا اور کبھی سرنڈر نہیں ہو گا۔ اس کے دو خصوصی محور ہیں: ایک وہ ٹھیٹ اصحابِ علم و دانش جو باطل کے فکری قلعے مسمار کرتے رہیں گے، اور ایک وہ مجاہدین جو بزور شمشیر باطل کے دانت کھٹے کرتے رہیں گے۔ اس طائفے کو ''منصورہ'' اس لیے کہا گیا کہ اسے آسمان کی پشت پناہی حاصل رہے گی؛ نہ مخالفین ہی کبھی اس کا بال بیکا کر سکیں گے اور نہ وہ گھر کے لوگ جو دشمن کے مقابلے پر اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے یا جو اِس جنگ میں دشمن کے طرف دار ہو جائیں گے۔

ہم اپنے الفاظ میں کہیں تو طائفہ منصورہ: اِس امت کے جسم میں فٹ کر دیا گیا وہ خودکار نظام جو باطل کے مقابلے پر اِس کی نظریاتی مدافعت اور اِس کی عسکری مزاحمت کو میدان میں لاتا رہے گا اور جو کہ، ازروئے احادیث، اِس امت کے جسد میں قیامت تک معطل نہ ہو گا؛ اور در حقیقت اس کو زندہ اور باقی رکھنے کا باعث ہو گا۔

حضرات! امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت تک اپنی اصل پر قائم و دائم رہنا کوئی معمولی بات نہیں؛ اس حقیقت کا اصل راز اور روحِ رواں یہی برگزیدہ طبقہ (طائفۂ منصورہ) ہے جو اِس امت اور اِس کے عقیدہ کی خاطر باہر والوں کی بے تحاشا دشمنی بھی مول لے گا اور اندر والوں کی مسلسل جفاکاریوں کی بھی زد پر رہے گا، البتہ اس کی نظر خدا کے اجر پر رہے گی اور خدا کی مدد اس کی پشت پر۔ اِن احادیث کا عملاً متحقق ہونا خود آج ہمارے دور میں بھی ہر شخص دیکھ سکتا ہے اور اِن نبوی پیشین گوئیوں کا بالفعل پورا ہونا خود اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر سکتا ہے۔

والحمدُ لله الذي بعثَ محمداً بالحق وجعل رايتَه قائمةً إلى قيام الساعة!

(تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور جس اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا قیامت تک کے لیے بلند و قائم کر دیا!)

معرکۂ ایمان و مادیت کا ایک منظر!

عبد اللہ آدم

طالبان امریکہ معاہدہ، معرکۂ ایمان و مادیت کا ایک منظر ہے۔

مادیت کی برتری پر یقین رکھنے والوں کی اپنی سوچ ہے، اپنے پیمانے ہیں، حاضر و موجود کی باتیں اور اعداد و شمار کے دفتر، سب ان کے پاس ہیں۔ دوسری طرف اہل ایمان کے معیارات خود ایمان کے طے کردہ ہیں، بدن کے مقابل روح اور ٹیکنالوجی کے مقابل جذبہ اور ایمان کی حرارت!

ہر دو فریقین کے یہاں تجزیے، تبصرے، خبریں سب اسی کے مطابق قالب میں ڈھالے جا رہے ہیں۔ دونوں کیمپ اپنے اپنے طرزِ فکر پر منظم اور یکسو ہیں!

ایسے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کبھی بجلی کی چمک میں رستہ دیکھنے لگتے ہیں تو آنکھیں اچک لی جاتی ہیں اور الٹا مایوس ہو کر پلٹتے ہیں تو ذہنی غلامی اسی تاریکی کو جائے سکون بتلا کر تھپکنے لگتی ہے! مادیت کے پیمانوں کو حتمی خیال کرنے والوں کی بات سمجھ میں آتی ہے لیکن جب ایمان کے نام لیوا اپنی گفتگو میں مادی پیمانوں کو کسوٹی بنا کر فتح و شکست کے فیصلے صادر فرماتے ہیں تو ضبط جواب دینے لگتا ہے!

دو تین روز سے دانستہ نادانستہ ذہنی غلاموں کا آہنگ ایسا ہے کہ اتنے لاکھ لوگ مر گئے، ملک تباہ و برباد ہوا، اب معاہدہ کر کے بھی امریکہ کی جیت ہی ہوئی ہے وغیرہ۔ اس غلامی کا اصل علاج تو قرآن کی سورۃ البروج ہے جس میں اصحاب الاخدود کو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں زندہ جلا دیا گیا، باقی کوئی بچا نہیں سو 'فائدے' کا سوال ہی باقی نہیں رہا...... دوستوں کی زبان میں 'کیا فائدہ ہوا؟'

قریب کی دلیل آپ کے لیے تقسیم ہند کے فسادات ہیں...... 'لاکھوں' کے مرنے سے اگر 'جیت' کا حساب ہوتا تو ہندو مہاسبائی اور سکھ بلوائی جیت چکے تھے...... پر تاریخ نے کیا لکھا؟ یہی کہ اتنی 'قربانیاں' دے کر مسلمانوں نے پاکستان حاصل کر لیا۔ اس سے بھی قریب آنا ہے تو ماؤزے تنگ کا لانگ مارچ ہے، کوریا کے پچاس لاکھ قتیل ہیں اور ویت نام کی جنگ ہے! تاریخ بڑے سبق رکھتی ہے لیکن سیکھنے والوں کے لیے!

غلامی سے محبت کا اندازہ لگائیں کہ خود تو غلام ہیں ہی، کسی کے آزادی حاصل کرنے پر بھی مروڑ اٹھ رہے ہیں! حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بستر مرگ پر تاریخی جملہ کہا تھا...... فلا نامت أعين الجبناء، 'بزدل کی آنکھیں کبھی سکون کی نیند سے آشنا نہیں ہو سکتیں!' شالا بزدلاں نوں کدی نیندر نہ آوے!

ارے بھئی جس ڈر سے ڈرتے ہو اس ڈر کو خیر باد کہہ کر تو ان دیوانوں نے آغاز کیا تھا اور آج جب مادہ، روح کے سامنے تھک کر گر پڑا ہے تمہیں مادی نقصانات کی یاد آ رہی ہے!!!

شک و تذبذب سے نکل کر شعور کے ساتھ فیصلہ کریں کہ کہاں کھڑے ہونا ہے! ایمان کے ساتھ؟ تو پیمانے قرآن سے آئیں گے! اور اگر 'حاضر و موجود' کے ساتھ تو اس کی بائبل سرمایہ داری کے پلندوں سے ملے گی! ایک انتخاب کر لو...... پیچھے مڑ مڑ کر نہ دیکھو!

خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

اقبالؒ

(یہ مضمون فیس بک سے حاصل کیا گیا ہے)

وللہ العزة ولرسولہ وللمؤمنین

قاضی ابو احمد

۲۹ فروری ۲۰۲۰ء ایک عہد ساز دن کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ یہ دن اس تکبر کے منہ پر زور دار طمانچہ ہے جس نے ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو Operation Enduring Freedom کے نام سے امارتِ اسلامی افغانستان پر چڑھائی کی۔ آج، وقت کی سپر پاور، اپنی اور اپنی اڑتالیس اتحادی طاقتوں کی تمام تر عسکری قوت کے استعمال کے بعد، امارتِ اسلامی کے مجاہدین کے قدموں تلے کچلے گئے اپنے غرور و تکبر کی پوٹلی باندھے، برابری کی بنیاد پر امارتِ اسلامی کے انہی مجاہدین سے معاہدہ کر چکی ہے جنہیں نیست و نابود کر دینے کا دعویٰ اس کا ہر صدر ہی مختلف انداز میں کر چکا ہے۔

معاہدے کے اعلامیے میں جہاں کہیں امارت اسلامی افغانستان کا نام آیا، اس کے ساتھ صراحت موجود ہے کہ 'جسے امریکہ بطور ریاست تسلیم نہیں کرتا اور جو طالبان کے نام سے جانے جاتے ہیں'، مگر جیسے صلح حدیبیہ کے معاہدے سے لفظ 'رسول اللہ' مٹا دینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان، آپ کے مقام، آپ کی عظمت اور آپ کے رسول اللہ ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا تھا، بعینہٖ یہ لکھ دینے سے کہ امریکہ اسے بطور حکومت تسلیم نہیں کرتا، واقعے کی حقیقت تبدیل نہیں ہو جاتی۔ معاہدہ اسی کے ساتھ کیا جاتا ہے جسے آپ کسی نہ کسی حیثیت میں تسلیم کرتے ہیں۔ طالبان وہی ہیں، ان کے مطالبات، ان کا نفاذِ شریعت کا اعلان، افغانستان میں اسلامی حکومت کے نفاذ کا پختہ ارادہ، ان کی داڑھیاں، عمامے، کرتے، ٹخنوں سے اونچی شلواریں، ان کے ہاتھوں میں موجود تسبیح اور کلمۂ لا إلہ إلا اللہ سے مزین ان کے سفید جھنڈے وہی ہیں، اور ان کی ان تمام صفات کے ساتھ ہی ان سے معاہدہ کیا گیا ہے۔ یہ معاہدہ ریاستِ افغانستان یا افغانستان پر قابض جمہوری حکومت سے نہیں کیا گیا، انہیں تو اس معاہدے کی تقریب میں شرکت تک کی دعوت نہ دی گئی، بلکہ یہ ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کی بپا کردہ اسی طالبان تحریک کے ساتھ کیا گیا ہے جس کو بزور طاقت ختم کر دینے کا طنطنہ دکھاتے یہ امریکی اپنے اتحادیوں کے ساتھ میدان میں اترے تھے، وہ میدان جو بالآخر انہی کی شکست و ہزیمت کی داستانوں کا گواہ بن گیا۔

کفر خواہ کتنا ہی چاہے کہ علوِ اسلام کے سنگ ہائے میل بھلا دیے جائیں، مگر ایسا ہو نہیں سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں گستاخی کرنے والے ملعون سلمان تاثیر کو جہنم واصل کرنے والے ممتاز قادری کو ۲۹ فروری کو پھانسی دی گئی تا کہ اس یادگار دن کو بھلایا جا سکے اور اب اس عظیم معاہدہ پر بھی ۲۹ فروری ہی کو دستخط کیے گئے، تا کہ یہ دن مسلمانوں کے ذہنوں سے محو ہو جائے۔ مگر کفر ہر مرتبہ یہ بھول جاتا ہے کہ وہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے نہیں بجھا سکتا۔ اللہ کا نور پوری دنیا میں پھیلنے کے لیے آیا ہے، اسے یہ کفر گہنا نہیں سکتا۔

یہ سچ ہے کہ مسلمانوں کو عزت ہمیشہ ان کے دین کی وجہ سے ہی ملی ہے اور ملے گی۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد اس کی چابیاں وصول کرنے کی خاطر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس شان سے سرزمین شام میں داخل ہوتے ہیں کہ غلام اونٹ پر سوار ہے اور امیر المومنین، عمر الفاروق، پیوند دار لباس زیب تن فرمائے، اونٹ کی نکیل تھامے پیدل محو سفر ہیں، تو اس موقع پر آپ وہاں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے، ان کے اپنے لباس اور سواری کی (عدم شان کی) جانب توجہ دلانے پر فرماتے ہیں کہ "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام ہی کے باعث عزت سے نوازا ہے، اگر ہم نے اسلام کے علاوہ کہیں اور عزت تلاش کی تو اللہ تعالیٰ ہمیں رسوا کر دے گا"۔ دنیا نے وہ بھی دیکھے جن کے نام تو مسلمانوں والے ہیں مگر جنہوں نے "عزت" کی تلاش میں دربار ہائے کفر میں سر جھکائے اور وہاں سے وہ ہمیشہ ذلیل کر کے ہی نکالے گئے۔ چند تعریفی جملوں اور چند تھپکیوں پر پھول گئے اور پھر اہل کفر کی جانب سے ہر اہانت اور ہر تذلیل اور ہر حقارت کو "خندہ پیشانی" سے سہہ گئے۔

اور پھر دنیا نے وہ طالبانِ عظیم الشان بھی دیکھے جو اپنے دین پر فخر کرتے ہیں، جنہوں نے اپنے دین اور اس سے اپنی وابستگی ہی کو اپنے لیے دنیا و آخرت کی عزت و فلاح کا باعث سمجھا، وہ محض دعوے پر نہیں چھوڑ دیے گئے، بلکہ جس رب العزت کی کبریائی کی پکار لے کر وہ اٹھے تھے، اس رب نے انہیں ہمہ پہلو آزمایا اور خوب خوب آزمایا، مگر وہ اللہ رب العزت کی مدد و نصرت کے سہارے ہر آزمائش میں پورے اترے تو اللہ نے بھی اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے انہیں اس عزت و تکریم سے نوازا کہ جو سلاطین کے دروازوں پر سجدہ کرنے والوں کو کبھی خواب میں بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ دنیا نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ عین معاہدے پر دستخط کے وقت، کفر کے نمائندوں اور پوری دنیا کے میڈیا کے سامنے، تکبیر کے نعرے بلند ہوئے، اللہ کی کبریائی کی پکار ہر کان نے سنی اور ہر نفس پر حجت تمام ہوئی۔

پھر اسی پر بس نہیں بلکہ تاریخ میں یہ کب ہوا ہے کہ متکبر امریکی صدور میں سے کوئی کسی گروہ کے سربراہ کو فون کرے اور اس سے براہ راست گفتگو کرے! مگر یہاں اللہ رب العزت نے دکھایا کہ اپنی عسکری قوت پر نازاں امریکی صدر ٹرمپ نے، طالبان کی جانب سے کسی 'درخواست' پر نہیں، بلکہ از خود، اپنا تکبر بالائے طاق رکھتے ہوئے امارتِ اسلامی کے طالبان کے نائب امیر برائے امورِ سیاسی، ملا عبد الغنی برادر حفظہ اللہ کو نا صرف فون کیا اور ان سے گفتگو کا 'شرف' حاصل کیا بلکہ ان کی تعریف کی۔ جو سر اللہ کے سوا کسی اور کے سامنے نہیں جھکتا، اللہ اس کے سامنے غرور و تکبر سے اکڑی گردنوں کو جھکاتا ہے اور اللہ ہی اہل کفر کے دلوں پر اہل ایمان کا رعب طاری فرماتا ہے۔ (باقی صفحہ نمبر 30 پر)

اِمارتِ اسلامیہ افغانستان......میری یادوں کے آئینے میں

میاں سعد خالد

میں نے اپنی عمر کی نویں بہار حال ہی میں دیکھی تھی۔ یہ اکتوبر ۲۰۰۱ء کی بات ہے۔ میں پرائمری کا طالبِ علم تھا، صبح سویرے اٹھنے کے بعد منہ اندھیرے نماز پڑھتا، سکول کا یونیفارم پہنتا، اپنا بھاری بستہ کاندھوں سے لٹکاتا اور اپنی امی کے ساتھ گھر کے سامنے والے صحن اور گاڑی کے گیراج میں آکر سکول لے جانے والی گاڑی کے انتظار میں کھڑا ہو جاتا۔ سردی کے ان ابتدائی دنوں میں سورج ابھی طلوع نہ ہوا ہوتا، لیکن ہاکر اخبار ڈال کر جا چکا ہوتا تھا۔

میں بھی گیراج میں پہنچ کر پہلا کام یہی کرتا کہ اخبار اٹھاتا اور کھول کر اپنی امی کو دے دیتا۔ وقت کی کمی اور گھر کے گیٹ سے منہ باہر نکال کر سکول کی گاڑی کے انتظار میں مجھ سے خود اس وقت اخبار نہ پڑھا جاتا، لہٰذا میری امی مجھے اس وقت اخبار کی سرخیاں پڑھ کر سنایا کرتیں۔

دو چار ہفتوں پہلے ہم نے نائن الیون کا ذکر اخبارات و ٹی وی پر سنا تھا اور اب اخبار کی سرخیاں امریکہ کے افغانستان پر حملے کی تیاری کی خبریں دے رہی تھیں۔ ہر روز سکول جانے سے پہلے میں اخبار کی سرخیاں سنتا۔ ہم بچے تھے اور بس ترانے پڑھ کر اور نعرے بلند کر کے گزارا کرتے تھے۔ ہمارے سکول کا ماحول چونکہ سیکولر تھا لہٰذا اسی عمر میں دیگر ہم جماعتوں سے کچھ نہ کچھ بحث مباحثہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک روز شیخ اسامہ بن لادن کی عظمت کے متعلق انگریزی کے مضمون کی کلاس میں سیکولر و ماڈرن افکار و سیکولر و ماڈرن ظاہر والی کلاس ٹیچر سے بھی مباحثہ ہو گیا۔ دل دل میں تو ہم فاتح ہی تھے نجانے بات کیا ہوئی تھی؟!

؏ میں بچہ ہوں لیکن، میرا عزم توانا ہے!

پھر ایک دن آیا جب اخبار کی سرخی افغانستان پر امریکی حملے سے متعلق تھی۔ ذکر تھا کہ امریکہ نے افغانستان میں 'ڈیزی کٹر' اور 'ٹام ہاک' میزائل پہلے ہی روز استعمال کیے ہیں۔ اس روز اخبار میں ایک ٹام ہاک میزائل کی تصویر بھی تھی۔

زندگی میں افغانستان سے میرا یہ پہلا شعوری تعارف تھا، یا کم از کم ذہن میں افغانستان کا پہلا نقش یہی ہے۔

ہم اس وقت افغانستان کو بس اہلِ ایمان غیرت مند لوگوں کی سرزمین کے تعارف سے جانتے تھے اور دوسرا نام افغانستان کے ساتھ جو ہمارے ذہن میں آتا تھا وہ شیخ اسامہ بن لادن ہی کا تھا۔ ایک روز اخبار میں کوئی بات پڑھی اور اگلے روز سکول میں جا کر سنا دی: 'اگر اسامہ بن لادن کو شہید کیا گیا تو اسامہ بن لادن کے خون کے ایک ایک قطرے سے ہزار ہزار اسامہ بن لادن پیدا ہوں گے!'۔

ہمارے ایک ہم جماعت کے چھوٹے بھائی کا نام اسامہ تھا، انہی ایام میں اس کے والدین نے نام بدل کر کچھ اور رکھ دیا۔ سکول کی فضا میں ہم تین ساتھی تھے جو جب کلاس میں دیگر سے مباحثہ کرتے تو گویا یہی کیفیت ہوتی کہ ہم یہیں صلیبی جنگ لڑ رہے ہیں۔ میرے ساتھ میرا سوڈانی دوست اور کلاس فیلو 'ہمام' اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مرحوم کا پوتا 'زبید' ہوا کرتا۔

پھر ہم بڑے ہوتے رہے، ملک بھر میں امریکہ مخالف جلسے اور مظاہرے ہوتے، ہم بھی اسی کو 'جہادِ اکبر' جان کر شامل ہوتے۔ ہمارے سامنے راستہ کوئی نہ تھا۔ پھر اللہ نے ایک راستہ ایک شفیق و محب داعی الی اللہ کے ذریعے کھول دیا۔ مہربانی رب سے ہم امارتِ اسلامیہ افغانستان کے ایک لشکر میں شامل ہو گئے۔ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ بچپن میں جس اسامہ بن لادن کی محبت میں مباحثے ہوتے تھے اسی اسامہ بن لادن کو ہم اپنا 'شیخ' جان کر اسی کی جماعت 'القاعدہ' میں شامل ہو جائیں گے، وماتوفیقی الا باللہ!

اب ہم افغانستان کو بطورِ امارتِ اسلامیہ افغانستان جانتے تھے۔ افغانستان میں مجاہدین جنگ میں اہلِ کفر کے خلاف جتے ہوئے تھے۔ یہ بے سر و سامان مجاہدین کہیں دھاوے بولتے، کہیں اپنے جسم کے ساتھ بم باندھ کر کفر کے لشکروں میں جا گھستے۔ یقین تو بفضل اللہ پہلے بھی تھا لیکن فتح کی تصویر اتنی واضح نہ تھی۔ ذہن میں آج سے نو سال پہلے کا منظر کتنا واضح ہے کہ افغانستان کے صوبۂ کنڑ میں ایک امریکی و افغانی فوج کی چوکی پر مجاہدین کے حملے کی ایک ویڈیو، نشر کردہ 'الامارہ سٹوڈیو' ہمیں ملی۔ اس ویڈیو میں دیکھا کہ طالبانِ عالی شان دھاوا بولتے ہیں، امریکی اور ان کے دم چھلے قتل و گرفتار ہوتے ہیں، مالِ غنیمت مجاہدین کے ہاتھ لگتا ہے اور پھر وہ منظر کہ جب ہم دیکھ رہے تھے تو سب ہی دیکھنے والوں کی زبانوں سے یا نجانے دل سے نعرۂ تکبیر یوں بلند ہوا کہ سارا احاطہ گونج اٹھا...... ایک مجاہدِ عزیم کلمۂ طیبہ سے مرصع سفید جھنڈا ایک چوکی پر بلند کر دیتا ہے۔ ہم اپنی آنکھوں سے منظرِ اقامتِ توحید و رسالت دیکھ رہے تھے۔ یہ یاد بہت ہی گراں مایہ ہے۔

کوئی ڈیڑھ سال مزید گزرا کہ ہمیں افغانستان کے صوبۂ پکتیکا میں مجاہدینِ امارتِ اسلامیہ کے ساتھ ایک محاذ پر تشکیل گزارنے کا موقع ملا۔ یہاں کی ساری تشکیل ایک طرف لیکن اس تشکیل سے واپسی پر آخری رات ایک نادر و عجیب واقعہ پیش آیا۔ ہم ایک مسجد میں بیٹھے تھے، وہاں ہمارے ایک ساتھی نے، ایک مقامی افغانی بزرگ سے پوچھا کہ 'حاجی صاحب! امریکہ افغانستان کیوں آ گیا؟'۔ ان کا جواب بڑا ہی دلچسپ تھا...... ان کا زاویۂ نظر فقط ایمانی تھا، بولے 'اللہ جلّ جلالہٗ نے دیکھا کہ افغانی قوم ابھی جہاد نہیں کر رہی، امریکہ ان سے دور ہے اور یہ خود امریکہ جا نہیں سکتے...... تاکہ افغان قوم پھر جہاد میں مشغول ہو جائے اور اجرِ عظیم کمائے...... اللہ نے امریکہ کو افغانستان بھیج دیا اور اب ہم بحمد اللہ جہاد کر رہے ہیں!'۔ یہ اردو ترجمانی ذرا پر تکلف ہو گئی ہے ورنہ افغانی بزرگ کے الفاظ بالکل ہی سادہ اور ان کا انداز بھی ایک دیہاتی سا

تھا۔ لیکن افغان قوم کے جذبۂ ایمانی کا پتہ انہی الفاظ میں ہے۔ انہیں عالمی حالات کی پروا نہیں ہے، پہلا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے، بعد میں دیگر مقاصد آتے ہیں۔

قریباً ایک دہائی مزید بیتتی ہے کہ آج ۲۰۲۰ء میں ہم کفر کے لشکروں کو دل و جان سے ہارا ہوا، بکھرا ہوا، ٹوٹا ہوا، زخم خوردہ، جان بچاتا، بھاگتا دیکھ رہے ہیں۔ جشنِ فتح آج امتِ مسلمہ کا ہر قلب و ذہن منا رہا ہے۔

یہ ربِّ عظیم کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ہمیں آج اس لشکر میں شامل کیے رکھا جس کے مقدر میں ہبلِ عصر، فرعونِ دوراں امریکہ کو شکست دے کر ذلیل کر کے نکالنا مقدر کیا گیا تھا۔ دو دہائیاں قبل، امریکہ کے لہجے میں اتنا تکبر تھا، اتنی رعونت تھی کہ وہ مجاہدین کو شاید چیونٹی کے برابر بھی نہ جانتے تھے۔ دو دہائیاں بھی دور ہیں ابھی چند ماہ پہلے ڈانلڈ ٹرمپ کیسے کیسے دعوے نہیں کرتا تھا، 'چاہوں تو چند دن میں افغانستان کی جنگ جیت لوں......'، کبھی اس نے یک دم مجاہدین سے مذاکرات ختم کرنے کا اعلان کیا۔ پھر ساری دنیا کے سامنے آج یہ منظر بھی آشکارا ہے کہ یہ ٹرمپ کہتا ہے کہ طالبان کے بڑوں سے ملنے کا خواہاں ہوں۔ مجاہدین کے پاس کیا تھا اور کیا ہے؟ آج سے انیس سال پہلے جو حال تھا، حالت آج بھی ویسی ہے، اسلحہ دشمن سے چھینا ہوا، بم دیسی ساختہ، کھانا ایک مسجد میں کھاتے ہیں اور پھر دوسرے کی خبر نہیں، رات سونے کو آج یہ ٹھکانہ ہے تو کل وہ اور دشمن اپنے یہاں افغانستان کے کیمپوں میں بھی 'برگر کنگ'، 'پیزا ہٹ' اور 'میک ڈانلڈز' کی شاخوں کے ساتھ آیا ہے۔ یہ افغانی و عرب، انصار و مہاجر مجاہدین کوہِ سفید سے جان کُش پہاڑوں کو پیدل طے کرتے ہیں، بلکہ ان کی عورتیں اور بچے بھی، جب کہ امریکی اپنے کیمپ کے اندر بھی فور وہیل موٹر سائیکلوں پر سفر کرتے ہیں۔ بہر حال ربِّ واحد کا فیصلہ ہے، مجاہدین کا عزم ہے اور امریکہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ وہ ہار گیا ہے؛ بلکہ تسلیم کرنا ایک بات ہے، انہوں نے تو کاغذ پر لکھ کر دنیا کے پچاس ملکوں اور دنیا کے آٹھ ارب انسانوں کو گواہ بنا کر کہا ہے کہ ہم ہار گئے ہیں۔

یہ بیان میں لایا جائے تو کیسے کہ کل چند گز کی چوکی پر کلمے والے پرچم کو دیکھ کر دِل بلیوں اچھل رہا تھا، آج تو اس خوشی اور فرحت کا عالم ہی کچھ اور ہے۔ میں تو اس لشکرِ خدا کا ایک ادنیٰ سپاہی ہوں بلکہ ان میں شامل ہوں کہ جو لشکروں میں شامل ہو کر لشکر کی تعداد بڑھاتے ہیں۔ اس لشکر کو میں جس جہت سے دیکھتا ہوں...... میمنہ ہو یا میسرہ، آگے بڑھتے بارود میں لپٹے فدائیوں کے دستے ہوں یا قلب و عقب میں شاہیں صفت شہسوار...... کسی کے چہرے پر کوئی تھکن نہیں ہے! مجھ جیسے کے لیے خوشی اور شکر کا مقام یہ ہے کہ اس فاتح لشکر کا سپاہی ہوں جس نے 'ماڈرن ہسٹری' میں، اکیسویں صدی میں، ٹیکنالوجی جب انسانی علم کے مطابق انسان کے پاس سب سے زیادہ ہے، انسان کا سب سے زیادہ مادی ترقی کا دور...... اس دور میں جس لشکرِ شیطان کو یورپ کی مشینوں کا سہارا تھا؛ وہ شکست و ہزیمت کی مجسم تصویر ہے!

یہ فتح مبارک ہو ان سپاہیوں کو جنھوں نے اپنی قربانیوں سے اس فتح کو ممکن بنایا۔ یہ فتح مبارک ہو ان ماؤں کو جن کے جگر گوشے یا قتل کر دیے گئے یا پسِ زنداں پڑے ہیں۔ یہ فتح مبارک ہو ان کو جن کے سہاگ اس جنگ میں اجڑے۔ ان یتیم بچوں کو یہ فتح مبارک ہو جن کے باپ اس جنگ میں ان کے دنیا و آخرت میں روشن مستقبل کی خاطر جان ہار گئے۔ یہ فتح مبارک ہو ان قیدیوں کو جن کی جیلوں میں ھُو اللہ احد کی صداؤں نے دشمن کا حوصلہ توڑ دیا۔

یہ فتح پوری امت کی فتح ہے۔ پیشِ خیمہ ہے محبوبِ جاں صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا کہ ثم تکون خلافۃ علیٰ منہاج النبوۃ! ملوکیت و بادشاہت اور کاٹ کھانے والی آمریت کے بعد...... عن قریب خلافت بطریقِ نبوت قائم ہو جائے گی۔ یہ امارتِ اسلامیہ، خلافتِ اسلامیہ کی نوید بھی ہے اور تمہید بھی!

افغان	باقی،	کہسار	باقی
الحکم	للہ!	الملک	للہ!

نظریاتی غدار!

یہ ایک المناک بات ہے کہ پاکستان کا صرف حکمران طبقہ ہی پاکستان کا "نظریاتی غدار" نہیں، پاکستان کی صحافت بھی "نظریاتی غداری" کی علامت ہے۔ ایک بار پرویز ہودبھوئے نے روزنامہ ڈان میں لکھا کہ پی آئی اے کے طیارے پرواز کے لیے تیار ہوتے ہیں تو، ان طیاروں میں "دعائے سفر" پڑھی جاتی ہے۔ پرویز ہودبھوئے نے لکھا کہ یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے، اس لیے کہ طیارے "دعا" سے نہیں مشین کی مدد سے اڑتے ہیں۔ حسن نثار نے جیو کے پروگرام "رپورٹ کارڈ" میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ پردے کا حکم امہات المومنینؓ کے لیے تھا، عام مسلم خواتین کے لیے نہیں۔ جاوید چودھری نے ایکسپریس میں لکھا کہ سعودی عرب اور ایران جیسے مذہبی ممالک میں جو تغیرات آرہے ہیں اُن کی وجہ سے لگتا ہے کہ اسلام مکّے، مدینے اور قم تک محدود ہو جائے گا، یعنی اسلام کا کوئی مستقبل نہیں۔ خورشید ندیم روزنامہ دنیا میں جو کالم لکھتے ہیں اُن میں سے خاصے کالم اسلام کو مشرف بہ مغرب یا مشرف بہ سیکولرازم کرنے کی آرزو سے لبریز ہوتے ہیں۔ یہ چند مثالیں ہیں، ورنہ ہمارے ذرائع ابلاغ میں پاکستان کے نظریاتی تشخص کے خلاف کھلی بغاوت ہو رہی ہے۔

(شاہنواز فاروقی)

اے مِرے مجاہد...... وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے!

اردو استفادہ: جلال الدین حسن یوسف زئی

یہ امارتِ اسلامیہ افغانستان کے ریڈیو 'صدائے شریعت' پر نشر ہونے والے امارتِ اسلامیہ کے نائب مسئول برائے میڈیا کمیشن 'احمد اللہ وثیق (حفظہ اللہ)' کے ایک صوتی کالم کا اردو استفادہ ہے۔ یوں تو اس مضمون کے مخاطبین مجاہدینِ افغانستان ہیں، لیکن یہ نصیحتوں سے مزین پیغام برِّصغیر اور ساری دنیا میں موجود اقامتِ دین و نفاذِ شریعت کی محنت میں کھپے داعیان و مجاہدین کے لیے سامانِ فکر و عمل لیے ہوئے ہے۔ (ادارہ)

اے میرے مجاہد بھائی! دیکھنا، کہیں غفلت کا شکار نہ ہو جانا!

امریکی استعمار اور کفر کے حملے کے سامنے بند باندھنے والے اے میرے مجاہد بھائی!

ان حساس مراحل میں یہ چند باتیں غور سے پڑھ لو! اگر ایک بار پڑھنے سے سمجھ میں نہ آئیں تو دوبارہ پڑھ لینا۔ خود اس پر عمل کرو، دوسروں تک اس پیغام کو پہنچاؤ، اور ہمیشہ اس کو یاد رکھنا۔

اے محاذِ حق پر ڈٹے میرے مجاہد بھائی!

بلاشبہ تم نے گزرے ہوئے اٹھارہ انیس سالوں میں ایمان، ایثار، ثبات اور استقامت کا ایک بے مثال نمونہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اپنے عزمِ مصمم کے سہارے تم نے انچاس (۴۹) کفری ممالک کو شکست دی اور آج ہم نے دیکھ لیا کہ ۵ رجب ۱۴۴۱ھ کو غیر ملکی افواج افغانستان سے رسمی طور شکست کھانے کے بعد، تیزی کے ساتھ فرار کی راہ پر گامزن ہیں۔ امریکی طاغوت کے سامنے تمہارا جہادِ شمشیر اور کاغذ کے صفحے پر لکھی حریت و اقامتِ اسلام کی فتح تمہیں مبارک ہو۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ ابھی ہمارے قدم راستے میں ہیں...... ہم منزل تک نہیں پہنچے، حقیقی آزادی اور اصل فتح تک ابھی بہت سے مراحل باقی ہیں۔

استعمار کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ یہ حملہ آور پسپائی کے دوران بھی ان کوششوں میں لگے رہتے ہیں کہ جنگ زدہ ملک کو آمنے سامنے جنگ کی بجائے ایک غیر روایتی جنگ میں مبتلا کر دیں۔ اٹھارہویں، انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں انگریزوں، فرانسیسیوں، اطالویوں اور باقی حملہ آوروں نے زیادہ تر اسلامی ممالک پر قبضہ کیا۔ انیسویں صدی کے وسط میں برِّصغیر میں جہادِ آزادیٔ ہند برپا ہوا۔ بیسویں صدی عیسوی کے نصف میں استعمار کے شکنجے میں کسے بیشتر ممالک میں آزادی کی خاطر جدوجہد زور پکڑ گئی۔ عالمی جنگوں کے سبب استعمار کے کمزور ہونے اور جہادی معرکوں نے بالآخر یورپی حملہ آوروں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے قبضہ کردہ ممالک سے پس قدمی اختیار کریں۔ لیکن کیا تمہیں معلوم ہے کہ ان حملہ آروں نے پس قدمی کے دوران کن حیلوں سے کام لیا اور کیسی سازشوں کے جال بچھا دیے؟ انہوں نے اپنے قبضہ کردہ علاقوں میں ایک ایسے حیلے کو استعمال کرتے ہوئے پس قدمی اختیار کی جس میں بظاہر تو انہوں نے ان علاقوں کو آزاد چھوڑ دیا لیکن ...... لیکن اے میرے مجاہد...... یہ اپنے غلاموں کو حاکم بنا کر غیر روایتی جنگ کے ذریعے ہم پر مزید مسلط ہو گئے۔

یہ غاصب حملہ آور؛ مغربی قوانین، ثقافت، تعلیمی نظام اور میڈیا کو یہاں جاری کر گئے۔ آج تک ان ممالک پر فکری اور ثقافتی استعمار کا سایہ پڑا ہوا ہے۔ آج یورپ کے شمال میں واقع ممالک الجزائر، مالی، موریطانیہ، مراکش وغیرہ اور خصوصاً تیونس پر فرانس کا قبضہ نہیں...... لیکن ثقافت، زبان، قانون، اقدار، رہن سہن سے لے کر تعلیمی نظام تک ...... فرانس ہی کا قبضہ ہے۔ پچھلی کتنی دہائیوں سے پاکستان اور بنگلہ دیش میں انگریزوں کا تسلط نہیں لیکن ان کی سرکاری زبان انگریزی اور قانون سے لے کر تعلیم اور کھیل سے لے کر ثقافت تک سب کچھ انگریز کا دیا ہوا ہے۔

استعمار کے مقبوضہ ممالک اقتدارِ استعمار سے تو نکل گئے...... بظاہر سب کو آزادی مل گئی، ہر سال آزادی کا جشن منایا جاتا ہے، لیکن ان کا نظام اب تک حملہ آوروں کا دیا ہوا اور ان کے حاکم، حملہ آوروں کے تربیت کردہ، فکری و ذہنی غلام ہیں، جو آج تک لندن، پیرس اور واشنگٹن کو اپنا سیاسی قبلہ سمجھتے ہیں۔

تو اے میرے مجاہد بھائی!

تم نے بھی جنگ کے میدانوں میں اور کاغذ کے صفحے پر امریکی استعمار سے اپنی آزادی لے لی ہے لیکن ابھی بہت سا کام باقی ہے۔ دیکھنا! اتنی جلدی بیٹھ نہ جانا۔ اس ملک پر اٹھارہ انیس سال امریکی استعمار کا قبضہ و غلغلہ رہا ہے۔ یہاں اٹھارہ سال اذہان کو مغربی طرز میں تبدیل کرنے کی خاطر کروڑوں ڈالر کھپائے گئے ہیں۔ یہاں اٹھارہ سال عوام کے کانوں میں استعماری میڈیا کے گیت سنائے گئے ہیں۔ یہاں دو دہائیوں تک مغربی اقدار، مغربی ثقافت، مغربی ادب و فلسفے کے فروغ اور مغربی معیارات کی تبلیغ، تطبیق اور نفاذ کی خاطر ہر قسم کی کوششیں کی گئی ہیں۔ یہاں اٹھارہ سال قرآن کے احکام اور حدود اللہ کی تحقیر کی گئی ہے۔ اسلامی نظام و ثقافت کو dark ages (قدیم و تاریک زمانۂ جہالت) کا عکاس کہا گیا۔ حجاب، پگڑی، داڑھی اور مسواک کا مذاق اڑایا گیا۔ یونیورسٹیوں کے نصاب میں اسلامی تہذیب و ثقافت کو دہشت گردی قرار دیا گیا۔ امت مسلمہ کے بیٹوں کے سامنے یورپ کے ملحد مفکرین کو آئیڈیل کے طور پر پیش کیا گیا۔ ہماری بہن بیٹیوں کو جنس بازار بنایا گیا۔

میرے پیارے مجاہد بھائی!

امریکہ ہمارے ملک سے نکل جائے گا لیکن اگر اس اٹھارہ سالہ فکری، سیاسی اور ثقافتی تخریب کی اصلاح نہ ہوئی تو اس کا معنیٰ یہ ہو گا کہ ہم نے امریکی وجود کو تو اپنے ملک سے نکال دیا لیکن امریکی افکار ہم نے گوارا کر لیے۔ جس طرح بیسویں صدی عیسوی میں انگریز اسلامی ممالک کو چھوڑ کر تو نکل گیا، لیکن مغربی افکار اب تک ان ممالک پر راج کرتے ہیں۔

امریکی افواج کے انخلا کے بعد ہمارے نظام میں پیوست امریکی افکار و نظام کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے مبنی بر عظمت و عزیمت ایک ایسی مزاحمت و جد وجہد کی ضرورت ہے جیسی کوشش و جاں فشانی بیتے ہوئے اٹھارہ سال میں امریکی حملہ آور کو شکست دینے کے لیے کی گئی تھی۔

شاید آنے والے کچھ دنوں میں ہم بین الافغان مذاکرات کے مرحلے میں داخل ہو جائیں۔ اس مرحلے میں افغانستان کے مستقبل کے حوالے سے اہم فیصلے ہوں گے۔ لہٰذا اس مرحلے میں، امریکیوں کے ساتھ مذاکرات کی مانند، بین الافغان مذاکرات کی میز پر بھی جہاد اور اسلام کی خاطر، داعیوں کا موقف اعلیٰ اور مؤثر ہو اور محاذ پر موجود ہر ایک مجاہد گزری ہوئی دو دہائیوں کی مانند فعال، بیدار اور تیار ہو۔ یہ یاد رکھیں کہ جس طرح ہمیں جنگ میں فتح مفت ہاتھ نہیں آئی اسی طرح افغانستان کے مستقبل میں دینی شعائر اور شرعی احکام کی تنفیذ بھی مفت میں ہاتھ نہیں آسکتی۔ یہاں کسی کو ایک حقیر مادی چیز بھی بغیر کچھ کیے ہوئے نہیں ملتی تو بھلا یہ معنوی، اعلیٰ و آسمانی الہامی اقدار کیسے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے مل جائیں گی۔

عصرِ حاضر کے انسان اخلاقی اصولوں کو قبول کرنے کے لیے کسی بھی طور پر تیار نہیں، اگر اپنے حقوق زورِ بازو سے حاصل نہیں کیے تو جان لو کہ کوئی اس زمین پر تمہیں زندگی گزارنے کا حق بھی نہیں دے گا۔

اسلامی دنیا پر نظر ڈالو! کفر کے پیروکار اسلام کے پیروکاروں کے ساتھ کس طرز کا سلوک کرتے ہیں! مصر اور لبنان کے حالات کو اپنی نظر سے دیکھو۔ مصر میں اخوان المسلمین مطلق اکثریت کے ساتھ انتخابات جیت گئی، لیکن چونکہ ان کے پاس عسکری قوت نہیں تھی تو ایک سال بعد ہی ان کو اقتدار سے گرا کر، آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر اور ہاتھ میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈال کر اندھیری جیلوں میں دھکیل دیا گیا۔ اس کے مقابل، لبنان میں چونکہ رافضی شیعہ گروپ 'حزب اللہ' کے ہاتھ میں عسکری فوجی طاقت ہے، لہٰذا نہ ہونے کے برابر تعداد کے باوجود اقلیت کے موقف کے ذریعے ملکی سیاست پر ان کا راج ہے۔ آنکھوں کے سامنے جیتے جاگتے یہ حقائق ثابت کرتے ہیں کہ بقا اور حاکمیت کی بنیادی کلید ''عسکری طاقت'' ہے۔

تو اے میرے مجاہد بھائی!

پس تم جنگی حالات میں ہو یا غیر جنگی حالات میں...... خواہ جنگ بندی کے مرحلے میں ہو یا جنگ کی کمی کے زمانے میں، ہر حالت میں تیار رہو۔ اپنے اسلحے کو کندھے سے نہ اتارو۔ جیسا کہ مقابل دشمن ہر وقت اپنی فوجی قوت کو مضبوط تر بناتا رہتا ہے، نئے حربے، وسائل اور افواج کی تیاری میں لگا رہتا ہے؛ اسی طرح تم بھی اپنے لشکرِ ایمان کو مضبوط کرنے میں جتے رہو۔ یہ یاد رکھو کہ یہاں صرف اور صرف وہی اقتدار کا حق دار ٹھہرتا ہے جس کے بازوؤں میں زور ہو۔

که ژوندون غواړې په لستنوړي کې خنجر اوساته
دنیا وجود د هیڅ کمزوري او مجبور نه مني

اگر زندگی چاہیے تو اپنی کمر سے خنجر باندھے رکھو
کہ اس دنیا کو ہر گز کسی کمزور و مجبور کا وجود منظور نہیں

لہٰذا کسی کا پراپیگنڈا اور نرم باتیں تمہیں دھوکے میں مبتلا نہ کر دیں۔ اپنے مقدس ہدف کی جانب توجہ دو۔ ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب غیر ملکی افواج کی طرح اندرونی دشمن سے بھی ہم اپنا آپ اور اپنے اعلیٰ شعائر منوائیں گے۔

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری

زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری
کوکبِ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری

وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

بقیہ: بہاروں سے پہلے

الحمدللہ، ثم الحمدللہ...... کشمیر کے بہادر بیٹوں نے درست سمت کا تعین کر لیا ہے، اور وہ آج شریعت یا شہادت کے اسی راستے پر رواں دواں ہیں جس پر سے کل ملّا محمد عمر اور ان کے اصحاب گزرے ہیں۔ ان شاء اللہ آئندہ چند سالوں میں ہم ہندوستانی فوج کو ذلیل و خوار ہوتا دیکھیں گے۔ ہند کے راجے اور حکمران زنجیروں میں جکڑ کر لائے جائیں گے۔ کشمیر سے جہاد کو ختم کرنے کے ان کے سب دعوے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور ان کے گاڈ فادر امریکہ جیسی ہی ایک ذلت آمیز شکست ان کا مقدر بن جائے گی۔ ان شاء اللہ باذن اللہ!

★★★★★

كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ!

(محاذ پر موجود ایک مجاہد کا سچے جذبات میں ڈوبا حالِ دِل)

صاروخ محمد

میں حقیقت میں ایک نالائق طالب علم ہوں۔ اللہ راضی ہو جائیں امی سے اور ان کی تکالیف کو راحت میں بدل دیں، وہ سکول بھیجنے سے پہلے ابتدائی حساب کتاب کی پمفلٹ نما کتاب سے پہاڑے پڑھاتی تھیں، جس کی شکل مخمس سی ہوتی تھی۔ اب انگریزی میں شاید اسے Five sided polygon کہتے ہیں۔ اس پر ہاتھ رکھ کر کئی بار بتایا کہ امریکہ کا پینٹاگون ایسا ہی ہے، جسے مجاہدین نے جہاز مار کر تباہ کیا ہے۔ نیم کے بڑے سے درخت کے نیچے سکھایا گیا وہ سبق مجھے ابھی تک یاد ہے الحمدللہ۔ تب ہی نانا جان بھی اپنے دو دامادوں کو لیے گھر سے نکلے اور کئی ماہ بعد لوٹے تو پتہ چلا افغانستان جہاد کے لیے گئے تھے۔ پسپائی کا دور تھا اور یہ اپنے مظلوم افغانی بھائیوں کی نصرت کو گئے تھے مگر حالات کی شدت کے پیش نظر متعلقہ جہادی تنظیم نے واپس بھیج دیا۔ صلیبی جنگ کے اس ابتدائی دور کے مجاہدین سے اب ملیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

امریکی حملے سے قبل کانوائے کی شکل میں ملک کا دورہ کرنے والے جہادی تنظیموں کے قائدین قسمیں اٹھا کر بتاتے ہیں کہ اس دور میں موٹر سائیکل میں پٹرول ڈلوانے کے لیے کوئی ادھار پیسے بھی نہیں دیتا تھا۔ مخلصین تو مخلص ہی رہے، مگر معترضین کے لیے تو زمانۂ عید تھا۔ 'جی تو ہو گیا اسلامی نظام قائم!'، 'کرلی خواہش پوری؟'، 'ہن بُجھے فِردے او ناں! (اب بجھے بجھے پھرتے ہو ناں)'، 'ہم صحیح رہ گئے ان کا ساتھ نہ دے کر!'۔ قارئین میں شاید وہ بھی ہوں جو ATB لسٹ کو جانتے ہیں؛ افغان ٹرینڈ بوائے۔ پاکستان پر مسلط اس نظام نے ہزاروں اہل ایمان نوجوانوں کی زندگیاں برباد کیں۔ کوئی بھلے وقتوں میں زیادہ متحرک تھا تو فورتھ شیڈول، پھر اس کی اقسام اور نظر بندیاں۔ مہاجر مجاہدین کا بطور خاص قتلِ عام، اناللہ......

واقعات طویل ہو جائیں گے؛ عرب و عجم کے جو شہزادے ان کے ہاتھ آنے سے بچ گئے ان پر کیا کیا قیامت نہ بیتی؛ غیر ملکی مہاجر ان خواتین کے محرم مرد دوران ہجرت کھو گئے، یہ اس دیارِ غیر میں اپنے بچوں کی پرورش کیسے کریں گی؟ یہ بچے اپنے والدین سے بچھڑ گئے ہیں... یہ مہاجر نوجوان اپنی بوڑھی ماں کو تلاشتا ہے... اس مہاجرہ خاتون کا شوہر اس کی آنکھوں کے سامنے صلیبی بمباری کا شکار ہوا ہے... سینکڑوں مہاجر بچوں کے دشمن کے محاصرے میں گھرے اس مدرسے کا خیال رکھنے والے انصار اپنے گھر کو بچائیں یا ان بچوں کو جن کے والدین اگر شہید نہ ہوئے تو بھی تقریباً مزید ایک سال تک تو ان تک نہیں پہنچ پائیں گے! کابل لٹ گیا ہے، قندھار جا چکا ہے، تورا بورا سے بچ نکلنے والوں کی کُرم و پاراچنار کے اطراف میں تلاش جاری ہے...... پاکستان میں چھاپے ہیں...... مصیبت ہی مصیبت ہے۔ اس دور میں یہ دیوانے پھر خال خال نظر آتے تھے۔ ان کی جھکی نظریں اور داڑھی سے پُر گال۔ یہ اپنی بھیگی اور چمکتی آنکھیں اٹھا کر کہتے تھے کہ آپ لوگ دیکھیں گے کہ عنقریب امریکہ شکست کھا جائے گا۔ یقین کریں دل کس کا مانتا تھا۔ ایک مسجد سے بعد از نماز جمعہ ساڑھے چار سو روپے فنڈ جمع ہوا اور باتیں کئی لاکھ کی سننی پڑیں۔ میرا ایک شہید دوست کئی مرتبہ اس صورت حال سے دوچار ہوا کہ وہ مجاہدین کے لیے فنڈ کی غرض سے بات کرنا چاہتا تو لوگ ٹوک دیتے۔ ایک مجاہد ساتھی کو جمعے کا خطبہ دیتے ہوئے ایجنسی کے کارندے نے منبر سے کھینچ کر اتارا اور گریبان سے پکڑ کر مسجد سے باہر لے گیا۔ صفِ اول کی طالبان قیادت میں سے کتنے ہی پاک فوج نے پکڑ لیے۔ مہاجر مجاہدین بھیڑ بکریوں کی طرح صلیبیوں کو بیچے گئے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی، یہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے فرزند، یہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے غربا کم ہو گئے، بے سروسامان رہ گئے مگر ہار نہیں مانے۔ مجھے اس دور میں مجاہدین کی جانب سے تقسیم کیے گئے ان سٹیکرز کا ڈیزائن ابھی بھی مکمل یاد ہے جن میں ان بڑے نیٹو ممالک کے جھنڈے پھٹتے دکھائی دیتے ہیں اور ساتھ میں آیت رقم ہے "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ "عنقریب یہ متحدہ لشکر شکست کھائے گا اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ یہ اللہ پر اعتماد تھا۔ صرف انہیں ہی تھا، واللہ اور کسی کو نہیں تھا۔ وگرنہ یہ چشمش تو ٹی وی پر اونچی اونچی آواز میں بولا کرتے تھے: "او تمہارے پاس ہے کیا؟"، "تم بیچتے کیا ہو؟"، "بدّو لوگ نہ ہوں تو!"۔ اور ادھر یہ قریۂ انصار، وزیرستان میں بیٹھے موٹے موٹے آنسو گالوں پر بہاتے قرآن سے پوچھتے تھے کہ 'اب ہم کیا کریں؟'۔ قرآن نے کہا: "وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطاً"، (ایسوں کا کہا تو ماننا ہی نہیں کہ جن کا معاملہ ہی حد سے بڑھا ہوا ہے جبکہ پیروی وہ خواہشات نفسانی کی کرتے ہیں اور ان کا دل! وہ تو ہم نے اپنے ذکر سے غافل ہی کر رکھا ہے)۔ ربّا! پھر ہم کریں تو کریں کیا! یہ لگڑ بھگڑ ساری صلیبی دنیا سمیت ہمیں مارتے ہیں، جائیں تو جائیں کہاں؟ یہ دیکھیے! اس صلیبی حملے کے تین سال بھی مکمل نہیں ہوئے کہ ڈرون طیارے سرحد پار آکر ہمیں مارنے لگے ہیں! مالک! چھپنے کی جگہ تک نہیں ہے...! غریبوں کے مالک نے قرآنی پیغام سے تسلی دی، اور جواب ملا: "وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاء فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاء فَلْيَكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَاراً أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا" (آپ کہو، اور یہ حق کی باتیں آپ کے رب کی طرف سے ہیں، تم میں سے جو چاہے مانے جس کا جی چاہے کفر کرے، ہم نے تو ان ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو ہر طرف سے گھیر لیں گی)۔

اللہ جی! فی الحال مشکل میں تو آپ کے بندے پھنسے ہیں، آسمان سے طیارے آگ برساتے ہیں، زمین سے بندوقوں کے دہانے، خفیہ سیلوں کے دروازے ہمارے لیے کھلے ہیں۔ کوئی جائے پناہ نہیں ربّا! فرمایا: 'میں نے کہا نہیں تھا "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ "ہم عنقریب تمہیں آزمائیں گے!'۔ پر اللہ

جی کیوں؟...... ’’وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُواْ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاء وَاللّٰهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِينَ‘‘، جواب ملا: ’تاکہ اللہ کو معلوم ہو جائیں سچے ایمان والے اور چن لیے جائیں تم میں سے شہداء۔ کیوں کہ اللہ ظالموں سے تو محبت نہیں نہ کرتے‘۔ ہمارے اس کمزور سے لشکر کے علی کل شیٍٔ قدیر رب نے اس پیغام سے قبل ہمیں اور بھی بڑی تسلیاں بھیجیں۔ فرمایا: ’’إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ‘‘، پریشان کیوں ہوتے ہو دربدر مسافرو؟ اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو کیا تم نے انہیں فضاؤں اور سمندروں میں نہیں مارا؟ تمہارے رمزی یوسف اور اس کے ساتھیوں نے ان کے کئی طیارے ایسے ہی فضا میں تباہ کیے ہیں، پھر تم نے فضا سے جہاز اغوا کیے اور ان کے برج، ہیڈکوارٹر، معیشت، غرور اور لاکھوں لوگ تباہ و برباد کر دیے، تم نے ان کے بحری بیڑوں تک پہ کامیاب حملے کیے...... اور زمین ان پر تنگ کر دی۔ ’’اگر تم نے چوٹ کھائی ہے تو کیا ہوا؟ اس سے پہلے تمہارا دشمن بھی تو ایسی ہی چوٹیں کھا چکا ہے‘‘۔ ’’وَتِلْكَ الأيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ‘‘، (اور یونہی ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں)۔ آج ان کے دن ہیں تو کل تمہارا زمانہ آئے گا۔ یا اللہ! سچ میں؟؟ فرمایا: یقیناً! ’’وَلاَ تَهِنُوا، وَلاَ تَحْزَنُوا، وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ‘‘، اس مشکل وقت میں ہمت نہ ہارو اور غم تو کرنا ہی نہیں، تم ہی فتح یاب ہو، مگر شرط اتنی سی ہے کہ رہنا پکے سچے مومن۔

کبھی یہ اجڑے ہوئے، یہ کہتے نظر آئے، وَلاَ تُحَمِّلْنَا مَا لاَ طَاقَةَ لَنَا بِهِ، اے ہمارے ربّ! ہم پر وہ بوجھ تو نہ ڈالیے گا جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہے، وَاعْفُ عَنَّا، ہم سے درگزر کیجیے، وَاغْفِرْ لَنَا، ہمیں بخش دیجیے، وَارْحَمْنَا، ہمارے احوال پر رحم کیجیے، أَنتَ مَوْلاَنَا، آپ ہی تو ہمارا آسرا و سہارا ہیں، فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ، پس اب ہماری مدد کیجیے ان کافروں کے مقابلے میں۔ اللہ نے کہا: ’اچھا! لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلاَّ وُسْعَهَا، اللہ کسی کو بھی اس کے قویٰ سے زیادہ کام نہیں دیتے۔ اب بس تمہیں ایک کام کرنا ہے: قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ○ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلَى مَن يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ○ ان کافروں سے جنگ چھیڑ دو، اللہ اب انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب کا مزا چکھائیں گے اور ان کو ذلیل و رسوا کریں گے، ان کے خلاف تمہاری مدد بھی کریں گے اور نہ صرف مومنوں کے سینے ٹھنڈے کریں گے بلکہ ان کی بھڑاس بھی نکالیں گے۔ جس کو چاہیں گے معاف بھی فرما دیں گے، کیوں کہ اللہ سب کچھ جانتے ہیں اور بہت حکمت والے ہیں۔

یہ لیجیے، یہ شاہی کوٹ ہے، یہ خوست ائیر بیس ہے، یہ شوراب ائیر بیس ہے، یہ کابل نیٹو ہیڈکوارٹر ہے، یہ امریکی سفارتخانہ ہے، یہ ہلمند ہے، یہ بن تیمور ہے، یہ خانشین ہے، یہ برامچہ ہے، یہ سٹوکنڈو ہے، یہ پنجوائی ہے، یہ فدائی ٹرک ہے، کل شہید ہونے والا لیبیا سے تھا، یہ بارود بناتا شخص پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کا پڑوسی ہے، مدنی ہے، وہ گاڑی چلاتا بھوری زلفوں والا بھائی برطانوی ہے، یہ بندوق بردار تیز طرار شخص ترکستانی ہے، یہ کم عمر لڑکا جو ابھی ایک ہیلی اور ایک جیٹ گرا کر آیا ہے ازبک لگتا ہے، ارے یہ عرب کہیں سے سالوں پہلے کا ڈمپ کیا (دفنایا) ہوا اسٹنگر نکال لایا ہے، مجاہدین کا یہ گروپ بلغاریہ سے ہے، شُراوک میں اکیلا پورے فوجی کانوائے سے لڑنے والا فداء اللہ نامی لڑکا ہندوستان سے آیا ہے، ہلمند کا یہ لمبا چوڑا سوڈانی مجاہد بلوچوں کے مرکز میں رہتا ہے، بدخشاں میں یہ بستیوں کی بستیاں مشرقی ترکستانی مہاجرین کی ہیں، اچھا! تو یہ سب شیشانی ہیں، کل ہیلی کی شیلنگ میں کون شہید ہوا تھا؟ ابھی وہ ترال سے تھا، مقبوضہ کشمیر سے۔ وہ جرمن کہاں ہوتا ہے؟ وہ امارت کے ایک معسکر میں استاد ہے۔ یہ پیلے رومالوں والے صوفی نما شریف سے لوگ کون ہوتے ہیں، یہ سارے سندھی مجاہدین کی ایک ڈلگئی (مجموعے) کے ارکان ہیں۔ یہ اتنے سارے لوگ کون ہیں جو ایسے لگتا ہے ایک ہی وردی پہنے ہوئے ہیں؟ ہاں! یہی سفید قمیض شلوار اور سرخ و سفید ڈبیوں والے رومال پہنے ہیں سب نے، جیسے عرب شیوخ پہنتے ہیں، ارے یہ سب تو براہوی ہیں انہیں سمجھ بھی صرف براہوی ہی آتی ہے۔ اچھا ماشاء اللہ! یہ لڑکا کون ہے جس پر تمام ولسوالی رو رہی ہے۔ اس کا تعلق بہاولپور سے تھا، سولہ سال کا تھا جب ہجرت کی اور دس سال کے مسلسل جہاد کے بعد ایسی شاندار شہادت ملی کہ دنیا دنگ ہے۔ یہ بھائی صاحب کون ہیں؟ یہ جی پنج شیر کے ہیں۔ ان کے خاندان کے قریبی تعلقات تھے احمد شاہ مسعود کے خاندان کے ساتھ مگر قومی عصبیتیں حق کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکیں۔ یہ زخمی بزرگ کون صاحب ہیں جن کو اتنا پروٹوکول مل رہا ہے؟ یہ ایک پاکستانی مفتی صاحب ہیں جو امریکی چھاپے میں زخمی ہو گئے تھے۔ آج بھی ان کے علاقے کے مجاہدین مشورے کی اپنی کوئی محفل ان کے بغیر نہیں رکھتے۔ یہ چھوٹا لڑکا یہاں کیا کر رہا ہے؟ یہ ایک شہید فدائی مجاہد کا بھائی ہے، لاہور سے آیا ہے۔ اپنے دوسرے فدائی بھائی سے الوداعی ملاقات کرنے آیا ہے۔ یہ بزرگ تو فیصل آباد کے نہیں تھے؟ یہ کیسے شہید ہو گئے، یہ تو پرسوں ہی آئے تھے؟۔ ہاں یہ اپنے بیٹے کی قبر کی زیارت اور فاتحہ کے لیے آئے تھے، مجاہدین کارروائی پر جا رہے تھے تو انہوں نے بھی اصرار کیا کہ مجھے بھی لے چلو، میں آج اس سعادت کا حصہ دار بننا چاہوں گا جو میرے بیٹے نے پائی۔ یہ سواتی قندھار میں ہے۔ یہ ہلمندی نورستان میں ہے، یہ دس پندرہ چلاسی زابل میں پھرتے ہیں۔ آج تعارض میں کئی بکتر بند گاڑیوں اور طیاروں کا قمیض اتار کر سامنا کرنے والا یہ نوجوان گوجرانوالہ سے ہے۔ یہ ٹرک امارت اسلامیہ کی آدھی ولایتوں تک بارود سپلائی کرتا ہے، اس کا ڈرائیور جھنگ سے ہے اور ملک اسحاق و ریاض بسرا کا ساتھی ہے۔ غزنی میں یہ اتنے سارے پنجابیوں کی قبریں، ایبٹ آباد کے اس نوجوان نے اپنی درگانوف سنائپر سے محض ایک تشکیل میں پینتیس (۳۵) دشمن فوجی مارے ہیں جبکہ اپنی زبان سے کسی کو اپنا ایک بھی کارنامہ نہیں سناتا۔ بہاول نگر کے اس نوجوان کی شہادت کو ڈھائی سال گزر گئے ہیں مگر خوست کے مجاہد آج بھی اس کے تذکرے پر رو پڑتے ہیں......

جنگ شروع کر دی گئی۔ ابتدائی حالات تو نہیں دیکھ سکا، مجاہدین چھوٹا کہہ کر بھیجتے نہیں تھے۔ فتوحات کے دور میں آیا اور اس شاندار دور میں بھی کون سے مصائب و تکالیف ہیں مجاہدین پر جو نہیں دیکھے، پڑھیں گے تو حیران ہوں گے۔ بس آخر میں یہی سوچیے گا ان غریبوں کا دورِ عروج

یہ ہے تو آغاز کا دور کیسا ہو گا۔ بھائی مسلم کا مرکز ہمارا ہمسایہ ہے۔ پہاڑوں میں بھی ہمارے اور ان کے درمیان دو منٹ کا پیدل سفر ہے۔ مسلم اپنے مرکز کا سب سے پرانا مجاہد ہے۔ اس نظامی قطعے (امارت اسلامیہ کی عسکری بٹالین) کے سب لوگ اسے بطور فدائی جانتے ہیں۔ یہ ہر جنگ میں صف اول میں ہوتا ہے اور سب سے پہلے دشمن کے کیمپ میں داخل ہوتا ہے۔ آج یہ اچانک ہی ہمارے مرکز آیا ہے اور کہتا ہے کہ روٹی ہے؟ جبکہ کھانے کا وقت بھی نہیں تھا۔ ہم نے بچی روٹیوں کے برتن سے کچھ سالم روٹیاں نکال کر اس کو دیں اور ساتھیوں کے چھوڑے ٹکڑے علیحدہ کر دیے، تو کہنے لگا 'نہیں، یہ ٹکڑے بھی دے دو'۔ ایک ہی ہفتے میں دو تین مرتبہ اس کا یوں آنا ہوا تو ہم نے جاننا چاہا کہ کیا ماجرا ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کے امیر اعانت کے لیے پاکستان گئے تھے اور پاک فوج نے دھر لیے، گزشتہ تین ہفتے سے ان کے مرکز کا چولہا نہیں جلا۔ اس کے باوجود ان کے قائم مقام امیر کو اللہ جزائے خیر دیں، اس کسمپرسی کے حالات میں بھی نئے ساتھیوں کی آمد پر پابندی نہیں لگائی۔

خبر ملنے پر امارت اسلامیہ کی مقامی ضلعی انتظامیہ ان مہاجرین کی ضروریات کا مکمل خیال رکھنے لگی۔ آسان دنوں کے آنے سے قبل یہ وقت بھی آیا کہ یہ لوگ اپنے پشتون ساتھیوں کو لے کر قریبی بستیوں کی مساجد میں جاتے اور عامۃ المسلمین سے مدد کی درخواست کرتے۔ کچھ اعانت یا کچھ خوراک لے آتے۔ سائیں جی! اس طرح دی ہے امریکہ کو شکست ان میلے کپڑوں اور ٹوٹے سینڈل والوں نے!

نور جان اپنی بوڑھی ماں کا اکلوتا بیٹا ہے۔ انسانوں کی بسائی ہوئی چمکتی دمکتی دنیا سے کوسوں کی مسافت پر اس کا گھر ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں چھوٹی بہن بکریاں چراتی ہے پہاڑوں میں۔ پانی بھی بھر کے لاتی ہے۔ بیمار والدہ بھیڑ بکریوں اور میمنوں کے ساتھ گھر پہ ٹھہرتی ہیں، ہاں کبھی کبھی جلانے کو پہاڑی جھاڑیاں لے آتی ہیں۔ اس غریب خانہ بدوش نور جان نے کمائی کے لیے شہر جانا چاہا۔ کسی سے ادھار پیسے پکڑے اور تین چار دن کا سفر کر کے لاہور آن پہنچا۔ یہاں اس نے چار ماہ سبز چائے اور کبھی خشک میوہ جات کے چھوٹے چھوٹے پیکٹ بیچے۔ واپس لوٹا تو قرض وغیرہ اتار کر اس کا چار ماہ کا منافع چھتیس ہزار روپے بنا۔ اب اگلے سال کی سردیوں تک یا بکریاں ہیں اور یا یہ چھتیس ہزار۔ نور جان نے قریبی بازار سے آٹھ ہزار کی نان آٹومیٹک بندوق خریدی، چند سو کی گولیاں اور باقی پیسے اپنی امی کو دیے۔ اب نور جان کے دو کام ہیں؛ بکریاں چرانا اور مجاہدین پر نظر رکھنا۔ جیسے ہی یہ کبھی مجاہدین کو کارروائی پر جاتا دیکھتا ہے، بکریاں گھر کی طرف ہانک کر مجاہدین کی گاڑی کی سمت دوڑ لگا دیتا ہے۔ بھاگ کر گاڑی پر چڑھتا ہے اور مجاہدین کے ہمراہ برسرِ جنگ ہوتا ہے۔ اس کی پرانی بندوق ایک دو جنگوں کے بعد کھل گئی، شاید یہ کہیں گرا بھی ہے اور بٹ اور مشین کا باہمی جوڑ بھی اکھڑ گیا ہے، اس کی بندوق پر کم از کم تین جگہ کپڑے کی گرہیں لگی ہوئی ہیں۔ آج کی جنگ سخت ہے اور دشمن کے ہیلی بھی فضا میں موجود ہیں جو کوئی بھی بڑا نقصان کر سکتے ہیں۔ امارت کے مقامی کمانڈر نے اس کو منع کیا ہے کہ تم جنگ کے لیے مت جاؤ، ہتھیار تمہارے بیکار سے ہیں، کہیں تم دشمن کے ہاں پھنس گئے تو مصیبت بن جائے گی ہمارے لیے بھی۔ ایک دوسرے کے پرانے شناور، امیر اور مامور جھگڑ تو پڑے پر باز نہ آئے، ادھر امیر کو امارتِ اسلامیہ کے کمیسیون (کمیشن) کا ڈر کہ ایک یہ شہید ہو گیا تو میں جواب دیتا پورا ہو جاؤں گا۔ امیر جنگ ہمارے ساتھ ہی موجود مظفر آباد کے ایک مفتی صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ عالم ہیں، یہ علما کی عزت کرتا ہے، آپ سمجھائیں، شاید باز آ جائے۔ مفتی صاحب پہنچے تو نور جان بندوق سے خطا ہو چکی گولی نکالنے میں مصروف تھا۔ مفتی صاحب نے ناصحانہ انداز میں کہا: 'نور جان! خدارا واپس ہو جاؤ'۔ نور جان جو پہلے ہی اپنے امیر پر تپا ہوا بیٹھا تھا، مفتی صاحب سے پوچھنے لگا: 'کیوں جاؤں؟'۔ اللہ رحم کرے انہیں اور کچھ نہ سوجھی تو کہنے لگے: 'اللہ کے بندے! ایسی بندوق سے لڑائی ہوتی ہے؟'، نور جان کو آگ نہ لگ گئی، بس مفتی صاحب کے ادب میں وہ یہی کہہ پایا کہ 'مفتی صاحب! ایسے ہتھیاروں سے ہی اللہ فتح دیتے ہیں، صحابہ کے پاس کون سے جدید ہتھیار تھے؟!'۔ مفتی صاحب خود پر شرمندہ لوٹ آئے۔

ماما مستان، اس اللہ کے دیوانے ولی کو کون بھلا سکتا ہے۔ ایک بڑی امریکی بیس، جو ہمارے حملے کے وقت افغان فوج کے زیرِ تسلط تھی میں دشمن ہمارے حملے کے بعد ہم پر چڑھ چکا تھا اور ہمارے کئی ساتھی شہید و زخمی ہو چکے تھے، تمام اسلحہ ختم ہو چکا تھا۔ سب سے بڑا مسئلہ اس بیس کے اندر سے اپنے شہید اور زخمی نکالنا تھا، اور ان کے ہتھیار بھی۔ ایسے متذبذب اور پریشان کن حالات میں ماما جی ایک تباہ شدہ برج، جس پر اب تک ہمارا قبضہ تھا، کی اوٹ لیے اذان دینے میں مصروف تھے۔ عین اس برج کے سامنے ہمارے زخمی اور شہید پڑے تھے۔ ماما ہر کارروائی سے قبل اپنا نام سب سے پہلے عمارت میں داخل ہونے والے فدائیوں میں لکھواتے تھے۔ واللہ! ان افسانوی سے کرداروں، دیوانوں، مستانوں نے اس صلیبی اتحاد کو شکست دی ہے۔

پروفیسر جاوید مانسہرہ سے ہیں، بزرگ ہیں پر امارتِ اسلامیہ کے معسکرات میں بطور استاد ذمہ داریاں نبھاتے ہیں۔ سقوط کے بعد ان کا دوست علی ان کو دوبارہ راہِ جہاد میں لے کر آیا تھا۔ سرزمینِ کشمیر کے ان غازیوں نے کس بے سرو سامانی میں کام شروع کیا، منہ کھلے کا کھلا رہ جاتا ہے۔ کہتے ہیں ہمارے پاس محض ایک موٹر سائیکل تھی، دو کلاشن کوفیں، ایک روس دور کی لس ڈزی (دس گولیوں والی بندوق)، اور انڈین آرمی سے غنیمت کردہ بھاری انڈین ثقیل، (مؤخر الذکر دونوں ہتھیار کوئی نحیف سا بندہ اٹھا کر دور تک چل بھی نہیں سکتا)۔ اس گئے گزرے دور میں دیگر ہتھیار اور افراد کہاں سے پیدا کریں؟ پاک افغان سرحد کے قریب پاکستانی شہروں میں جاتے، وہاں کے مسلمانوں کو ترغیب دیتے تو وہ لوگ اپنی بندوقیں وغیرہ لیے مہینہ ڈیڑھ مہینہ کی تشکیل گزارنے آ جاتے۔ دشمن پر کارروائی کے لیے جاتے وقت سواریوں کی دقّت پیش آتی تو آس پاس بستیوں کے تعلق داروں سے موٹر سائیکل مانگ لیتے۔ آج یہ دونوں کشمیری غازی امارت اسلامیہ کے اس متعلقہ ضلع میں اہم ذمہ دار ہیں؛ علی اس ضلع کی تمام تر عسکریت کے ذمہ دار ہیں اور پروفیسر جاوید ان کے معاون۔ آج بھی ان مہاجر

'ہند کو' زبان والوں کے مامور مقامی پشتون ہی ہیں، جو بہت خوش دلی سے ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ کبھی کسی پشتون نے شکوہ نہیں کیا کہ یہ کون ہیں اور کیوں ہم پر حکم چلاتے ہیں۔ یہ پاکستان میں اپنے گھروں میں بھی ہوں تو امارتِ اسلامیہ کامالیاتی کمیسیون ان کے وظائف ان کے گھروں میں بھجواتا ہے۔ اس ضلع کی عسکری قیادت ان کے بغیر خود کو نامکمل تصور کرتی ہے۔ جنگوں میں حصہ لینے والے فدائیوں کو استاد علی کے بغیر جنگ مزہ نہیں دیتی جو بوڑھے ہونے کے باوجود، ان ڈرتے جھجکتے لڑکوں کو جھڑکتے ڈپٹتے، دشمن کی دیواروں کے قریب لے جاتے ہیں۔ اگر پھر بھی کوئی گھبر ارہاہو تو یہ سب سے پہلے گولیوں کی برسات میں خود دشمن پر چڑھائی کرتے ہیں۔ یہ وہ اخوت و محبت اور قربانی و جانثاری ہے جس سے اللہ کے ان بندوں نے امریکہ کو بی باون سے قطر دفتر آنے پر مجبور کیاہے۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

اچھاذراسوچیے، آپ اپنے ملک سے دور کسی صحرا میں سفر کر رہے ہوں، اور آپ کو آپ کے ہم وطن، ہم زبان کمسن بچے مل جائیں، کیا حال ہو گا؟ میرے ساتھ یہی ہوا۔ سبحان اللہ! خطۂ خراسان میں اسلامی امارت کے تحت یہ لق دق صحرا، جہاں میٹھے پانی کا واحد وسیلہ سال میں ایک دفعہ آنے والی بارش کا اکٹھا کیا ہوا پانی ہے، یہاں دور سے ایک چھوٹی سی بچی اور اس کا سات آٹھ سالہ بھائی اپنی چار، پانچ بکریاں لیے آتے نظر آئے۔ ہم حالت سفر میں تھے اور یہ مناظر وہاں عام بھی ہیں، سو توجہ نہیں دی۔ حیرانی کی انتہاتب ہوئی جب وہ بچے قریب پہنچے اور لڑکا اپنی بہن سے ٹھیٹ پنجابی میں کہہ رہا تھا، "چھیتی چھیتی چل! تینوں نئی پتہ نماز دا ٹیم ہو گیا اے"، اللہ اکبر کبیر ا! بندے کی حیرانی حد سے سوا ہو گئی کہ یہ کون ہیں اور یہاں کیسے؟ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ایک بہت بڑے مہاجر قائد کے بچے ہیں جن کے تحت بلامبالغہ سینکڑوں مجاہدین ہیں اور مرکز میں آنے جانے والے مجاہدین کے دودھ کے لیے، ان کے اپنے کمسن بچے یہ بکریاں چراتے ہیں۔ افغانستان میں دودھ والی چائے کم ہی بنتی ہے مگر سفر پر آتے جاتے ان پاکستانی مہاجر مجاہدین کی مجبوری ہے دودھ والی چائے، کیونکہ یہ تھکاوٹ اتارنے میں مددگار ہوتی ہے۔

واقعات تو اتنے ہیں کہ کتابوں کی کتابیں لکھی جائیں، مگر فی الوقت انصار کے ایثار کے چند واقعات پر ہی صبر کرتے ہیں۔ پھر کیوں نہ اللہ تعالیٰ صحابہ کے ان بیٹوں اور پوتوں کے ہاتھ سے صلیب کے ان لشکروں کو شکست دلوائیں۔ ہم مہاجرین بالعموم مجموعات میں اور مقامی مجاہدین کی نسبت سخت اور دور دراز مقامات پر ٹھہرتے ہیں، ہماری اپنی مجبوریاں ہیں۔ ہم ایک جگہ بلند و بالا پہاڑ کی چوٹی کے قریب کھدے غاروں میں رہائش پذیر تھے اور عمومی راستہ تک پہنچنے کے لیے ایک طویل سفر کر کے نیچے آنے پڑتا تھا۔ وہ علاقہ امارتِ اسلامیہ کی طویل اور بڑی فوجی چھاؤنی کے طور پر استعمال ہو رہا تھا، اور امارت کے ایک فوجی بریگیڈ کے زیر انتظام تھا۔ اس سے آگے مقامی ضلعی انتظامیہ کی حدود کا آغاز ہوتا تھا جس کی حد بندی کے لیے راستے میں بیریئر نصب تھا۔ وہ حفاظتی انتظام کے طور پر بھی تھا۔ خیر اس بیریئر کے ساتھ ایک کمرہ بنا تھا جس میں ایک مقامی مجموعہ رہائش پذیر تھا۔ اس بیریئر کا انتظام و انصرام بھی انہی کے ذمے تھا۔ جہاں ہم رہائش پذیر تھے، اس پہاڑ پر چڑھنا تو دور، اترنا ہی عقل ٹھکانے لے آتا تھا۔ ہمارا اور اس مقامی مجموعے کا ٹاکرا کم ہی ہوتا تھا مگر انہیں ہم سے گلے شکوے تھے اور ہماری ان سے نوک جھونک، ایسے ہی مزے کی۔

ایک مرتبہ ہمارے اور ان کے، بلکہ تمام عسکری بریگیڈ کے ساتھی جنگ پر گئے۔ ہم تین ساتھی مرکز میں ٹھہرے۔ ساتھیوں کی چار دن بعد واپسی ہوئی۔ بیریئر والا مجموعہ چونکہ راستے میں ہی رہائش پذیر تھا، سو انہیں کافی پہلے علم تھا اور انہوں نے اپنے ساتھیوں کے لیے پہلے ہی کھانا تیار کر لیا تھا۔ مگر ہم چونکہ بہت دور تھے، ہمیں پتہ تب چلا جب ہمارے ساتھی مرکز پہنچ گئے۔ کچھ ساتھی تھکاوٹ سے سو گئے، کچھ کے لیے پرانی روٹی وغیرہ کا انتظام ہو گیا اور کچھ رہ گئے۔ ساتھیوں کا سامان اٹھانے کے لیے پہاڑ سے اترنا تھا۔ یہ بھی خبر تھی کہ نیچے مجموعے کے پاس کھانا تیار ہو گا، تو سوچا کہ کچھ مانگ کر لے آتے ہیں۔ اللہ کا کرنا کہ میں ہی گیا نیچے۔ ساتھیوں نے کہیں سے روٹیاں تو ڈھونڈلی تھیں، تازہ نہیں تھیں پر نرم تھیں۔ اب بیریئر والے مجموعے سے سالن مانگنا تھا۔ میں کمرے میں داخل ہوا تو وہ سب کھانے میں مصروف تھے۔ میں نے ان کے باورچی ساتھی کو مخاطب کر کے کہا کہ 'کچھ سالن بچا ہے؟ اوپر ہمارے فلاں فلاں ساتھی بھوکے رہ گئے ہیں'۔ اس نے کہا کہ 'نہیں'، اور ساتھ ہی خالی پتیلے کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔ مجھے خود پر شرمندگی بھی ہوئی اور ساتھیوں کا دکھ بھی ہوا۔ میں کمرے سے نکلنے کو ہی تھا کہ ان کے ایک ساتھی نے آواز دی، اپنے پاس بلایا اور کہا 'برتن ادھر کرو'۔ برتن اس کے سامنے کیا تو اس نے اپنی پلیٹ میں سے آدھا سالن نکال کر ہمارے برتن میں ڈال دیا، اور پھر اس کی دیکھا دیکھی جنگ سے آئے تھکے ہارے تمام بھوکے مجاہدین نے یہی کیا۔ آج بھی جب وہ منظر یاد آتا ہے تو عجیب ہی کیفیت ہوتی ہے۔

ایک محاذ پر ایک طویل مدت سے ہم دشمن کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ وہاں چونکہ ہمارے رہنے کی کوئی جگہ نہیں تھی اس لیے ہمیشہ حالت سفر میں ہی ہوتے تھے۔ ہمارے پاس گاڑی پر چونکہ زیکویک (اینٹی ایئر کرافٹ گن) لگی تھی اس لیے ہم کبھی اس فوجی بیس کی کسی سمت میں ہوتے اور کبھی کسی۔ ہماری کوشش ہوتی کہ ہم عامۃ المسلمین پر بوجھ نہ بنیں۔ گو کہ لوگ خوش دلی سے ہماری میزبانی کرتے تھے، باوجود اس کے کہ ہماری پسپائی کی صورت میں انہیں دشمن کے عتاب کا سامنا کرنا پڑتا۔ ہم سالن تو کسی طرح اپنا تیار کر ہی لیتے تھے مگر روٹی لوگوں سے لینی پڑتی تھی۔ روٹی کے لیے ایک گھر میں پہلی دفعہ گئے، وہ شخص بہت ہی خوش ہوا۔ وہ ہمیں بطور تحفہ کچھ سوغات دینا چاہتا تھا۔ مغرب کے بعد اندھیرے کا وقت، وہ اور تو کچھ نہ کر پایا، چونکہ میں چھوٹا تھا اس نے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا 'جلدی جلدی جھولی پھیلاؤ'، جھولی پھیلائی تو وہ ٹماٹروں کی بوری کا ایک تہائی میری جھولی میں الٹ چکا تھا۔

ایک اور گھر میں گئے تو وہاں بوڑھی اماں اور ان کے بیٹے تھے۔ ماں جی نے روکا اور تازہ روٹیاں پکا کر دیں اور بیٹوں سے کہا کہ 'کھیت سے ان کو تربوز توڑ کر لا دو'۔ وہاں کے تربوز بہت بڑے ہوتے ہیں، ہم ایک موٹر سائیکل پر اپنا اسلحہ، روٹیاں، ٹماٹر، کچھ دیگر سامان اور پھر یہ تربوز کیسے سنبھالتے؟۔ ہم نے کہا کہ ہم نہیں لے جا سکتے، مگر ماں جی نے کہا، 'نہیں میرا حکم ہے، لے کر

جانے ہوں گے۔ کیا پتہ واپس آؤ گے بھی کہ نہیں'۔ ہم نے عذر کیا کہ یہ تربوز ابھی کچے بھی ہیں۔ انہوں نے کچے تربوز کے کئی فوائد گنوائے اور وہ پانچ بڑے بڑے تربوز اپنے گھر کی چادر میں باندھ کر ہمیں دیے جو کافی دقّت سے ہی ہم اپنے ساتھیوں تک لا سکے۔

غزنی کی ایک مسجد میں مجاہدین ٹھہرے تو امام صاحب نے بعد از نماز اعلان کیا کہ ہماری بستی میں اللہ کے محبوب مجاہدین تشریف لائے ہیں، ہمیں ان کا اکرام کرنا چاہیے۔ تمام بستی کے لوگ اپنے گھر سے مختلف اشیا لانے لگے۔ کوئی روٹی، کوئی دودھ، کوئی مکھن...۔ ایک صاحب ہمارے لیے روٹی اور سالن لائے۔ ان کا کمسن بیٹا روتا ہوا ان کے پیچھے مسجد میں داخل ہوا۔ مہمان کے اکرام میں یہ بات داخل ہے کہ اسے کھانا کھاتے وقت اکیلا نہ چھوڑا جائے لہٰذا بستی والے بھی ہمارے ارد گرد ہی بیٹھے تھے۔ انہی میں وہ صاحب بھی تھے اور ان کا بیٹا بھی ان کا دامن نوچتا، روتا بسورتا بیٹھا تھا۔ ایک مجاہد نے اس بچے کا یوں آنا اور پھر اس طرح رونا، سب نوٹ کیا تھا۔ اس نے ان صاحب سے یونہی پوچھ لیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے ٹال دیا۔ وہ مجاہد صاحب دل و نظر تھے، انہوں نے مزید کریدا۔ اب دیگر مجاہدین بھی سمجھے کہ کچھ غیر معمولی بات ہے۔ انہوں نے بھی مزاح ہی مزاح میں اصرار کرنا شروع کیا۔ جب ان صاحب کو لگا کہ یہ باز نہیں آئیں گے تو جان چھڑوانے کی غرض سے یوں کہہ کر نکلے کہ یہ لڑکا یوں ہی تنگ کرتا ہے، میں اسے گھر چھوڑ کر آتا ہوں۔ ان کے جانے پر ان کے ایک رشتہ دار کی زبانی پتہ چلا کہ آج ان کے ہاں دو دن بعد کھانا پکا ہے اور گھر والے کھا ہی رہے تھے کہ یہ ان کے سامنے سے مجاہدین کے لیے اٹھا کر لے آئے۔ جن انصار کے ایثار کی ایسی داستانیں ہوں تو پھر کیوں نہ اللہ تعالیٰ صحابہ کے ان بیٹوں اور پوتوں کے ہاتھ سے صلیب کے ان لشکروں کو شکست دلوائیں! اے معزز قاری! انصار کے اسی بے لوث تعاون کے سبب آج تک کی معلوم تاریخ میں یہ امت اپنے اس صلیبی، صہیونی دشمن کو شکستِ فاش دینے میں کامیاب ہوئی ہے، باذن اللہ وبفضلہ۔

اسی غزنی میں دورانِ جنگ ایک نئے علاقے میں ہمارے ساتھیوں کو انصار کے گھروں سے روٹی لینے جانا پڑا۔ چونکہ معلوم نہیں تھا لہٰذا ایک غریب ترین گھر جا پہنچے اور ان کا دروازہ جا بجایا۔ واللہ اگر پتہ ہوتا تو کبھی ایسا نہ کرتے۔ وہاں سے ایک بوڑھی ماں جی نکلیں اور کہنے لگیں کہ ہمارے بچے بھی آپ ہی کی طرح بستی بھر سے کھانا اکٹھا کر کے ہمارے لیے لاتے ہیں، معذرت قبول کیجیے۔ ساتھی بہت شرمندہ ہوئے اور واپس پلٹنے لگے تو اندر سے ان ماں جی کی بیٹی کی آواز آئی، جو یہ سب کچھ سن رہی تھی۔ کہنے لگی، 'مور جان، ان کو روٹی دے دو، ہم اس بستی سے پھر روٹی اکٹھی کر لیں گے مگر یہ اجنبی مسافر کہاں سے مانگتے پھریں گے؟'۔ ان بہنوں کی تڑپ ہی ہے جو ان کے مجاہد بھائیوں کے قدموں میں اس صلیبی اتحاد کی گلی سڑی لاش گھسیٹ کر لے آئی ہے۔

اللہ کی قسم!، جب فرعونِ وقت کے نمائندے مجاہدینِ طالبان کے سامنے اپنی شکست کے پروانے پر دستخط کر رہے ہیں تو اللہ اور اس کے پاکیزہ فرشتوں کی محفل میں سرخرو یہ بہن ہو گی جو اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل کو روند کر اس اجاڑ صحرا میں آن پڑی ہے، جہاں اس کے کمسن بچے مجاہدین کی بکریاں چراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فخر اس بڑھیا پر کریں گے جو دشمن کے خطرے کے باوجود مجاہدین کو تازہ روٹیاں تیار کر کے دیتی رہی۔ اللہ کے ہاں یقیناً اس جنگ کا فاتح، ٹوٹی ہوئی نان آٹو میٹک بندوق والا نور جان ہو گا، یا امارت اسلامیہ کا وہ ضلعی کمشنر (ولسوال) جو اپنی نوبت پوری ہونے پر شاید آپ ہی کے شہر میں بھنے ہوئے بُھٹے یا چھلیاں بیچتا ہے، یا مجاہدین کی اُس اوطاق (مرکز) کا سب سے ذہین اور کارگر سولہ سالہ مجاہد 'ساحل' جس سے گزشتہ موسم سرما، شاید آپ نے بھی لاہور میں جوتی پالش کروائی ہو۔

دنیا کے ان اجنبیوں اور غریبوں نے ہی آج امریکہ کو شکست سے دوچار کیا۔ اور صرف امریکہ کو ہی کیوں، اس تمام صلیبی اتحاد اور اس کے ہم پلّا و دم چھلّا ہنود و مشرکین اور مرتدین و منافقین کو بھی! اے قابل صد احترام محبینِ جہاد! جو کسی بھی جائز عذر کے باعث جہاد کے لیے نہیں نکل سکے، آپ بھی یقیناً اس فتح میں برابر کے شریک ہیں، آپ ہی کی دعائیں تو مجاہدین کے لیے دشمن کے خلاف سب سے کارگر ہتھیار تھیں۔ اور اے مجاہدینِ خراسان! واللہ! نگاہیں جھک جائیں، گال بھیگ جائیں اور سر سجدے میں جا پڑیں کہ آپ نے صدقات و عشر اور زکوٰۃ کی رقوم سے دنیا کی سب سے بڑی معیشتوں کا بھٹہ بٹھا دیا۔ آپ ہی کی بدولت یہ مجنوں ٹرمپ اپنے ہی اتحادیوں کی سابقہ بیٹھک میں ذلیل ہوا، وہ بھی بر سرِ ابلاغ۔ آج صرف اس کی فوج ہی نہیں، ٹیکس دہندہ عوام تک شکست کے زخم سے نکلنے والی ذلت چاٹنے پر مجبور ہے۔ امریکی صدارتی الیکشن سے پہلے ٹرمپ مجاہدین سے یہ جنگ محض اس لیے ختم کر دینا چاہتا ہے کہ اسے امریکی عوام کے سامنے اپنی کامیابی کے طور پر پیش کر سکے، کہ تمہاری ڈوبی ہوئی معیشت کو مزید غرق ہونے سے بچالایا ہوں، اب دوبارہ کوئی شوراب میں تمہارے ڈیڑھ ڈیڑھ سو جوان بیٹے ذبح نہیں کرے گا۔ مگر اس سب کے باوجود اللہ کے فضل سے اس کو مزید ذلت اٹھانا پڑے گی۔ ابھی تو باذن اللہ امریکی ریاستوں میں بھی بٹوارہ ہونا ہے۔ کیونکہ ابھی میں نے قرآن سے پوچھا کہ یہ سب منظر نامہ کیا بن گیا ہے؟ آواز آئی، ''كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ''۔(بیشتر اوقات یونہی ہوتا ہے کہ چھوٹے گروہ بڑے بڑے لشکروں پر اللہ کے اذن سے غالب آ ہی جاتے ہیں کیونکہ اللہ تو صبر کرنے والوں ہی کے ساتھ ہے)۔ ایسے میں اکثر مجاہدین خصوصاً فدائی دوست مجھ سے پریشان ہو کر پوچھتے ہیں، جنگ ختم ہو گئی تو ہم کیا کریں گے؟ ان کے لیے بس یہی تسلی ہے کہ 'مجاہدو! پریشان نہ ہو، تمہارے بکرے ان شاء اللہ بند نہیں ہوتے'(مسکراہٹ)، میں نے قرآن سے سوال کیا کہ اب ہم کیا کریں گے؟ قرآن سے صدا آئی، ''وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا...... ''

(تمہیں کیا ہوا کہ تم نہ لڑو راہ خدا میں ان مظلوم و بے کس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جو پکارے جاتے ہیں کہ ہمارے پروردگار......)

(باقی صفحہ نمبر 36 پر)

افغانِ خدا مست کے ایماں کی ادا دیکھ!

علی بن منصور

'سنو!'، وہ مجھ سے دس قدم آگے، زمین سے ابھرے ہوئے ایک چھوٹے سے ٹیلے پر کھڑا تھا۔ اتنے تھوڑے سے فاصلے کے باوجود ہوا کا زور اتنا تھا کہ میرے لیے اس کی آواز سننا دشوار تھا۔ میں نے دائیں کندھے پر اٹھایا ہوا بیگ دوسرے کندھے پر منتقل کیا اور اپنی ریت سے بھری ہوئی پلکوں کو ہتھیلی سے رگڑتا، چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کی طرف بڑھا۔

'وہ دیکھ رہے ہو؟'، اس نے ہماری داہنی جانب پہاڑوں کی جانب اشارہ کیا۔

'کیا......؟'، میں نے اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ کی سمت میں بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔ نجانے کس چیز کی طرف اشارہ کر رہا تھا، مجھے تو ایک سے دِکھتے پہاڑوں میں کچھ بھی غیر معمولی نظر نہ آرہا تھا۔ اسی وقت میری نظر اپنے سامنے پھیلے دشت میں اٹھتے، ہوا کے ایک تیز بگولے پر پڑی۔ گول گول چکر کھاتی ہوائیں، دباؤ اور رفتار میں بڑھ رہی تھیں، اور زمین سے تیزی سے ابھرتے ہوئے، مٹی اور ریت کے اس بھنور کا رخ ہماری ہی جانب تھا۔ 'اف خدایا۔۔۔!'، زیرِ لب بڑبڑاتے ہوئے میں تیزی سے اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ ایک لمحے کو سوچا کہ اپنا پٹکا کھول کر اپنے اور بیگ کے گرد لپیٹ لوں، کچھ ہوا اور ریت سے بچاؤ کا سامان ہو جائے۔ مگر اتنا وقت نہ تھا، بگولا عین سر پر پہنچ گیا تھا۔ سو بس جلدی سے سر جھکا کر بازو اپنے گرد لپیٹ لیے، اسی لمحے تیز ہوا کے جھکڑ میرے بدن سے ٹکرائے تھے۔ نیچے بیٹھنے کے باوجود کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا تھا۔ پورے جسم پر ریت ایسے چبھ رہی تھی جیسے ہزاروں لاکھوں ننھی ننھی سوئیاں جسم میں کھب رہی ہوں۔ اوپر سے جسم پہلے ہی پسینہ پسینہ تھا، ریت کے ذرّات نجانے کہاں سے کپڑوں کے اندر گھس کر جسم سے چپک گئے تھے، کتنا ہی جھاڑ لیتا یہ ریت اترنے والی نہیں تھی۔

تبھی مجھے اپنے کندھے پر اس کا بھاری بھر کم ہاتھ محسوس ہوا۔ ذرا سا سر اٹھا کر میں نے اس کی جانب دیکھا۔ وہ مجھے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے دونوں بازو پھیلائے جم کر کھڑا تھا۔ تیز ہوا میں اس کی کھلی ڈلی شلوار قمیص پھڑ پھڑا رہی تھی۔ اس کی لمبی گھنی ڈاڑھی ہوا کے زور سے پیچھے کی جانب لہرا رہی تھی اور وہ گریبان کھولے، اپنا کشادہ سینہ پھلائے، ایسے کھڑا تھا جیسے ہوا کو اپنے اندر اتار رہا ہو۔ چند سیکنڈ بعد ہوا کا زور ٹوٹ گیا، بگولا اپنی تندی و تیزی سمیٹے، آگے روانہ ہو چکا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر ایک گہرا سانس لیا، پھر میری طرف دیکھ کر مشفقانہ انداز میں مسکرایا۔

'جب طوفان آئے تو سر جھکانے سے فائدہ نہیں ہوتا۔ طوفان کے سامنے ڈٹ جایا کرو، اس کو اپنے گلے لگایا کرو، صحرائی بنو، صحرائی......! اس کو اپنے اندر اتار لو، یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا'،

میں نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ 'وہ دیکھ رہے ہو؟ دیکھو اس پر کیا لکھا ہے'، اس نے ایک بار پھر دائیں جانب والے پہاڑ کی جانب اشارہ کیا۔

'ہوں......کیا؟'، میں نے پہاڑ کی طرف غور سے دیکھا، گرد و غبار کا طوفان ہٹا تھا تو اب مجھے نظر آیا، پہاڑ کے دامن میں سفید پتھر، یا شاید چونے سے بڑے اور جلی حروف میں 'اللہ اکبر' لکھا تھا۔

'ایک یہ پہاڑ ہے اور ایک وہ......اس طرف'، اس نے پہلے پہاڑ کے مقابل، دوسری جانب اشارہ کیا، میں نے گردن موڑ کر دیکھا، اس دفعہ مجھے پہلی نظر میں ہی نظر آ گیا جو وہ دکھانا چاہتا تھا۔ پہلے پہاڑ کی طرح اس پہاڑ پر بھی سفید حروف میں ایک اعلان تحریر تھا: 'امارت اسلامی افغانستان'۔

میں نے بے تحاشا حیرت و خوشی اور بے یقینی کی کیفیت میں گھر کر اس کی جانب دیکھا۔ دو ہفتوں پر مشتمل، طویل ترین اور مشکل ترین سفر، جو پہلے ریل، پھر بائیک اور پھر اونٹوں پر طے کیا تھا۔ تپتی دھوپ اور جلتی ریت پر گھسٹتے قدم، جھاڑیوں کے سائے میں اور ٹھنڈی چٹانوں پر بِتائی ہوئی یخ بستہ راتیں، طوفانی ہواؤں، اونچے نیچے راستوں، نوکیلی چٹانوں اور ریت...... تپتی، جھلستی اور جھلساتی ہوئی ریت......پر مشتمل میری زندگی کا کٹھن ترین سفر ختم ہو گیا تھا۔ ''اللہ اکبر!''، بے ساختہ میرے ہونٹوں سے نکلا تھا، اور میں ایک بار پھر زمین پر گر پڑا تھا۔ مگر اس بار کسی طوفان سے بچنے کے لیے نہیں بلکہ اس اللہ وحدہٗ لا شریک کے سامنے، اظہارِ تشکر کے لیے، جو مجھے غلاموں کے دیس سے نکال کر ایک آزاد وطن میں لے آیا تھا۔ یہ اللہ کی زمین تھی۔ یہ طالبان کی زمین تھی۔

غم کی داستان کہاں سے شروع کروں، سمجھ نہیں آتی۔ کوئی ایک زخم تو ہے نہیں جس کا تذکرہ ہو۔ میرا تو جسم ہی کیا، دل اور روح تک زخم زخم ہے۔ سب سے پہلے ہسپانیہ چھوٹا۔ علم و یقین کے جلتے چراغ گُل ہوئے۔ میناروں سے ابھرتی اذان کی صدائیں خاموش ہو گئیں۔ مسجدیں کلیساؤں میں اور عبرت گاہوں (میوزیم) میں تبدیل ہو گئیں۔ مسلمان کشتیوں میں بھر بھر کر سمندر کی بے رحم موجوں کے حوالے کیے گئے۔ اندلس کی اسلامی تاریخ کا سنہری و روشن باب ختم ہو گیا۔ پھر......پھر فلسطین کا سودا ہوا۔ فاروقِ اعظمؓ نے جس القدس کی کنجیاں ذلیل و خوار ہوئے نصاریٰ سے وصول کی تھیں، وہ ایک بار پھر یہود کے قبضے میں چلا گیا۔ اسلام اور اہلِ اسلام سمٹتے سمٹتے غزہ کی پٹی تک محدود و محصور ہو کر رہ گئے۔ ہندوستان، جو کبھی مسلمان بادشاہوں کی عظمت اور بہترین انتظامِ سلطنت کا شاہکار تھا، پہلے انگریزوں اور پھر ہندوؤں کے

ہاتھوں میں چلا گیا۔ اور پھر اتنا خون بہا کہ اس خون کو روتے روتے آنسو خشک ہو گئے۔ نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا: 'جب تم میں وہن کی بیماری عام ہو جائے گی تو دنیا تم پر بھوکے بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑے گی۔ تم کثرت میں ہو گے مگر تمہاری حیثیت سمندر کے جھاگ سے زیادہ نہ ہو گی'۔ وہی ہوا، پوری دنیا میں ہم پامال ہوئے، لوٹے گئے، مارے گئے، برباد ہوئے۔ ہماری عزت و آبرو کی اتنی کم قیمت لگائی گئی کہ رفتہ رفتہ، ہم خود اپنی نظروں میں بھی بے مایہ و حقیر ہو کر رہ گئے۔

اللہ کی زمین ہمارے لیے اپنی وسعتیں کھو بیٹھی۔ دنیا کے طول و عرض میں مسلمان ہونا نا قابل معافی جرم ٹھہرا۔ ہر جگہ مسلمان معتوب، ہر زمین اس پر تنگ، اسلام چھوڑ دو اور ہم سے ہو رہو تو سب گناہ معاف، اور دنیا اپنی رنگینیوں کے ساتھ تمہارے لیے کشادہ۔ مگر اگر مسلمان ہی رہنا چاہتے ہو تو بھول جاؤ کہ تمہارے خون اور زندگی، تمہاری بہنوں اور بیٹیوں، تمہاری عزت و مال کی کوئی حرمت بھی ہے۔ اور پھر جن ناخداؤں کے سپرد اپنا یہ ہچکولے کھاتا بیڑا کیا تھا، وہی غیروں کے در پر جھک گئے، وہی ملّت فروش نکلے تو غیروں سے کیا شکوہ؟

ذلّت و بے مائیگی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں امید کی وہ جلتی بجھتی کرن میں نے دیکھی تھی۔ وہ چراغ کی ٹمٹماتی لو کی طرح مدھم اور کمزور تھی۔ مگر تھی تو سہی۔ طوفان تند و تیز تھے، اندھیرے ہر سو چھائے ہوئے تھے، مگر وہ ایک تنہا چراغ سے پھوٹتی امید کی روشنی تھی، جو طوفان کے ہر تھپیڑے کے بعد بھی، ایک بار پھر سر اٹھا لیتی۔ اس کی ذرا سی روشنی گھٹتی، بجھنے کو آ جاتی، مگر ایک بار پھر دمکنے لگتی۔ اور پھر...... گو کہ اس میں ایک طویل اور صبر آزما مدّت بسر ہوئی، مگر دیکھتے ہی دیکھتے ایک چراغ اِدھر، اور ایک اُدھر...... کتنے ہی چراغ اس کی دیکھا دیکھی جل اٹھے تھے۔ چراغ کی لو اب ٹمٹما نہیں رہی تھی، بلکہ بڑھ کر ایک بھڑکتے شعلے میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اندھیرے سمٹ رہے تھے، فنا ہو رہے تھے، اپنے وجود کی بقا کی خاطر سحر کے ابھرتے سورج سے خائف تھے۔

مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہیں جب احزاب کا لشکر اہلِ اسلام پر چڑھائی کرنے آیا تھا۔ وہ ایک دو نہیں، اڑتالیس ممالک کا لشکر تھا، جس کا سالارِ اعلیٰ امریکی سفید ہاتھی تھا۔ کس قدر رعونت آمیز لہجے میں وہ دھمکاتے تھے کہ ہم تمہیں ایک ہفتے کے اندر اندر نیست و نابود کر دیں گے، تمہارا نام و نشان باقی نہ چھوڑیں گے، کس قدر تکبر سے وہ کہتے تھے کہ تم ختم ہو چکے ہو، تم قصّۂ پارینہ بن چکے ہو، ہماری بات نہ مان کر تم نے اپنے لیے موت و تباہی خرید لی ہے۔ اور کس شان و شوکت، غرور و تکبر اور گھمنڈ کے ساتھ ابرہۂ زمانہ کا یہ لشکر اس سر زمین پر وارد ہوا تھا، اور کیسے زمین و آسمان لرز اٹھے تھے ان کی بمباریوں سے، آتش و بارود سے فضا آلودہ ہو گئی تھی، زمین بہتے خون اور کٹے پھٹے اعضا سے اٹ گئی تھی۔ ملّاؤں سے حکومت چھن گئی، اقتدار کا بزورِ قوت خاتمہ ہوا، فاتحین مغلوب و مقتول ہوئے اور احزاب کو یہ توقع تھی کہ اب چند روز کی بات ہے، کہ ان ملّاؤں کے اٹھے ہوئے سر ان کے آگے سجدہ ریز ہوں گے، اور وہ اپنی بقا کی خاطر ان کے در پر جھکنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

وہ سمجھے تھے کہ انہوں نے اس فاقہ کش ملّا کو خاک چٹا دی ہے، مگر ملّا کو اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ کل بھی خاک نشین تھا، آج جب قوت و اقتدار چھنا تو اب بھی اس کا بسیرا پہاڑوں کی چٹانوں میں تھا۔ اس نے تو محض کندھے سے پٹّو اتار کر اس سے خاک جھاڑی، بوسیدہ کلاشنکوف اٹھائی اور اس کا رخ احزاب کی جانب کر لیا۔ اس کو کیا پروا تھی کہ زمین ان کی، بحر و بر ان کے، فضائیں ان کی، قوت ان کی، وسائل ان کے، دنیا ان کی تھی۔ اسے تو بس ایک اللہ کا سہارا تھا، اور احزاب کے پاس دنیاوی ساز و سامان کی کیسی کثرت ہے، اس نے کبھی رک کر سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ اس کے ذمّے تو بس یہ تھا کہ اپنی مقدور بھر کوشش کر لے، باقی کام اللہ کا، رہے نام اللہ کا۔

مالی دا کم پانی دینا، بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پَھل پُھل لانا، لاوے یا نہ لاوے[1]

(میاں محمد بخش)

زمین تو زمین، ہوائیں اور فضائیں تک ان کی سازشوں سے اور ان کے جاسوسوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ان کے جیٹ اور ان کے ڈرون، دن اور رات فضا میں گردش کرتے، اور ایک کے بعد ایک صاحبِ ایمان کا کھوج لگاتے، اسے مٹانے کے درپے تھے۔ مگر ملّا...... ملّا تو ملّا تھا، اور اس کی شان نرالی تھی۔ وہ اپنے مخابرے (وائرلیس سیٹ) کے انٹینے پر کپڑا لپیٹتا، اور یہ سمجھتا کہ ڈرون اب اس کا سراغ نہیں لگا سکتا۔ اصحابِ عقل و دانش کچھ کہیں، کہ محض ایک سادہ سا کپڑا ان شعاؤں کو نہیں روک سکتا جن کا سراغ ڈرون لگاتا ہے، مگر سادہ دل کوہساری کی اپنی منطق تھی کہ میں نے سبب اختیار کر لیا ہے، باقی ڈرون سے بچانے والا اللہ ہے۔ 'فتوکل علی اللہ، وکفیٰ باللہ وکیلا'[2]۔

اور پھر سب نے دیکھ لیا کہ وہ جو ہفتے بھر کے مشن پر آئے تھے، پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ہفتے مہینوں میں بدل گئے، اور مہینے سالوں میں۔ گزرتے وقت کے ساتھ احزاب کی تھکن میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اپنی پریشانی، بوکھلاہٹ اور مصیبت پر وہ خود کشیاں کرتے، ایک دوسرے کو طفل تسلیاں دیتے، حکمت عملیاں بدلتے رہے، ایک لاحاصل جنگ میں پیسہ و وسائل جھونکتے رہے، جنگ طویل سے طویل تر ہوتی گئی اور فتح دور سے دور تر۔ اگر کوئی نہ بدلا تو ملّا نہ بدلا۔ وہ اپنی جگہ

---

[1] مالی کی ذمہ داری پودوں کو پانی دینا ہے۔ باقی مالک کی مرضی ہے کہ وہ چاہے تو گلشن کو ہرا بھرا کرے، پودوں پر پھل اور پھول لائے اور چاہے تو گلشن میں جب تک چاہے خزاں کا راج رکھے؛ ہمارا کام اپنے فرض کی ادائیگی ہے۔

[2] ''اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور کام بنانے کے لیے اللہ بالکل کافی ہے۔'' الاحزاب: ۳

جما رہا، اسی طرح خاک پوش و خاک نشیمن، اسی طرح سخت کوش و وفا کیش۔ جانے کیسی روح پھونکی گئی تھی اس کے اندر، کیسا حوصلہ تھا جو کبھی ماند نہ پڑتا تھا۔ نہ وہ تھکتا تھا، نہ جھکتا تھا، اس کے پائے استقلال میں ذرا سی بھی تو لغزش نہ آئی تھی۔ دوسری جانب ایک ایک کر کے احزاب تھکتے گئے۔ کچھ نے جنگ کو عبث جانا، کچھ نے تھک کر وطن واپسی کی راہ پکڑی۔

ابھی تو مجھے وہ دن نہ بھولے تھے، جب میں غلاموں کے دیس میں رہتا تھا، اور اگر کبھی بھولے سے وہاں کے اہلِ دانش کے سامنے طالبان کی فتح و نصرت کے لیے دعا مانگ بیٹھتا تو وہ ہنس پڑتے اور کہتے 'کچھ تو عقل کو ہاتھ مارو، کہاں بے سر و سامان ملّا اور کہاں مہذب و ترقی یافتہ دنیا کی سپر پاور امریکہ۔ یہاں طالبان کی بقا تک کا ایک فیصد امکان نہیں اور تم ان کو فتح دلانے کا خواب دیکھتے ہو!'۔ فتح تو ہو چکی، طالبان ختم ہوئے، ملیامیٹ ہوئے، نیست و نابود ہوئے۔ مگر ابھی ان کی ہنسی کی بازگشت بھی ختم نہ ہوئی تھی کہ دنیا کو ایک مختلف اور یکسر غیر متوقع منظر نامے کا سامنا تھا۔ یہ احزاب تھے، اپنی شکست کے تابوت کاندھوں پر لادے ہوئے، قطار اندر قطار، خالی ہاتھ و شکست خوردہ، ذلیل و خوار، اپنی تمام تر ٹیکنالوجی، وسائل، ہتھیاروں، قوت اور تعداد کے باوجود ہزیمت یافتہ، الجھی نفسیات اور بکھرے ہوئے غرور و تکبر کی کرچیاں سمیٹے، اپنے اپنے ملکوں کو واپس لوٹتے ہوئے۔ افغانستان باقی تھا، اس کے کوہسار باقی تھے، اور ملّا باقی تھا، ویسے ہی سر پر پگڑی باندھے، ہاتھوں میں کلاشن کوف اٹھائے اور دل میں نورِ ایمان فروزاں کیے۔

کارپٹڈ روڈ پر آٹو میٹک گاڑی بے آواز دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ دو رویہ سڑک کے دونوں جانب گرین بیلٹ میں کھجور کے درخت اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ گاڑیوں کا یہ قافلہ اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھا۔ شیریٹن ہوٹل، دنیا کا مہنگا ترین اور پر تکلف، سیون سٹار ہوٹل کہ جہاں پایا جانا ہی مہذب دنیا کے نزدیک عزت و وقار اور 'سٹیٹس' کی علامت ہے، اس کے میزانائن فلور پر گاڑی آ کر رکتی ہے جہاں سفید ثوب میں ملبوس خادم منتظر ہے۔ وہ آگے بڑھ کر دروازہ کھولتا ہے اور بصد احترام خوش آمدید کہتا ہے۔ ارد گرد کیمرہ بردار صحافیوں اور میڈیا کا گھیرا ہے، جو ہر ہر حرکت و انداز پر نظر رکھے ہوئے ہیں، سب کچھ کیمرے کی آنکھ سے محفوظ کیے جا رہے ہیں۔ یہ کل کے مقہور و مجبور قیدی ملّا برادر ہیں، یہ اسیر امریکہ انس حقانی ہیں، یہ ملّا عبد السلام ضعیف ہیں...... یہ وہ لوگ ہیں جو کل چیونٹیوں سے زیادہ حقیر تھے، خود دہشت گرد تھے اور دہشت گردوں کو پناہ دینے والے اور ان کے لیے سہولت کاری کرنے والے تھے۔ دنیا کی آنکھ میں مجرم تھے، معتوب تھے، مقہور تھے۔ کل کے مجرم تھے، مجرم بھی ایسے کہ جن پر کوئی فردِ جرم عائد کیے بغیر، کوئی مکالمہ و مذاکرہ کیے بغیر، کوئی مقدمہ چلائے بغیر، دنیا یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ یہ سزا یافتہ ہیں۔ پھر آج ایسا کیا ہوا تھا کہ انہی مجرمین کے ساتھ یہ عزت و احترام والا سلوک کیا جا رہا تھا؟ ان سے برابری کی سطح پر بات کی جا رہی تھی، وہ انہی احزاب کے برابر بیٹھے تھے؛ کل جو انہیں اپنے قدموں تلے روندنے چلے تھے!

کیا وہ اپنے 'جرائم' سے تائب ہو گئے تھے؟ کیا ان کی سوچ بدل گئی تھی؟ مگر نہیں! وہ تو کہتے ہیں نہ ہم بدلے، نہ ہماری سوچ بدلی، بدلے تو تم ہو۔ شکست تو تم نے کھائی ہے، مذاکرات کی بھیک تو تم مانگ رہے ہو۔ ہم تو آج بھی تیار ہیں کہ چلو واپس میدان میں چلو، ہم وہیں تمہارا مقابلہ کریں گے۔ تم اپنے بم برساؤ اپنی جدید ٹیکنالوجی استعمال کرو، ہم اپنی پرانی کلاشن سے تمہیں نشانہ بناتے رہیں گے، تھکے تو تم ہو، ہمارا جذبے تو آج بھی جوان ہیں، آج بھی توانا ہیں، مقابلے کی سکت تو تم کھو بیٹھے ہو، ہم نے بیس سال تمہارا مقابلہ کیا ہے اور سو سال مزید مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں!

میں کیا کروں کہ میرا ماضی ہی میرا حال ہے، میں اپنے سینے میں چودہ صدیوں کی تاریخ چھپائے بیٹھا ہوں۔ چودہ صدیوں کے زخم اور چودہ صدیوں کی فتوحات میرے دل پر نقش ہیں۔ میں اپنے آج کا موازنہ اپنے گزرے ہوئے کل سے کیے بنا نہیں رہ پاتا۔ واللہ! تم بھی وہی ہو، کل جو یہ کہتے تھے کہ 'جَو کی روٹی کھانے والے اور اونٹ کا دودھ پینے والے، یہ فاقہ کش قیصرِ روم اور ایران کے کسریٰ کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے، یہ چیونٹیوں کی طرح روندے جائیں گے اور خاک کی طرح پامال و حقیر ہوں گے'۔ اور خدا کی قسم! ہم بھی وہی ہیں کہ جنہوں نے کسریٰ کے گھمنڈ کو خاک میں ملایا، قیصر کے غرور و تکبر کا علاج کیا۔ کل بھی تمہیں ذلیل و خوار کر کے صلح و جزیہ پر مجبور کیا، اور آج بھی تم ناکام و نامراد ہو کر ہم سے صلح کرنے پر مجبور ہوئے۔

شیریٹن ہوٹل میں صلح نامے پر دستخط کر کے تمہیں شکست کا تلخ جام پینا پڑا، تمہارے غرور و تکبر سے بھرے الفاظ تمہارے ہی منہ پر طمانچہ بن کر لگے اور ہفت ستارہ ہوٹل میں اللہ اکبر کے نعرے سنے گئے۔ اللہ نے اپنے بندوں کو فتح دی، اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا، اگر تم میرے ساتھ سچے رہو گے تو اللہ تمہارے ساتھ اپنا وعدہ ضرور سچا کرے گا، اور اللہ کے وعدے سے سچا وعدہ کس کا ہے۔ وہ فتح کا دن تھا، نصرت کا دن تھا۔ طالبان کی برتری کا دن تھا۔ اور وہ شیرٹن ہوٹل تھا، جدید دنیا کی تمام تر سہولیات و آسائشات سے مزین شیریٹن ہوٹل، اور وہ وقت کے فاتحین تھے جن کے آگے پیچھے اس وقت پوری دنیا بچھی جا رہی تھی۔ مگر عین فتح کی سرشاری میں بھی نماز کا وقت آ گیا تو اللہ کے بندے اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ نہ دنیا کی چکا چوند انہیں متاثر کر سکی نہ دنیا کا اپنے آگے پیچھے ہونا۔ ہفت ستارہ ہوٹل میں نماز کے لیے انتظام شاید موجود نہ تھا۔ انتظام ہوتا بھی تو یہ دبیز قالینوں اور مرمریں فرشوں کے محتاج تو نہ تھے؟! یہ طالبان تھے، انہیں نہ کل دنیا کے انتظامات سے کوئی سروکار تھا نہ آج اس کی کوئی پروا۔ ملّاؤں نے کندھوں سے چادریں اتار کر جھاڑیں، قبلہ رخ ہو کر بچھائیں، اور اپنے میں سے ایک کو امام بنا کر آگے کھڑا کر لیا۔ ان کے ربّ کو ان سے اتنا ہی درکار تھا۔ باقی دنیا کیا چاہتی ہے، نہ انہیں کل اس کی کوئی پروا تھی، نہ آج۔ وہ فاتح تھے۔ دشتِ لیلیٰ و شبرغان میں بھی فاتح تھے، باگرام و پل چرخی میں بھی......ماسکو اور قطر کے ہفت ستارہ ہوٹلوں میں بھی!

پس منظر میں ایک آواز گونج رہی تھی، ایسی ہی ایک آواز چودہ صدیوں پہلے رستمِ ایران کے دربارِ عالی شان میں گونجی تھی۔ وہ ربعی بن عامرؓ کی آواز تھی:

”الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد إلى عبادة رب العباد، من ضيق الدنيا إلى سَعَة الدنيا والآخرة، من جور الأديان، إلى عدل الإسلام.“

”اللہ نے ہم کو بھیجا ہے تاکہ حکمِ الٰہی سے اللہ کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر بندوں کے رب کی بندگی میں داخل کریں اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعت میں پہنچا دیں اور دوسرے ادیان کے مظالم سے نکال کر اِسلام کے عدل و اِنصاف میں داخل کر دیں۔“

آج پس منظر میں جو آواز آ رہی تھی وہ ملا عمرؒ کی آواز تھی۔ بات وہی ربعیؓ والی تھی، انداز و الفاظ بس نئے تھے:

”امریکہ اور کفر کو شکست دینا، اسلحے اور ہتھیاروں کا کام نہیں ہے۔ معرکوں میں فیصلہ کن امر اللہ کی نصرت ہے اور ہم نصرتِ الٰہی کے امیدوار ہیں۔

آج امریکہ اگر سپر پاور ہے اور طاقتوروں کی فہرست میں اس کا نام سب سے اوپر ہے تو کل یہ اس فہرست میں سب سے نیچے ہو گا! میں آپ سے کہتا ہوں کہ امریکہ ناکام و نامراد لوٹے گا، یہ میری پیشین گوئی ہے، آپ مانیں یا نہ مانیں، میری اس پیشین گوئی کو یاد ضرور رکھیں!“

★★★★★

بقیہ: ......ہوتی ہے سحر پیدا!

یہود کا ایک وفد خلیفۂ عادل امیر المومنین 'سلطان عبد الحمید الثانی' (نوّر اللہ مرقدہ) سے ملتا ہے اور منہ مانگی قیمت پر ارضِ فلسطین کا سودا ان سے کرنے کی التجا کرتا ہے، جسے حمیتِ اسلامی کے پیکر سلطان عبد الحمید سختی سے رد کر دیتے ہیں! یہی ہے وہ موڑ جہاں یہود عہد کر لیتے ہیں کہ خلافت کو ڈھانا ہی ڈھانا ہے کہ جب تک یہ خلافت ہے، ان یہود کا سکہ 'صہیونیت و سرمایہ داری و ساہوکاری' نہیں چل سکتا!

اور پھر یہود کی عالمی صہیونی-سرمایہ دار حکومت قائم ہو جاتی ہے، جس کی سب سے واضح صورت امریکہ بن کر ابھرتا ہے۔

ان یہود کی 'پادشاہی' کو چیلنج کرنے کے لیے اور مسجدِ اقصیٰ کو یہود کے پلید پنجوں سے چھڑانے کے لیے وقت کا ایک صلاح الدین اٹھتا ہے۔ اس صلاح الدین کو 'فاتح القدس یوسف صلاح الدین الایوبی' پر ایک امتیاز یہ حاصل ہے کہ وقت کے 'امیر' کی حمایت بھی اس کے ساتھ ہے۔ اور وقت کا امیر کوئی اور نہیں 'ملا عمر' ہے اور یہ صلاح الدین، اسامہ بن لادن!

یہود کے 'محافظ'، بلکہ یہود کے مفادات کے ان یہودیوں سے بھی زیادہ 'محافظ'، امریکہ پر چند فدائی نوجوان حملہ آور ہوتے ہیں۔ اس واقعے کو تاریخ کا اہم موڑ ہر کوئی، اپنے اور پرائے سب ہی قرار دیتے ہیں، تاریخ اب Pre September 11 اور Post September 11 (ما قبل گیارہ ستمبر اور مابعد گیارہ ستمبر) میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔

طاغوتِ اکبر امریکہ؛ یہود کا محافظ، یہودی وضع کردہ عالمی سرمایہ داری و ساہوکاری نظام کو بچانے کے لیے، دورِ جدید کے انکارِ الٰہی کے دین 'جمہوریت و سیکولرازم'۔ جو عالمی صہیونی منصوبے کی بقا کی مانند ہے...... کو بچانے، 'انا ربکم الاعلیٰ' ڈکارتا ہوا، افغانستان پر آ حملہ آور ہوتا ہے۔

۲۰۰۱ء سے ۲۰۲۰ء تک کا منظر نامہ دنیا کے ہر شخص کے سامنے عیاں ہے۔

صلیبی و صہیونی، یہود و ہنود، شیطان و دجّال سب حیرت، افسوس، غم، خجالت اور ذلت میں اپنے دانتوں تلے اپنی انگلیاں چبا رہے ہیں...... غضب ناک ہیں لیکن ہزیمت کی تصویر بنے رو رہے ہیں!

جو حکومتِ الٰہیہ رجب ۱۳۴۲ھ میں چھینی گئی تھی، آج بزورِ قوت رجب ۱۴۴۱ھ میں واپس لے لی گئی ہے۔ یہ حکومتِ الٰہیہ، باذن اللہ خلافت علی منہاج النبوۃ کا پیش خیمہ ہے!

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!

خلافت کے بنا گزری اس ایک صدی کی رات میں صد ہزار نہیں شاید صد لاکھ سے بھی زیادہ، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ستاروں کا خون ہوا ہے...... لیکن...... آج...... منظرِ سحر ہر طرف ہویدا ہے!

ڈاکٹر عافیہ کا بدلہ کون لے گا؟

اور لے جا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔ جو تو مومن ہیں وہ تو اللہ کے لیے لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ طاغوت کے لیے لڑتے ہیں سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو اور ڈرو مت کیونکہ شیطان کی چال انتہائی کمزور ہوتی ہے۔“

یہ کلمات ایسے شخص کے لیے کافی ہیں جس کے دل میں غیرت و حمیت کی کوئی رمق باقی ہو اور ویسے بھی عمل کے بغیر خالی دُہائیوں سے کیا حاصل!۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين وصلى الله على سيدنا محمد وآله و صحبه وسلم

......ہوتی ہے سحر پیدا!

معین الدین شامی

ایک صدی قبل، اقبالؒ نے پیشین گوئی کرتے ہوئے، اپنی معرکۃ الآرا نظم 'طلوعِ اسلام' میں کہا تھا:

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا گیا دورِ گراں خوابی

عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی

تڑپ صحنِ چمن میں، آشیاں میں، شاخساروں میں
جدا پارے سے ہو سکتی نہیں تقدیر سیمابی

سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا

کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!

اقبال نے اپنے ان چند اشعار میں جو پیشین گوئی کی ہے، وہ ہم آج اپنی آنکھوں سے پوری ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ پھر ملاحظہ ہو:

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!

مجھے شہید شیخ امام انور العولقی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ بات یاد آرہی ہے جو انہوں نے اپنے دروس میں سے ایک درس میں فرمائی۔ شیخ انور کے درس میں نبوت، خلافت، ملوکیت، آمریت اور ثم خلافت کی بات چل رہی ہے۔ ایسے میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہر سو برس کے بعد ایک مجدد آتا ہے جو امت میں کسی بھولے یا گم کردہ فریضے کی تجدید کرتا ہے۔

کہتے ہیں کہ اس وقت امت کو جو سب سے بڑا مسئلہ درپیش ہے وہ ایک اجتماعی نظام کے نہ ہونے کا مسئلہ ہے......خلافت اس وقت قائم نہیں ہے اور اس صدی کا مجدد جس فریضے کا احیا کرے گا وہ فریضۂ خلافت ہے کہ سلطنتِ بنو عثمان کے سقوط کی صورت میں خلافت موجود نہیں۔ اور سو سال نہیں گزریں گے کہ یہ خلافت دنیا میں ایک بار پھر قائم ہو جائے گی۔ خلافتِ عثمانیہ کا سقوط ۱۹۲۴ء میں ہوا، سو سال نہیں گزریں گے کہ خلافت پھر سے قائم ہو جائے گی![1]

کیا یہ محض 'اتفاق' ہے کہ خلافتِ عثمانیہ کا سقوط رجب ۱۳۴۲ھ بمطابق مارچ ۱۹۲۴ء میں ہوتا ہے اور قریباً ایک صدی کے بعد امارتِ اسلامیہ افغانستان از سرِ نو، رجب ۱۴۴۱ھ بمطابق ۲۹ فروری ۲۰۲۰ء میں قائم ہو جاتی ہے!

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بنیادی مجرموں میں سرِ فہرست نام یہود کا ہے، پھر یہود کے اس وقت کے سب سے بڑے پشت پناہ 'برطانیہ' کا۔ انہی برطانویوں نے یہودیوں کو ریاستِ 'اسرائیل' تحفے میں دی۔ برطانیہ کا کردار جوں جوں عالمی سیاست میں کم ہوا، اسی طرح عالمی سیاست کی ٹھیکے داری 'امریکہ' کو سپرد ہوتی گئی۔ پھر اسی سیاسی بالادستی و ٹھیکے داری کے ساتھ 'اسرائیل' کی پشت پناہی کا 'ذمہ' بھی امریکہ نے اٹھا لیا۔

اہلِ ایمان اور اسلام کے اس دنیا میں سب سے بڑے دشمن 'یہود' ہیں......وہ یہود جنہوں نے انبیا علیہم السلام کو قتل کیا، جنہوں نے قدیم الہامی کتابوں میں پڑھ اور پرکھ کر، جان بوجھ کر رسولِ آخر الزماں محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفر کیا۔

اسلام کے خلاف ہونے والی ہر چھوٹی بڑی سازش میں، پچھلے چودہ سو سال میں یہود شریک رہے۔ اگر یہود نے سازش خود تیار نہیں کی تو کم از کم حصہ ضرور رہی رہے۔ پھر خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کا سانحہ وہ واقعہ ہے جس کا راست تعلق یہود سے ہے۔ خلافتِ عثمانیہ اور اس کے غیور خلفا یہود اور ان کی 'ناجائز' ریاستِ اسرائیل کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ ریاستِ اسرائیل کے قیام سے نصف صدی یا کچھ زیادہ قبل......(باقی صفحہ نمبر 53 پر)

[1] شیخ کی یہ بات میرے الفاظ میں پیش کی گئی ہے، غالباً شیخ نے یہ بات اپنے سلسلۂ دروس 'Lives of the Prophets' میں فرمائی ہے۔

بہاروں سے پہلے

خولہ بنتِ عمران

۷ اکتوبر، ۲۰۰۱ء...... امریکہ اپنی تمام تر ٹیکنالوجی، عسکری طاقت اور جدید جنگی آلات سے لیس، افغانستان پر حملہ آور ہو چکا ہے۔ وہ اپنی طاقت اور جدید ٹیکنالوجی کی بنیاد پر اکڑ رہا ہے اور اس بات پر پختہ یقین لے کر آیا ہے کہ یہ جنگ چار یا چھ ماہ سے زیادہ نہیں چلے گی۔ یہ چند ہزار طالبان، جو اپنی خستہ کلاشن کوفیں لیے اس کے مقابلے پر کھڑے ہیں، کچھ ہی دنوں میں اس کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

جبکہ کچھ لوگ یہ امید رکھتے ہیں کہ افغانستان کے ہمسائے میں موجود 'اسلامی بم' (پاکستان) ان کی مدد کو ضرور پہنچے گا۔ لیکن یہ کیا؟ 'اسلامی بم' کا تو ڈالر دیکھ کر رنگ و روپ ہی بدل چکا ہے۔ پاکستان کے ہوائی اڈّے امریکیوں کے حوالے کیے جا چکے ہیں۔ پاکستان میں موجود امارتِ اسلامی کے سفیر، ملّا عبد السلام ضعیف و دیگر ارکان، پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کے ہتھے چڑھ گئے ہیں اور مزاحمت پر انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اس وقت اسلامی بھائی چارے سے زیادہ مفادِ پاکستان مطلوب و مقصود ہے۔ پاکستان کے دانشور، صحافی و تجزیہ کار، ٹاک شوز، سیمیناروں اور ڈرائنگ روموں میں بیٹھ کر چائے کی چسکیاں لیتے اور پاکستان کو امریکہ کا اتحادی بننے کے مشورے دیتے نظر آتے ہیں۔

لیکن اس سب کے باوجود ایک شخص ایسا ہے جو اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتا ہے اور اس کی طرف سے آنے والی فتح و نصرت کا منتظر ہے۔ لوگ اس سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ نہیں جانتا کہ امریکہ (نام نہاد) دہشت گردی کے خلاف جنگ کا اعلان کر چکا ہے؟ لیکن حیران و پریشان ہوئے بغیر، کسی قسم کے پچھتاوے یا گھبراہٹ میں مبتلا ہوئے بغیر، وہ ایک ہی جواب دیتا ہے:

> "میرے سامنے دو وعدے ہیں۔ ایک اللہ کا وعدہ اور دوسرا بُش کا۔ اللہ کا وعدہ یہ ہے کہ 'میری زمین بہت وسیع ہے'، اگر آپ اللہ کے راستے پر چلتے ہیں تو آپ اس زمین میں کہیں بھی پناہ لے سکتے ہیں اور محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اور بُش کا وعدہ یہ ہے کہ زمین میں ایسی کوئی بھی جگہ نہیں جہاں تم چھپ سکتے ہو اور میں تمہیں ڈھونڈ نہ نکالوں...... اور ہم دیکھیں گے کہ ان دو وعدوں میں سے کون سا وعدہ پورا ہوتا ہے۔"

اس سے دوبارہ پوچھا جاتا ہے، کیا وہ خوفزدہ نہیں ہے اپنے لوگوں کے لیے، اپنے لیے، طالبان کے لیے اور اپنی جان سے زیادہ عزیز ملک کے لیے؟ وہ کہتا ہے:

> "اللہ ربّ العزت...... مومنین اور مسلمین کی مدد کرتا ہے۔ اللہ کہتا ہے وہ کافروں سے کبھی راضی نہیں ہو گا۔ دنیا کی نظروں میں امریکہ بہت طاقتور ہے، لیکن اگر وہ اس سے دوگنا طاقتور بھی ہوتا جتنا کہ وہ آج ہے، وہ تب بھی ہمیں شکست نہیں دے سکتا۔ ہمیں یقین ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتی، جب تک کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

پھر اس کا ملک لوٹا جاتا ہے، اس کے لوگ دربدر ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ظالم امریکہ کے فضائی اور زمینی حملوں سے افغانستان کے در و دیوار مسمار ہو جاتے ہیں۔ ہر روز ایک نئی قیامت برپا ہوتی ہے۔ ماؤں، بہنوں کی عزتیں پامال ہو جاتی ہیں۔ اس کے ساتھیوں کو بگرام جیل اور بدنامِ زمانہ گوانتاناموبے کے ٹارچر سیلوں میں جانوروں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ انسانی حقوق کے علم بردار امریکہ کے فوجی، سیکڑوں طالبان کو کنٹینروں میں بند کر کے قتل کر دیتے ہیں۔ لیکن اس کے چٹان جیسے مضبوط ایمان اور حوصلے کو کوئی چیز متزلزل نہیں کر پاتی۔ وہ آج بھی اللہ کے وعدے کو پورا ہوتے دیکھنے کا منتظر ہے۔

بہاروں سے پہلے جو آنکھوں پہ بیتی، وہ اتنی کٹھن تھی کہ مشکل بیاں ہے
دلوں پر مگر جو سکینت تھی طاری، انہیں کیا خبر وہ بعید از گماں ہے

پھر ۲۰۰۶ء کا سال شروع ہوتا ہے۔ اب نئے موسمِ بہار کے حملوں (spring offence) میں وہ طالبان، جو پسپا کر دیے گئے تھے، دوبارہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے مضبوط ایمان کی بدولت امریکی فوجیوں اور ان کی گاڑیوں کے پرخچے اڑاتے نظر آتے ہیں۔ امریکی ایجنسیوں کی ہر سازش کو ناکام بنا دیتے ہیں اور ہر محاذ پر کامیاب ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

۲۰۱۸ء اور وہ گھمنڈی امریکہ جو کبھی ساتھ نہ دینے پر پتھروں کے دور میں پہنچا دینے کی دھمکیاں دیتا تھا، آج، وہ 'ساتھ دو، ورنہ پتھروں میں مارے جائیں گے' کی دہائیاں دیتا نظر آتا ہے۔ آج وہ قطر اور پاکستان جیسے کمزور ممالک کی چوکھٹ پر طالبان کو مذاکرات پر راضی کرنے کا مطالبہ لے کر آتا ہے، اور یہ کمزور ممالک 'شاہ امریکہ' کی وفاداری میں ایک بار پھر بسر و چشم قلابازیاں لگا رہے ہیں۔

۲۰۱۹ء، امریکہ و طالبان کے مابین مذاکرات شروع ہو چکے ہیں۔ دنیا ایک سپر پاور کو ذلیل و خوار ہوتے دیکھ رہی ہے۔ امریکہ کا سارا غرور و تکبر آج افغانستان کی خاک میں مل گیا ہے۔ اور ذلّت و رسوائی کی کالک ان کے چہروں پر مل جا چکی ہے۔ آج ہم اللہ کا وعدہ پورا ہوتا دیکھ رہے ہیں اور آج طالبان، اللہ کے شیر طالبان، جیت رہے ہیں۔ ۲۰۱۹ء جہاں طالبان کی کامیابی کی نوید لایا ہے وہیں تحریکِ آزادئ کشمیر میں بھی ایک بھونچال آیا ہے۔ سال ۲۰۱۹ء یقیناً اہلِ کشمیر کے لیے ایک مشکل اور سخت ترین سال تھا، لیکن اس نے جہادِ کشمیر کو اسی دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے، جہاں آج سے دو دہائیاں پہلے طالبان کھڑے تھے۔

(باقی صفحہ نمبر 44 پر)

ایک اطلاع

شاہ نواز فاروقی

شاہ نواز فاروقی صاحب ممتاز اسلامی صحافی، مفکر، شاعر اور ادیب ہیں۔ آپ نے زیرِ نظر تحریر آج سے ایک ڈیڑھ دہائی قبل تحریر کی تھی۔ شاہ نواز صاحب اس تحریر میں جو 'پیشین گوئی' کر رہے ہیں، آج ہر سننے اور دیکھنے والا اس کو جان گیا ہے۔ (ادارہ)

امتِ مسلمہ کے پاس جو ''اطلاع'' ہے، وہ اطلاع امریکہ کے پاس ہوتی تو اس سے اب تک پانچ سو گھنٹے کی ''ٹیلی نیوز'' بر آمد ہو چکی ہوتیں، اس کے حوالے سے دو ہزار چھوٹے بڑے مذاکرے نشر ہو چکے ہوتے، ممتاز شخصیات کے ایک ہزار انٹرویوز نشر ہو کر ناظرین کے حافظے کا حصہ بن چکے ہوتے، چھوٹی بڑی دو سو دستاویزی فلمیں تخلیق ہو چکی ہوتیں، ہالی ووڈ میں پانچ چھ بڑے بجٹ کی فیچر فلموں پر کام جاری ہوتا...

لیکن امتِ مسلمہ کے پاس اطلاع کیا ہے؟

عزیزانِ گرامی قدر! (اطلاع) صرف یہ ہے کہ افغانستان میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو مجاہدین نے شکست دے دی ہے!!! یہ ایک تاریخ ساز اطلاع ہے۔ کبھی امریکہ کے پاس ایسی تاریخ ساز اطلاع تھی۔ امریکہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ مجاہدین نے افغانستان میں سوویت یونین کو شکست دے دی ہے۔ اس ایک اطلاع پر امریکہ اور اس کے مغربی اتحادیوں نے خبروں، تبصروں، تجزیوں، انٹرویوز، دستاویزی اور فیچر فلموں کے کارخانے نہیں ملیں لگالی تھیں۔ ابلاغ کا علم اسی کا نام ہے۔

امت مسلمہ کا معاملہ عجیب ہے۔ اس کے پاس تاریخ ساز اطلاع ہے لیکن اس سے کچھ اور کیا اخبار کی ایک شہ سرخی بھی تخلیق نہیں ہو پا رہی۔

ہم اطلاعاتی عسرت اور ابلاغی غربت کے مارے ہوئے نہ ہوتے تو امریکہ کی شکست کا کامل ابلاغ امتِ مسلمہ کی نفسیات کو کچھ سے کچھ بنا سکتا تھا۔ امتِ مسلمہ مغرب کے حوالے سے احساسِ کمتری میں مبتلا ہے۔ اسے لگتا ہے کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے، جو کچھ ہے مغرب کے پاس ہے۔ لیکن جو امت ۲۰ سال میں دو سپر پاورز کو شکست سے دوچار کر دے وہ معمولی امت تو نہیں ہو سکتی۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ افغانستان میں امریکہ اور مجاہدین کا معرکہ برپا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے، افغانستان میں ایک جانب ایمان اور ٹیکنالوجی کا معرکہ ہو رہا ہے تو دوسری جانب شوقِ شہادت اور عسکری طاقت کی پنجہ آزمائی ہو رہی ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ ان معرکوں میں ایمان کو ٹیکنالوجی پر اور شوقِ شہادت کو عسکری طاقت پر فتح حاصل ہو گئی ہے۔ مگر یہ اطلاع امتِ مسلمہ تک کیسے پہنچے؟؟؟

★★★★★

بقیہ: اسلام میں عورت کا مقام (عافیہ صدیقی کی تقریر)

بھائیو اور بہنو! بس بہت ہو گیا! اب فکر کرنی چاہیے کہ بطور مسلمان ہمارا مقصد زندگی، Goal of life ہے کیا؟ آج ہمارا شعار اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری ہے تو پھر معاشرے میں ہر طرف غیر اسلامی رہن سہن کا رواج کیوں ہے؟ ہم نے اب اسے بدل کر دم لینا ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا○ (سورۃ النساء:۱۹)

''اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو، اور ان کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس کا کچھ حصہ لے اڑو، الّا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں، اور ان کے ساتھ بھلے انداز میں زندگی بسر کرو، اور اگر تم انہیں پسند نہ کرتے ہو تو یہ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔''

جی ہاں! وقت آ گیا ہے! یہی وقت ہے ہمارے اٹھ کھڑے ہونے کا اور ان مسائل سے نجات حاصل کرنے کا...... اور ہاں! ہم میں سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ بالکل کر سکتا ہے، شرط یہ کہ خلوصِ دل سے عہد کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں نکلنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ○ (سورۃ العنکبوت:۶۹)

''اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے۔ یقیناً اللہ نیکوکاروں کا ساتھی ہے۔''

آیئے عہد کریں! ہم اس جاہلی معاشرت کو ترک کرتے ہیں۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے! ہم تمام غیر اسلامی طور طریقوں کو چھوڑ کر اللہ وحدہ لاشریک کے دین میں پورے کے پورے داخل ہوں گے، ان شاء اللہ!

وماعلينا الا البلاغ!

’عافیہ تُو آبروئے امتِ مرحوم ہے!

ڈاکٹر عافیہ کا بدلہ کون لے گا؟!

فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ

بسم اللہ والحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ و آلہ و صحبہ ومن والاہ

پوری دنیا میں بسنے والے میرے مسلمان بھائیوں کے نام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امابعد

امریکی محکمۂ انصاف نے ہماری بہن عافیہ صدیقی کو ۸۰ سال سے زائد عرصے کے لیے قید کی سزا سنائی ہے۔ اس حوالے سے میرے دو پیغامات ہیں: پہلا امریکہ کے نام اور دوسرا اہلِ پاکستان کے نام۔

امریکہ کے نام میرا پیغام یہ ہے کہ تم جتنے فیصلے کرسکتے ہو کرلو! یہ فیصلے تمہارے اپنے خلاف جائیں گے۔ جتنا ظلم کرسکتے ہو کرلو یہ ظلم تمہاری اپنی ہی جانوں پر ہوگا۔ اور جتنی سرکشی دکھا سکتے ہو دکھالو! اس کا وبال خود تمہیں کو بھگتنا ہوگا!

ربِ کائنات کی قسم ہم تم سے تب تک لڑتے رہیں گے جب تک قیامت برپا نہ ہوجائے یا پھر تم اپنے جرائم سے باز نہ آجاؤ۔ تم جسے چاہو قید کرلو! جسے چاہو قتل کردو! جس پر چاہو بارود کی بارش برسادو! اور جتنا تکبر کرسکتے ہو کر گزرو! اُمتِ مسلمہ تمہیں ہرگز چھوڑنے والی نہیں۔ بمباری کا بدلہ بمباری ہوگی۔ قتل کا بدلہ قتل ہوگا۔ تباہی کے بدلے تباہی ہوگی۔ اور سرکشی کا بدلہ اتنی ہی شدت سے لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَقَاتِلُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُواْ إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبِّ الْمُعْتَدِينَ○وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلاَ تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاء الْكَافِرِينَ○فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ○وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ○

(سورۃ البقرۃ: ۱۹۰-۱۹۳)

”اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے قتال کرو۔ مگر زیادتی نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا اور ان کافروں کو جہاں پاؤ قتل کردو اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے وہاں سے تم بھی انہیں نکال دو اور فتنہ قتل سے کہیں بڑھ کر ہے اور جب تک وہ تم سے مسجدِ حرام کے پاس نہ لڑیں، تم بھی وہاں ان سے مت لڑنا۔ ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان کو قتل کر ڈالو، کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا جب تک فتنہ ختم نہ ہوجائے اور دین اللہ ہی کے لیے ہوجائے اور اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں۔“

اہلِ پاکستان کے نام اپنے پیغام میں، میں صرف چند کلمات پر ہی اکتفا کروں گا کیونکہ اب وقت عمل کا ہے باتوں کا نہیں۔

اے مسلمانانِ پاکستان تمہاری حکومت اور فوجی قیادت نے نہ تو تمہاری کوئی عزت وناموس باقی رہنے دی ہے اور نہ ہی کوئی قدروقیمت۔ امریکہ اور صلیبی لشکر تمہاری سرزمین پر قابض ہیں، تمہارے اپنوں کو قتل کررہے ہیں، تمہاری بستیوں کی بستیاں تباہ کررہے ہیں اور تمہاری عورتوں تک کو قید کررہے ہیں۔ بھلا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ذلت کی انتہا ہوگی؟ اور اس سے بڑھ کر بھی آزمائش کی کوئی گھڑی آنا ابھی باقی ہے۔

اے پاکستان کے آزاد اور غیور مسلمانو! اے صدق وحمیت کے پاسبانو! اے حق کے پاسدارو! اے اسلام کے شہسوارو! راستہ کھلا اور طریقۂ کار واضح ہے۔

چنانچہ جس شخص کے دل میں بھی عافیہ صدیقی اور دیگر مسلمان بہنوں کی رہائی اور ان پر ظلم کرنے والوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کی کوئی خواہش اور چنگاری موجود ہے تو اسے چاہیے کہ قافلۂ جہاد میں شامل ہوکر مجاہدین کا ساتھ دے۔ کیونکہ جہاد کے بغیر نہ تو کوئی عزت ہے اور نہ ہی وقار۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالآخِرَةِ وَمَن يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّهِ فَيُقْتَلْ أَو يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْراً عَظِيماً○وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاء وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيّاً وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيراً○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَاۗءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا○

(سورۃ النساء: ۷۴-۷۶)

”سو جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو بیچنا چاہتے ہیں، ان کو چاہیے کہ اللہ کی راہ میں قتال کریں اور جو شخص اللہ کی راہ میں قتال کرے پھر شہید ہو جائے یا غلبہ پائے تو ہم عنقریب اس کو بڑا ثواب دیں گے۔ اور تم کو کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں..... (باقی صفحہ نمبر 53 پر)

اسلام میں عورت کا مقام

محترمہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی صاحبہ (فک اللہ اسرہا)

یہ محترمہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی صاحبہ کی ایک تقریر ہے جو انہوں نے ۹۰ء کی دہائی کے شروع میں امریکی شہر ہیوسٹن کی ایک مجلس میں کی تھی۔ اسے افادۂ عام اور ڈاکٹر عافیہ صاحبہ کے مقام کو عام کرنے کی غرض سے شائع کیا جارہا ہے۔ اللہ پاک انہیں اہلِ کفر کی قید سے آزاد کروائیں اور جلد اہلِ اسلام کے درمیان ان کی اولاد سے امن وعافیت میں ملوائیں، آمین۔ (ادارہ)

اعوذ باللہ من الشیطان الر جیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے اسلامی بھائیو اور بہنو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کی آمد کا شکریہ!

میں Challenge کرتی ہوں نہ صرف ہر اس شخص کو جو روئے زمین پر بستا ہے بلکہ ہر اُس تہذیب کو بھی جو اس زمین کے علاوہ کہیں اور اگر پائی جاتی ہو...... کہ اسلام عورت کا سب سے بہترین محافظ اور امین ہے۔

میں یہ بات محض جذباتیت سے نہیں بلکہ پورے اعتماد سے کہہ رہی ہوں کیونکہ یقین مانیے، اسلام اُس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا نازل کردہ دین ہے جو سب سے زیادہ انصاف کرنے والا اور سب سے بڑھ کر مہربان ہے۔ وہ خدا جو مردوں کا طرف دار ہے نہ عورتوں کا بلکہ وہ تو مردوں اور عورتوں دونوں کا ہی پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے۔ اسلام عورت کو ایک ایسا اعلیٰ مقام دیتا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔

آیئے! اس کی ایک مثال مغربی فلسفیوں اور پادریوں سے لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عورت شیطان کا حربہ (ہتھیار) ہے۔ جبکہ قرآن اسے محصنہ یعنی الثا، شیطان ہی سے بچاؤ کے لیے ایک حصار قرار دیتا ہے۔ وہ کافر اسے جنت سے نکالے جانے کا سبب قرار دیتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود جنت کو اسی کے قدموں تلے بتلاتے ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں اسے حقوق وتحفظ کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ وراثت کا معاملہ ہو یا حقوقِ ملکیت کا، شریکِ حیات کے انتخاب کا مرحلہ ہو یا خلع کا مسئلہ، وہ تمام بنیادی حقوق جو کسی انسان کو حاصل ہیں اسے بھی دیے گئے ہیں۔ اسے نہ صرف حصولِ معاش کی اجازت ہے بلکہ اپنی کمائی کا ایک ایک پیسہ اپنے پاس رکھنے کا حق ہے۔ بتایئے وہ کیا ہے جو اسے اسلام میں حاصل نہیں؟

مگر میں یہاں اپنی بات واضح کرتی چلوں کہ حصولِ معاش اس کی ذمہ داری نہیں بلکہ اس کی اصل ذمہ داری حقوق اللہ کی ادائیگی اور گھرداری ہے۔ اب اگر وہ ان کو پورا پورا ادا کرتی ہے تو یہ اس کے اعزاز کے لیے کافی ہے۔ ایک حدیث کے مطابق یہی اس کی اطاعت گزاری ہے۔ مگر دوسری طرف یہ بھی نہ ہو کہ اسے ایک زرخرید غلام ہی سمجھ لیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی یہ تعلیم ہے اور نہ ہی طرزِ عمل۔

ایک مرتبہ ایک شخص امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے گھر آیا۔ وہ آپ سے اپنی زوجہ کا شکوہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ ابھی باہر ہی منتظر تھا کہ اندر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کی آواز سنائی دی۔ وہ ان پر بگڑ رہی تھیں مگر عمر رضی اللہ عنہ خاموش تھے۔ اس نے سوچا خلیفہ تو خود بھی اس پریشانی میں مبتلا ہیں لہٰذا وہ پلٹ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب باہر آئے اور اسے لوٹتے دیکھا تو بُلا بھیجا اور اس کا حال دریافت کیا...... اور کیا آپ جانتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاملے پر اسے کیا کہا؟

انہوں نے فرمایا:

”کیا تم نہیں دیکھتے کہ میری بیوی میرے لیے کھانا پکاتی ہے، میرے کپڑے دھوتی ہے اور بچوں کو پالتی پوستی ہے۔ پس وہ میرے لیے ان تمام کاموں میں آسانی کا باعث ہے کہ مجھے کوئی خانساماں، دھوبی یا دایہ نہیں رکھنی پڑتی۔ جبکہ یہ سب اس پر چنداں فرض نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر وہ میرے لیے راحت و سکون کے حصول اور گناہ سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ یہ سب سوچ کر میں اس کی زیادتیوں کو بھلا دیتا ہوں اور تمہیں بھی اسی بات کا مشورہ دوں گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا‘تم میں جو اپنی بیوی کے ساتھ جتنا زیادہ مہذب اور نرم خُو ہو گا اپنے ایمان میں وہ اتنا ہی اکمل ہو گا‘۔“

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيهِ خَيْراً كَثِيراً○(سورۃ النساء:۱۹)

”ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بودوباش رکھو گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت بھلائی کر دے۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَلاَ تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَاراً لِّتَعْتَدُواْ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلاَ تَتَّخِذُوَاْ آيَاتِ اللّٰهِ هُزُواً...... (سورۃ البقرۃ:۲۳۱)

”تو ان کو بھلائی کے ساتھ (اپنی زوجیت میں) روک رکھو، یا انہیں بھلائی کے ساتھ چھوڑ دو، اور انہیں ستانے کی خاطر اس لیے روک کر نہ رکھو کہ ان پر ظلم کر سکو۔“

میرے عزیز بھائیو! یہ اللہ کا حکم ہے اور میری بہنو! اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم ان مثالوں سے ناجائز فائدہ اُٹھائیں۔ بالکل نہیں! میرے کہنے کا مطلب صرف اتنا ہے کہ عورت کوئی بلامعاوضہ نوکرانی نہیں ہے۔ حدیث کے مطابق تو وہ گھر کی ملکہ ہے۔ اسے گھر سے نکلنے کی اجازت دینے کے ساتھ ساتھ عزت وتکریم اور تحفظ کی ضمانت بھی دی گئی ہے۔ یہ ہے وہ مقام جو اسے دوسرے کسی معاشرے خصوصاً مغرب نے تو ہرگز نہیں دیا۔

شرعی پردہ اس پر کوئی بندش نہیں ہے۔ یہ تو ایک علامت ہے تاکہ لوگ عورت کو اس کے نفیس کردار سے پہچانیں نہ کہ محض اس کی ظاہری زیب وزینت سے! کتاب کے جاذب نظر سرورق پر ہی نہ چلے جائیں بلکہ اس کے مندرجات دیکھیں! دیکھنے والا ایک نظر میں پہچان لے کہ ہم کون ہیں مبادا ہمیں منہ سے بتانا پڑے! اسلام عورت کو ایک بکاؤ مال نہیں سمجھتا جو کہ اپنی نمائش کے لیے دنیا بھر کے سامنے پریڈ کرتی پھرے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس خوبی سے اس کی توصیف بیان فرمائی کہ ایک صالح عورت دنیا کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ یہ انتہائی غور کرنے کی بات ہے کہ یہاں ایک امیر یا دنیا کے اعتبار سے قابل عورت نہیں کہا کیونکہ نیک چلنی کی نسبت یہ چیزیں عارضی ہیں جو زندگی بھر اس کا ساتھ نہیں دے سکتیں!

دماغ ماؤف ہو سکتا ہے! دولت خرچ ہو جایا کرتی ہے اور حسن کو تو بالآخر زوال ہے!!!

دھوکے کا یہ سامان دنیا کی عارضی خوشیوں کے لیے ہے جبکہ تقویٰ اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ نبی علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ایک شخص کو، جو کہ شادی کرنا چاہتا تھا، نیک عورت سے شادی کی نصیحت کی! بہت زیادہ ٹیکس دینے والی امیر عورت نہیں، کسی بڑی کارپوریشن کی مالکن نہیں، کوئی بہت خوبصورت لڑکی نہیں، اور نہ ہی وہ لڑکی جو بہت زیادہ جہیز لے کر آئے۔ نہیں..... ہرگز نہیں!

اسلام میں عورت سے متعلق سب سے اہم اور سب سے پہلی بات یہ ہے کہ، اسلام اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بندی قرار دیتا ہے، نہ کہ کسی انسان کی باندی۔

اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ مرد سے کسی طرح کم نہیں۔

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ..... (سورۃ آل عمران: ۳۶)

''اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں۔''

جی ہاں! مرد عورت سے یقیناً مختلف ہے، نفسیاتی لحاظ سے، جسمانی لحاظ سے ہر طرح سے مختلف ہے۔ جیسا کہ مرد جسمانی طور پر عورت سے مضبوط ہے اور یہ ہم سب کے مشاہدے میں ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے حصولِ معاش کی ذمہ داری سونپی ہے اور یوں اسے گھر کے سربراہ کا درجہ دیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت کم تر ہے۔ ہرگز نہیں!

جہاں تک حقوق کا معاملہ ہے دونوں مثل (برابر) ہیں باوجود اس کے کہ مرد کو اس پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے۔ یہ درجۂ فوقیت خاندان کی کفالت کے حوالے سے ہے۔ اس میں برتری اور کم تری کا کیا سوال؟ بالکل نہیں! اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے:

أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ..... (سورۃ آل عمران: ۱۹۵)

''تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔''

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (سورۃ الحجرات: ۱۳)

اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

تاریخ مثالوں سے بھری پڑی ہے جو بتاتی ہے کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی ایمان لائیں، جو مردوں اور عورتوں دونوں کو تعلیم دیتی رہیں، جو دینی فتاویٰ دیتی رہیں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتی رہیں اور شہادت کے رتبے سے بھی سرفراز ہوئیں..... اس لیے نہیں کہ وہ دنیا کے سامنے خود کو منوانا چاہتی تھیں!

نہیں میری پیاری بہنو!

ہم غیر مسلموں سے مختلف ہیں۔ ہمیں دنیا والوں کے سامنے کچھ کر دکھانے کی حاجت نہیں۔ ہمیں کچھ کر دکھانا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے۔ جی ہاں! ہمیں ایک سچی اور پکی مسلمان بن کر دکھانا ہے۔ ہمیں صحابیات رضی اللہ عنہا کے نقشِ قدم پر چلنا ہے، یہی ہمارا مقصد ہونا چاہیے نہ کہ سارا زور ظاہری حُسن بڑھانے پر ہی لگا دیا جائے۔

مثالیں تو صحابیات کی ایسی ایسی ہیں کہ میں بیان کرتی جاؤں مگر آپ کا دل نہ بھرے۔ میں البتہ یہاں صرف ایک مثال پیش کرتی ہوں۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا، آپ ہجرت کے موقع پر اسلام لائیں جبکہ آپ نے ابھی ہی عمرِ جوانی کی دہلیز میں قدم رکھا تھا! اور پھر جنگ یرموک کے موقع پر جب آپ اپنی عمر کی تیسری دہائی میں تھیں، آپ نے نو (۹) کافروں کو ہلاک کیا! وہ بھی معلوم ہے، کس چیز سے؟ خیمے کی محض ایک میخ سے! وہ بھی تنِ تنہا! نجانے کتنے مرد ایسے ہوں گے جو ایسا کام کر سکیں..... آج کے زمانے میں یا کسی بھی زمانے میں۔

اس کے ساتھ ساتھ اسماء رضی اللہ عنہا ایک پائے کی عالمہ تھیں۔ زمانۂ تابعین کے کبار علما نے آپ کی تدریس وتعلم سے فیض حاصل کیا۔

عائشہ، خدیجہ، فاطمہ، زینب، اسماء، امِ عمارہ، ام سلمہ، ام کلثوم، ام حکیم رضی اللہ عنہن..... ایسے ان گنت نام ہیں۔ یہ کون تھیں؟؟؟ یہ عالمات تھیں، یہ معلمات تھیں، جنگ میں زخمیوں کا علاج کرنے والیاں تھیں اور یہ مجاہدات تھیں اور...... اس کے ساتھ ساتھ یہ مائیں تھیں، بیٹیاں تھیں، بہنیں تھیں اور اپنے شوہروں کی بیویاں تھیں..... یہ سب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی خواتین تھیں۔ یہ تھیں وہ ہستیاں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ○ (سورۃ المجادلۃ: ۲۲)

”اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں۔ یہ خدائی لشکر ہے۔ آگاہ رہو
بیشک اللہ کے گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں۔“

اور بالآخر وہ سب دنیا و آخرت میں کامیاب ہوئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے فقط تیس (۳۰) سال بعد خلافتِ اسلامیہ افریقہ کے دور دراز علاقوں سے ہندوستان اور ہسپانیہ تک تین براعظموں میں پھیل جاتی ہے!

میں آپ سے سوال کرتی ہوں کہ ایسا کیوں ہے کہ ہم مسلمان آج تیسری دنیا (third world) کہلاتے ہیں؟ ہم نے اپنی شان و شوکت کھو دی۔ آج ہم معذرت خواہ ہیں...... بے بس ہیں اور وہ بھی کس کے آگے؟ کفار کے سامنے، استغفر اللہ! معلوم ہے کہ اب ہم میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد رحمہا اللہ ایسے بیٹے کیوں نہیں؟ کیوں کہ آج ہم میں فاطمہ، زینب، خولہ و اسماء رضی اللہ عنہن جیسی مائیں نہیں ہیں!!!

آج ہم میں ایسی مائیں کیوں نہیں......؟

آیئے ذرا غور کریں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ○ (سورۃ التحریم: ۶)

”اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ۔ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر، جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں۔“

شدت یا انحراف کسی بھی قسم کا ہو، اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اور دوسری انتہا بھی پہلی انتہا کی طرح بری ہے۔ موجودہ دور میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اپنی لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے کے مرتکب ہیں! جی ہاں! آج کے دور میں...... انہیں ذہنی طور پر زندہ در گور کیا جا رہا ہے۔ یہ کہہ کہہ کر کہ 'وہ کم تر ہے'، 'پیر کی جوتی ہے' اور اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے یہ سب کچھ کیا بھی سنت کے نام پر جاتا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں یہ کس کی سنت ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تو یہ نہیں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر جوتا ٹوٹ جاتا تو خود ہی مرمت کر لیتے! اپنی زوجہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تفریحاً دوڑ لگاتے اور پھر اس میں انہیں ہی جیت جانے کا موقع دے دیتے تاکہ وہ بھی لطف اندوز ہو سکیں!

آج ہر ایک بہت آسانی سے عورتوں کو بتا دیتا ہے کہ اسلام تو یہ اور یہ ہے اور وہ بے چاری اس پر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آتی ہے! مجھے معلوم ہے ایسا اس لیے ہے کیونکہ وہ اسلام کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتی۔ اس کا بنیادی حق...... مجھے کہنے دیجیے اس کی عصری و دینی تعلیم کا حق اس سے چھین لیا گیا ہے۔ تو اس کا نتیجہ کیا نکلا؟

بھائیو اور بہنو! اس سے حصولِ تعلیم کا حق چھین کر ہمیں پھر ملا کیا؟

اگر ایک عورت جو غیر اسلامی نظریات کی حامل ہو یا اپنے گردوپیش کی دنیا سے بالکل نابلد ہو، ہر دو صورت میں کیا وہ اپنے بچے کی تربیت کر کے اسے ایک بہترین مسلمان بنا سکتی ہے؟ یقیناً نہیں!

بچے کی زندگی کے ابتدائی پانچ سال کچھ اتنا کم اہمیت کے حامل بھی نہیں ہوتے جتنا کہ ہم سمجھتے ہیں۔ جدید سائنسی تحقیق کے مطابق بچے کی دماغی افزائش قبل از پیدائش ہی شروع ہوتی ہے اور ابتدائی پانچ سالوں کے دوران مکمل ہوتی ہے اور یہی وہ وقت ہے جب وہ آنکھ کھولتا ہے اور اپنے گردوپیش میں غور کرتا ہے۔ اس کی ماں ہی اس کی کل کائنات ہوتی ہے۔ والدین کے معمولاتِ زندگی اس کی مستقبل کی شخصیت پر گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔ اگر اس کی ماں ایک مثالی صالح خاتون ہے اور ساتھ میں والد بھی، تو غالب امکان ہے کہ بچہ بھی آگے چل کر اعلیٰ اسلامی کردار کا حامل ہوگا۔

اب جبکہ معاملہ فی زمانہ ایسا ہی ہے تو بتایئے کہ عالمِ اسلام میں غیر اسلامی رسم و رواج آخر کیوں نہ پروان چڑھیں؟

دینے کو بہت سی مثالیں ہیں مگر صرف جہیز کو ہی لے لیں۔ یہ برصغیر پاک و ہند میں ایک لازمی چیز ہے۔ ویسے یہ ہے کیا؟ ایک لڑکی کو اپنی شادی کے لیے زیور، فرنیچر، کیش اور خدا جانے کیا کیا ساتھ لانا پڑتا ہے۔ یہ صریحاً ایک غیر اسلامی رسم ہے مگر پھر بھی بہت سی اچھی اچھی لڑکیوں کی شادی کی عمر محض اس کی وجہ سے نکل جاتی ہے اور اگر ان میں سے کسی کی شادی کا انتظام ہو جاتا ہے تو اکثر ان کے والدین ان کی رضامندی تک لینا گوارا نہیں کرتے حالانکہ قرآنی احکام اس معاملے میں واضح ہیں۔

یہ معاملہ یہیں نہیں رک جاتا۔ بہت سے 'خاندانی لوگوں' میں تو ایک لڑکی کا ان معاملات میں بولنا ہی انتہائی شرم کی بات سمجھی جاتی ہے! اس پر بس نہیں! بلکہ اگر کسی لڑکی کو طلاق ہو جائے تو کیا پورا معاشرہ اسے اچھوت بنا کر نہیں رکھ دیتا؟؟ اسلامی تعلیمات تو یہ نہیں، اللہ نے تو ایسا نہیں کہا بلکہ قرآن میں تو مشہور واقعۂ تحریم پر امہات المومنین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ توبہ نہیں کریں گی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو 'مطلقہ' اور کنواری عورتوں میں سے ایسی بیویاں عطا کروں گا جو تم سے بہتر ثیّباتٍ و ابکاراً ہوں گی۔

میرے عزیز بھائیو بہنو! میں نے پاکستان میں یونائیٹڈ اسلامک آرگنائزیشن کی صدر کے ساتھ کوئی دو سال کام کیا اور حسنِ اتفاق سے وہ اگلے ہفتے امریکہ بھی آرہی ہیں، آپ ان سے تصدیق کر سکتے ہیں کہ آئے دن کتنے کیس ایسی خواتین کے آتے ہیں جو انہی اور ان جیسے دیگر غیر اسلامی طور طریقوں کے باعث شدید کرب میں مبتلا ہیں اور واضح رہے کہ یہاں غیر اسلامی طور طریقوں سے میری مراد میں آزادانہ تعلقات کی عام صورتیں بشمول Dating وغیرہ بھی شامل ہیں۔

(باقی صفحہ نمبر 56 پر)

عافیہ!

قاضی ابو احمد

وہ ایک ذہین و فطین قابل خاندان کی غیر معمولی تعلیمی قابلیت رکھنے والی بیٹی تھی۔ اللہ رب العزت نے اسے سوچنے سمجھنے والا زرخیز ذہن عطا کیا تھا۔ دنیاوی تعلیمی ڈگریوں کے حصول میں بھی وہ وہاں تک پہنچی جہاں تک پہنچنے والے اکثر نہیں ہوتے اور جن اداروں میں اس نے پڑھا وہ بھی دنیا کے بہترین تعلیمی اداروں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ٹین ایج میں ہی تعلیم کے سلسلے میں امریکہ چلی گئی اور پھر کئی سال وہیں رہی اور وہیں اس نے اپنے رب کے حق کو پہچانا۔

اللہ رب العزت نے انسان کو سوچنے سمجھنے غور کرنے والا دل و ذہن عطا فرمایا ہے۔ جس انسان نے بھی اپنے دل و ذہن پر تعصب، مغربیت اور کِبر کی پٹی نہ باندھ رکھی ہو وہ خواہ مسلمان ہو یا عیسائی، یہودی ہو یا ہندو یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھنے والا یا لادین...... اگر وہ اللہ کا باغی نہ ہو اور اپنے رب سے بغاوت و سرکشی کی خو نہ رکھتا ہو، فطرت کے مشاہدات پر غور و فکر کرتا ہو تو ہو نہیں سکتا کہ وہ جلد یا بدیر اپنے رب کو نہ پائے۔ یہی سب عافیہ کے ساتھ بھی ہوا۔ ایک عافیہ وہ تھی جو اپنی تعلیمی کامیابیوں کی خوشی سے سرشار، یونیورسٹی کا گاؤن پہنے، بے فکری سے مسکراتی، چہرے سے خوشی چھلکاتی تصاویر میں نظر آتی ہے اور پھر ایک وہ عافیہ ہے جسے اس کے رفقاء 'دین دار' کہتے ہیں اور جو امریکہ ہی میں انسٹیٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ اینڈ ٹیچنگ کی سربراہ ہے اور جو قیدیوں کے لیے دینی تربیت کا انتظام کرنے والے ایک ادارے سے بھی منسلک ہے...... اور پھر ایک وہ عافیہ ہے جو اُسی امریکہ کی قید میں ہے جس امریکہ میں اس نے اپنی زندگی کے بہترین سال گزارے ہیں اور جس امریکہ کے اداروں میں پڑھ کر وہ وہ بن گئی جس کی بنا پر اسی امریکہ نے اسے چھیاسی سال کی قید کی سزا سنائی۔ واضح رہے کہ عافیہ نے کسی دینی مدرسے سے تعلیم و تربیت حاصل نہیں کی بلکہ وہ امریکہ کے معروف ادارے ایم آئی ٹی کی گریجویٹ تھیں۔

عافیہ کا جرم کیا ہے کہ جس کی بنا پر انہیں اپنے معصوم بچوں سمیت تیس مارچ ۲۰۰۳ء کو پاکستان کے شہر کراچی سے اس وقت اٹھایا گیا جب وہ اپنے گھر سے ایئرپورٹ جانے کے لیے نکلی تھیں اور پھر پورے پانچ سال تک ان کا کوئی اتا پتا کہیں نہ ملا؟ پاکستانی ایجنسیاں کہتی رہیں کہ ہمارے پاس نہیں ہے اور امریکی کہتے کہ ہم تو خود اس کی تلاش میں ہیں، ہم سے کیا پوچھتے ہو؟ دینے والوں نے گواہیاں بھی دے دیں کہ ۲۰۰۳ء اور ۲۰۰۸ء کے مابین ہم نے انہیں یہاں اور وہاں دیکھا۔ مگر حقیقت کیا ہے؟ یہ عافیہ کا رب ہی جانتا ہے۔ گمشدگی کے اس پورے عرصہ کے دوران اور اس کے بعد عافیہ کس کس کے ہاتھوں کب کب اور کس کس ظلم اور کس کس تکلیف سے گزری اور تاحال گزر رہی ہے، یہ وہی جانتی ہے یا پھر وہ السمیع، البصیر، الخبیر رب۔ جب 'اپنے' ہی بے غیرت ہو جائیں، جب وہی بیٹیاں بیچ کر ڈالر کمانے کو فخریہ بیان کرنے لگیں تو پھر غیروں سے کسی بھی ظلم کا کیا شکوہ!

جملۂ معترضہ کے طور پر ملاحظہ ہو کہ 'قوم' اور 'امت' کی بیٹی (یہ اپنی بیٹی کے ساتھ ہوا ہو تا تو ہم دیکھتے! قوم اور امت کو تو ویسے ہی کون اپنا تسلیم کرتا ہے!) کو ڈالروں کے عوض بیچنے والوں نے تو اپنی کتاب میں بھی ببانگِ دہل اس کارنامے کا اقرار کیا۔ مگر مغربی دجل دیکھیے، کہ دائرۃ المعارف وکی پیڈیا، جسے عموماً معلومات کے حصول کا قابلِ اعتماد ذریعہ ہم سمجھتے ہیں، تک عافیہ کی گرفتاری کی وہی داستان سناتا ہے جو مغربی میڈیا نے نشر کی۔ اللہ رب العزت تو فرماتے ہیں کہ ''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو''، مگر یہاں تو حال یہ ہے کہ مومنین مجاہدین پکار پکار کر ایک بات کہیں مگر جب تک اس بات کو مغربی آقاؤں کی سرپرستی میں چلنے والے جھوٹے، مکار اور دجالی میڈیا سے بیان نہ کیا جائے، ہمیں اس پہ یقین ہی نہیں آتا!

عافیہ کا واحد جرم، جو انہیں نشانِ عبرت بنا ڈالنے کے لیے کافی ہو گیا، وہ ان کا مسلمان ہونا اور اپنی مسلمانیت چھوڑنے پر راضی نہ ہونا تھا۔ فقط اللہ جانتا ہے کہ ان ظالموں نے ان کے ساتھ تو جو ظلم روا رکھا سو رکھا، ان کے بچوں کے ساتھ کیا کچھ کیا۔ ایک بچی کئی سال بعد گھر کے دروازے پر چھوڑی گئی، مگر چھوٹے بیٹے کا تاحال کچھ پتا نہیں۔ یہ کون سا جنیوا کنونشن ہے جس کے تحت قیدی، اور وہ بھی جسمانی طور پر انتہائی نحیف ایک عورت [گرفتاری (کے اعلان) کے وقت ان کا وزن محض اکتالیس کلو گرام تھا] کے اوپر گولی چلانا اور ملزم کے ساتھ ساتھ اس کی اولاد کو بھی سزا دینا جائز ہو جاتا ہے؟ یہ کون سے انسانی حقوق ہیں جن کے تحت کسی انسان کو جبری طور پر لاپتہ کر دیا جاتا ہے تاآنکہ جیلوں سے رہا ہونے والی قیدی جیل میں اس کی موجودگی کی خبر دیں اور منظرِ عام پر جب یہ بات کئی ذرائع سے آجائے تو پھر اس فرد پر، جو ذہنی طور پر پورے ہوش و حواس میں بھی نہ ہو اور جو جسمانی طور پر بھی (شدید زخمی ہونے کے باعث) مقدمہ کا سامنا نہ کر سکتا ہو، پر اپنے ہی طور پر فردِ جرم لگا کر، بلا ثبوت و شواہد ایسی سزا دی جائے کہ جس کو سن کر اہلِ کفر خود بھی اپنے نظام کی ناانصافی اور ظلم کی گواہی دے اٹھیں؟

آج ہم عافیہ کو یکسر بھلا بیٹھے ہیں۔ ہماری اپنی زندگیاں ہیں، ان زندگیوں کے اپنے مسائل، اپنی خوشیاں اپنے غم ہیں، کس کو فرصت ہے کہ 'پرائے' غم میں غلطاں رہے۔ ہم میں سے جو کوئی کبھی خیال آجانے پر عافیہ کے لیے دو حرف دعا کے بھیج دیتا ہے وہ اپنے تئیں ان کا حق کئی گنا ادا کر دیتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عافیہ اور دنیا بھر کی نجانے کن کن جیلوں اور کن کن سیلوں میں قید امت کی ان گنت عافیاؤں کا ہم پر بہت بڑا حق ہے۔ (باقی صفحہ نمبر 64 پر)

مسلمانو! لا الٰہ الا اللہ پر متحد ہو جاؤ!

محترمہ ڈاکٹر فوزیہ صدیقی صاحبہ

محترمہ عافیہ صدیقی صاحبہ کی ہمشیرہ محترمہ فوزیہ صدیقی صاحبہ کی ایک تقریر سے منتخب اقتباسات ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ یہ تقریر شہید عالم حق حضرت مولانا محمد اسلم صاحب شیخوپوری (نوّر اللہ مرقدہٗ) کی عافیہ صدیقی کے حق میں منعقد کردہ ایک تقریب میں کی گئی۔ (ادارہ)

فوزیہ صدیقی صاحبہ، عافیہ صدیقی کی شخصیت کے بارے میں بتاتے ہوئے کہتی ہیں کہ:

”عافیہ ہمیشہ سے ہی بہت ہمدرد طبیعت رکھتی تھی۔ ہمیشہ فرسٹ کلاس فرسٹ مقام پر رہی۔ اس نے جب کبھی بھی کسی مقابلے، کسی امتحان میں حصہ لیا تو فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن اسی کی ہوتی تھی...... قرآنِ کریم سے اسے عشق تھا۔ اس نے از خود قرآن کریم حفظ کیا تھا، اور اس طرح حفظ نہیں کیا تھا کہ محض عربی کے الفاظ یاد کیے ہوں، بلکہ اس نے ترجمہ و تفسیر کے ساتھ (حفظ) کیا تھا، مثلاً آپ اس سے پوچھیں کہ وہ جو غزوۂ احد کی آیات میں منافقین کا تذکرہ ہے تو وہ پورے قرآن میں جہاں کہیں اس موضوع کی آیات ہیں وہ سب اور ان کا ریفرنس تک بتا دیتی۔ اس طرح اس نے قرآن کریم حفظ کیا تھا اور ایم آئی ٹی میں رہتے ہوئے کیا تھا اور ایم آئی ٹی کے بھی فرسٹ کلاس فرسٹ گریڈز لیتے ہوئے۔“

....

ان کے فرصت کے مشاغل، جن سے ان کے دل میں موجود انسانی ہمدردی کا پتا چلتا ہے، کے بارے میں بتاتے ہوئے کہتی ہیں:

”اس کا مشغلہ اولڈ ہومز میں جانا، وہاں ان (بوڑھی) عورتوں کے بال بنانا، ان کی شاپنگ کرنا، ان عورتوں کی خدمت کرنا تھا یا پھر ذہنی معذور جو بچے ہوتے تھے...... ان کے لیے وہ ہر وقت جا کر volunteer (رضاکارانہ طور پر اپنی خدمت پیش) کرتی تھی اور تیسرا کام اس کا پکتھال کے ترجمے والے قرآن کریم کے نسخے مفت تقسیم کرنا تھا (تاکہ گمراہ امریکی قوم راہِ راست پر آجائے)۔“

....

عافیہ صدیقی کے تعلیمی پس منظر اور ان کی علم دوستی اور پاکستان کے نوجوان طبقے کے لیے اعلیٰ تعلیم کی ان کی تڑپ کے بارے میں کہتی ہیں:

”اس کی تعلیمی فیلڈ ایجوکیشن تھی۔ اس کا ایک خواب تھا۔ کہتی تھی کہ پاکستان کے مسائل کا حل نظامِ تعلیم میں ہے...... کم وقت میں زیادہ سے زیادہ علم حاصل کیا جائے اور وہ بھی پر لطف طریقے سے۔ اس نے ایک دس سالہ نصاب بنایا تھا اور اس پورے نصاب میں کہیں اسلامیات کا کوئی مضمون نہیں تھا، میں چونکی اور دیکھا اس کی وضاحتوں میں کہ یہ مضمون کیوں نہیں ہے تو اس میں اس نے بڑا واضح طور پر لکھا ہے کہ ’اسلامیات یعنی اسلام تو مکمل ضابطۂ حیات ہے، یہ تو ہر مضمون کا ایک محور ہے اور اس نے ہر مضمون اور ہر curriculum (نصابِ تعلیم) کو، ہر سائنسی بات کو قرآن کی آیات سے جوڑا کہ چودہ سو سال پہلے سب چیزوں کی بنیاد پڑ چکی ہے، یہ کوئی نئی سائنس نہیں ہے یہ کوئی نئی ایجاد نہیں ہے، یہ اسی کی شاخیں ہیں جو نکل رہی ہیں‘...... یہ ایک ایسا نظام (تعلیم) ہے کہ آج مجھے پتا چل رہا ہے کہ کیوں امریکہ اس سے اتنا خوف زدہ ہے۔“

....

ان کے اغوا اور بعد کے نہایت تکلیف دہ حالات کا مختصر احوال ذکر کرتی ہیں:

”والدہ کی عدت ختم ہونے کے بعد وہ اپنے تین ننھے بچوں، احمد ساڑھے پانچ برس، مریم ساڑھے تین برس اور سلیمان فقط چھ ماہ کا تھا، کو لے کر نکلی ہے اسلام آباد جانے کے لیے اور پھر واپس نہیں آئی...... یہ جو کہتے ہیں کہ عافیہ امریکی شہری تھی، تو عافیہ امریکی شہری نہیں تھی، وہ پاکستانی تھی، اس نے گرین کارڈ بھی نہیں لیا تھا، سٹیزن شپ (شہریت) تو بہت دور کی بات ہے...... عافیہ کو گئے گھنٹہ بھی نہیں ہوا تھا کہ چند افراد آئے اور امی سے کہا کہ تم نے خاموش رہنا ہے نہیں تو چار لاشیں تمہارے دروازے پہ پڑی ہوں گی...... امی نے خوف کے مارے ہمیں (امریکہ میں موجود ڈاکٹر فوزیہ اور ان کے بھائی کو) بھی کچھ نہیں بتایا...... حتیٰ کہ تقریباً پندرہ بیس دن بعد ہم نے امریکہ میں ایم ایس این بی سی کے شو میں بریکنگ نیوز دیکھی کہ عافیہ صدیقی کو امریکہ کے حوالے کر دیا گیا ہے...... یہ اپریل ۲۰۰۳ء کی بات کر رہی ہوں میں!“

....

”واشنگٹن کے اندر مقدمہ کیا ہم نے اور...... ایف بی آئی کا ایجنٹ تھا مائیکل ہیئرڈ، کم از کم اس نے حلف پہ یہی نام بولا تھا، اس نے حلفیہ کہا ’دیکھیں! اگر آپ خاموش رہتے ہیں تو we can assure you she is alive and well, she has committed no crime (ہم آپ کو یقین دہانی کرواتے ہیں کہ وہ زندہ اور بخیریت ہے اور اس نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ اس کے پاس اس کے سابقہ شوہر کی انفارمیشن ہے جس کی وجہ سے اس کی جان خطرے میں ہے اس لیے ہم نے اسے روپوش کیا ہے)‘۔“

....

سالہا سال تک عافیہ صدیقی کی کوئی خیر خبر نہ ملی اور اس کے بعد:

”۲۰۰۶ء میں معظم بیگ رہا ہوئے اور انہوں نے اپنی کتاب میں بگرام میں ایک عورت اور اس کی چیخوں کا بہت دردناک نقشہ کھینچا...... میں نے ہلالِ احمر اور انسانی حقوق کے عالمی اداروں سے

رابطہ کیا کہ معلوم کریں کہ یہ عورت کون ہے۔ عافیہ نہیں تو جو بھی عورت ہے اس کے ساتھ یہ نہیں ہونا چاہیے ...... انہوں نے کہا کہ ہمیں قید خانوں کے دورے کی اجازت نہیں ملی اور انتظامیہ نے کہا کہ یہاں کوئی عورت نہیں ہے، یہ فقط آڈیو ہے جو ہم مردوں کو ٹارچر کرنے کے لیے سنواتے ہیں...... پھر ایوان رڈلی(Yvonne Ridley) کے قیدی نمبر ۶۵۰ کے تذکرے کے بعد...... ایف بی آئی والے ہمارے گھر آئے اور کہا کہ عافیہ ہمیں مل گئی ہے۔"

....

عافیہ کی بازیابی، دراصل اعلانِ گرفتاری کے ڈرامے اور قتل کرنے کی نیت سے انہیں گولیوں کا نشانہ بنانے کے واقعے کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کی جسمانی حالت اور ان پر لگنے والے الزامات کے بارے میں کہتی ہیں:

"عافیہ کے سینے میں جو گولی لگی ہے وہ دل سے صرف ایک سینٹی میٹر کے فاصلے پر ہے، دوسری گولی گردے کو پار کر گئی ہے اور ایک پہلو کی طرف سے جس سے اس کی آنتیں ختم ہو چکی ہیں، چھوٹی آنت پوری نکال دی گئی ہے، یہ ساری چیزیں میڈیکل ریکارڈز میں موجود ہیں...... اور اس حالت میں وہ اسے چند روز بعد امریکہ لے کر گئے اور مقدمہ کیا چلاتے ہیں اس پر کہ اس حالت میں ان کے سات فوجیوں سے اس نے بندوق چھینی اور ان پر گولی چلائی!!

ان کی اپنی لیبارٹری نے کہا کہ اس بندوق پہ انگلیوں کے کوئی نشان نہیں ہیں، یہ گن کبھی چلی ہی نہیں، پورے کمرے کی تلاشی لی گئی، کہیں ایم فور رائفل کی گولیاں نہیں ملیں، کوئی خول نہیں ملا، لیکن عافیہ پھر بھی مجرم قرار دی گئی!"

....

"عافیہ پر جو سات الزامات ہیں ان میں دہشت گردی کا الزام نہیں ہے...... آج بھی جج کے فیصلے میں یہ لکھا ہے کہ 'ہمیں اتنے تشدد کے بعد بھی کوئی ثبوت نہیں ملا عافیہ کے القاعدہ سے تعلق کا، طالبان سے تعلق کا یا کسی بھی دہشت گرد تنظیم یا دہشت گردی سے تعلق کا'۔ اسے چھیاسی سال کی سزا سنائی گئی اور جج کہتا ہے کہ میرے پاس ثبوت نہیں تھے لیکن مجھے ڈیفنس کے دو ملین ڈالر کے دو وکیل جو ہماری حکومت نے کیے تھے، انہوں نے کچھ ایسی چیزیں لکھی تھیں جس سے مجھے یہ ہے کہ میں اس کی سیاسی اور اسلامی سوچ جو ہے اس کی وجہ سے اور اس نے جو کھڑے ہو کے میرے سے باتیں کی ہیں، اس کی وجہ سے میں اس کی سزا بڑھا رہا ہوں۔"

....

عافیہ کے ساتھ ہونے والے دیگر مظالم کے بارے میں بتاتے ہوئے امت مسلمہ کی اکثریت کی بے حسی کا ذکر کر کے کہتی ہیں:

"بھری عدالت میں یہ بات سامنے آئی کہ اسے برہنہ کیا جاتا اور پھر اس کی تلاشی پانچ پانچ مرد لیتے اور قرآن پاک کے اوراق پھینکے جاتے اور اسے کہا جاتا کہ ان کے اوپر چلو گی تو تمہیں لباس ملے گا، اس نے خود زخمی حالت میں عدالت میں آ کر کہا کہ 'کوئی مسلمان ہے یہاں؟ میں کہتی ہوں کہ مجھے میرے کمرے میں رہنے دو۔ اگر میں اپنے بھائی سے ملنا چاہتی ہوں تو بھی یہی کرتے ہیں، اگر میں وکیل سے ملنا چاہتی ہوں تو بھی یہی کرتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ میں تعاون نہیں کر رہی'۔ ٹی وی پر بھی یہ بات سنائی گئی مگر عالم اسلام میں کون ہے جو اس کے لیے کھڑا ہوا؟ جب وہ ایسی حرکتیں کریں گے تو پھر وہ (قرآن پاک کو) کھلے عام بھی جلائیں گے، پھر آپ کھڑے ہوں گے!! جب پانی سر سے گزر جائے تو کھڑا ہونا، (گویا)

؎ یہ ناداں گر پڑے سجدے میں جب وقت قیام آیا!

جب اسے چھیاسی سال کی سزا سنائی گئی تو سگا بھائی عدالت میں موجود تھا مگر جج نے اسے ملنے نہیں دیا۔ اس کی تمام privileges (سہولیات) اس سے واپس لے لیں، ایک سکارف جسے وہ سر پہ پہنتی تھی نقاب کر لیتی تھی وہ بھی چھین کر چیر کر پھینک دیا، یہی نہیں بلکہ اس کا قرآن بھی اس سے لے لیا۔ اس نے آخری مرتبہ یہی کہا تھا کہ میں تو اسی وقت مر گئی تھی جب میرا ننھا شیر خوار بچہ میری گود سے چھینا تھا، جس وقت میرے بچوں کو الگ کیا تھا، لیکن وہ موت (اس کے مقابل) کچھ بھی نہیں تھی جب پہلی مرتبہ میرے کپڑے چھینے تھے۔ افغانیوں (فوج و ایجنسی والوں) نے بھی میرا وہ حشر نہیں کیا جو اس امریکہ نے کیا۔"

....

اللہ کی مدد و نصرت اور عافیہ کے حوصلے کا ذکر کیا:

"کچھ دن پہلے تک جو عافیہ کو 'نان ایشو' سمجھتے تھے، آج عافیہ ان سب کے لیے بہت بڑا ایشو بن گئی ہے اور وہ خود 'نان ایشو' ہوتے جا رہے ہیں، آپ دیکھیں کہ اللہ کس طرح سے اپنے کھیل کھیل رہا ہے۔

عدالت میں دیے گئے عافیہ کے آخری بیان میں سے میں ایک چیز آپ کو بتاؤں گی...... ایک خواب کا اس نے ذکر کیا تھا کہ:

'میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے اسی پنجرے (قید خانے) کے اندر ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ بیٹی! میرے ساتھ چلو۔ مجھے ساتھ لے کر دروازہ کھولا تو وہاں بہت سے امریکی فوجی بیٹھے تھے، پسماندہ، ان کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے اور سر جھکے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر شرمندگی سے ان کے سر مزید جھک گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ فرمائے بغیر اگلے کمرے میں تشریف لے گئے، اگلے کمرے میں بھی یہی حال تھا، سب جو بیٹھے تھے ان سب نے سر جھکا لیے، تیسرے کمرے میں بھی یہی حال تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، (اس نے انگریزی میں جو الفاظ کہے تھے عدالت میں، میں یہاں وہی الفاظ دہراتی ہوں):

"When you have power, learn to be compassionate and merciful and if you lose your compassion and mercy, you will be defeated."[1]

یہ الفاظ انہوںؑ نے تین مرتبہ دہرائے اور پھر (عافیہ کی جانب رخ کر کے) یہی الفاظ دہرائے کہ بیٹی! Be compassionate and merciful[2]۔ عافیہ نے یہ پورا خواب (عدالت میں) سنایا اور پھر کہا: جج صاحب! I forgive you! (میں آپ کو معاف کرتی ہوں)...... اس وقت عدالت میں پانچ سو افراد تھے جن میں گیارہ پاکستانی اور چند مسلمان جبکہ باقی غیر مسلم تھے، مگر ہر آنکھ اس وقت اشک بار تھی جب اس نے کہا! I forgive you۔ جج چونکا اور جواباً کہا:

Thank you! I wish other people were like you.[3]

پھر کہتا ہے کہ

You will now be spending the rest of your life in a federal penitentiary.[4]

تو عافیہ نے کہا:

[5]I beg to differ from you, my fate lies with my Allah and my destiny is with my God.

کہ میری قسمت کا فیصلہ میرا اللہ کرے گا، آپ نہیں کریں گے اور

Mr. Judge! I thank you very very much for letting me graduate from another MIT[6].

جج نے اس کو واپس بلوایا کہ یہ کیا بول کر چلی گئی تو اس نے کہا آپ کی عدالت! The Manhattan Institute of Theatrical Arts[7]، جس پہ سب کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ ہنسی آگئی۔ اتنی بڑی سزا سننے کے بعد وہ سب کو ہنساتی ہوئی وہاں سے گئی، اللہ کے ہاتھ میں اپنی قسمت دے کے...... لوگوں سے کہا کہ، Remember! Compassion and mercy[8]۔ اس نے اتنی بڑی قربانی دی کہ پوری قوم بلکہ دنیا کے ہر خطے میں لوگ کھڑے ہوئے۔ اس نے دکھایا کہ اے امت مسلمہ! تمہارے مسائل کا حل بہت آسان ہے، کہ تم متحد ہو جاؤ۔ یہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں، کوئی ان سے خوف نہیں کھاتا، خوف ہے تو جامع مسجد کا، تم لا الہ الا اللہ پر متحد ہو جاؤ!"

★★★★★

بقیہ: عافیہ!

کئی سال قبل پاکستانی ایجنسیوں کی قید سے ایک بزرگ رہا ہوئے تو انہوں نے بتایا کہ جس خفیہ قید خانے میں انہیں رکھا گیا تھا وہاں سوات سے اٹھائی گئی کئی خواتین اپنے بچوں کے ساتھ موجود تھیں اور دن رات ان کی دل دہلا دینے والی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ ایک مسلمان عورت اگر کفار کی قید میں چلی جائے تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے جبکہ آج تو ہم میں سے کتنوں کی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں، کوئی 'اپنوں' کی تو کوئی 'غیروں' کی قید میں ہیں، کیا ہم پر اب تک جہاد فرض عین نہیں ہوا ہے؟

عافیہ گویا زبانِ حال سے کہہ رہی ہیں کہ

میری خاموشیوں میں لرزاں ہے
میرے نالوں کی گمشدہ آواز

عافیہ اور اس جیسی کئی دیگر عافیاؤں کے یہ نالے سنے جائیں گے، اس دربار میں کہ جہاں سب کی شنوائی ہوتی ہے۔ پھر وہاں عافیہ بھی پیش ہوں گی، ان کی قیمت لگانے والے بھی اور ان کے خریدار بھی...... اور وہاں وہ پوری امت بھی پیش ہو گی جو اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی خاموش تماشائی بنی رہی، اور اس دن بادشاہت صرف اور صرف اللہ الواحد القھار کی ہو گی، پھر جس نے ذرہ برابر ظلم کیا ہو گا وہ بھی اپنا بدلہ پالے گا اور جس نے اطاعت و بندگی کی ہو گی وہ بھی اپنا حصہ پالے گا۔ پس اس دن کے آنے سے پہلے اپنی دائمی خوشیوں کا سامان کرنا ہی عقل مندی ہے۔ عقل مند وہ ہے، بمطابق حدیث، جو آخرت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرلے۔ اللہ ہمیں اس امت کے مظلومین کا حق ادا کرنے والا بنادے، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

[1] قوت کے وقت مہربان اور رحم دل بننا سیکھو، اگر تم ہمدردی اور رحم گنوا دو گے تو تم شکست کھا جاؤ گے۔

[2] مہربان اور رحم دل بنو۔

[3] شکریہ! کاش کے دیگر لوگ بھی تمہاری طرح ہوتے

[4] تم اپنی بقیہ زندگی ایک وفاقی اصلاحی قید خانے میں گزارو گی۔

[5] میں آپ سے اختلاف کی جسارت کرتی ہوں، میری قسمت میرے اللہ کے ہاتھ میں ہے اور میرا نصیب میرے رب کے اختیار میں ہے۔

[6] جج صاحب! میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے ایک اور ایم آئی ٹی سے فارغ التحصیل ہونے دیا۔

[7] یہ مزاحیہ سی اصطلاح عافی صاحبہ نے بنائی جس کا لغوی معنی ہو گا 'ادارۂ مین ہیٹن برائے فنونِ اداکاری'

[8] یاد رکھیے! ہمدردی اور رحم دلی

۳۰ مارچ، عافیہ اور ہم

معین الدین شامی

ایک زمانہ تھا جب تحریکِ آزادیٔ کشمیر زوروں پر تھی۔ پاکستان میں جلسے ہوا کرتے تھے، جلوس نکلتے تھے اور بڑے پیمانے پر جہاد فنڈ جمع کیا جاتا تھا۔ شہدائے کشمیر کی فلمیں دکھائی جاتی تھیں، مجاہدینِ کشمیر جلسوں جلوسوں میں ترانے پڑھا کرتے تھے اور تقریریں کیا کرتے تھے۔ کسی کشمیری مجاہد کی ایک جھلک دیکھنا باعثِ سعادت سمجھا جاتا تھا۔ کشمیر میں آئے روز جہادی کارروائیاں ہوتی تھیں۔ آج اتنے ہندو فوجی ہلاک، اتنے زخمی......اور اہلِ ایمان کے سینے یہ خبریں سن کر ٹھنڈے ہوتے تھے۔ نوجوان کبھی دریائے نیلم اور کبھی دریائے جہلم میں تیرتی کسی عفت مآب کشمیری بہن کی عصمت سوختہ، تشدد زدہ، برہنہ لاش بہتی دیکھ کر جینے مرنے کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔ کہیں ابنِ قاسم کو یاد کیا جاتا تھا، کبھی معتصم باللہ کا قصہ سنایا جاتا۔ میں خود بعض ایسے اجتماعات میں شریک ہوا جہاں بتایا جاتا تھا کہ اے مسلمانو! تم پر جہاد فرضِ عین ہے! اور جہاد کب فرضِ عین ہوتا ہے اس کا بیان کبھی کوئی عالم کرتا تو کبھی کوئی عامی!

پھر زمانے کے انداز بدلے گئے۔ آئی ایس آئی نامی باجے نے ساز بدلا۔ پرویز مشرف نے ایک بار کہا اور سارا راگ ہی بدل ڈالا گیا لیکن ہم پھر بھی ایک جہادی ولولہ دیکھتے رہے۔ آہستہ آہستہ یہ کم ہوتا گیا۔ کشمیر میں جہادی کارروائیاں رک گئیں۔ پہلے ہم کشمیر چھین کر لینا چاہتے تھے، اپنی غصب شدہ چیز لی بھی ایسے ہی جاتی ہے...... پھر ہم سننے لگے کہ کشمیریوں کو ووٹ کا حق دیا جائے کہ وہ کس کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں...... اب صرف یہاں جلسے ہوتے تھے اور فنڈ جمع کیا جاتا...... پھر یہ بھی ختم ہونے لگا۔ پھر چند برس گزرے کہ ہم خبروں میں سنا کرتے اور پڑھتے کہ آج مظفر آباد اور اسلام آباد میں قائم اقوامِ متحدہ کے دفتر میں کشمیریوں کو حقِ خود ارادیت دلانے کے لیے قرارداد جمع کروائی گئی ہے۔ اب یہ بھی خبروں سے اکثر غائب ہی رہتا ہے۔ اب ہمارے پاس کشمیر کی آزادی سے بہتر کام ہیں۔ ایک لاکھ شہدا...... شہدا تو تحریکات میں ہوا ہی کرتے ہیں...... یہاں ہونا کون سی نئی بات ہے؟

۳۰ مارچ، ۲۰۰۳ء کو دیبل کے پاس واقع، پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں اپنے گھر سے ایک مسلمان، نہتی، عفت مآب بہن اپنے تین معصوم بچوں سمیت ایئر پورٹ جانے کو نکلی۔ راستے میں ابنِ قاسم کی اپنے آپ کو غیرت ولاکار بتانے والے محافظوں کی جانب سے روکی گئی۔ اغوا ہوئی۔ پھر کسی کیمپ کے جیل خانے پہنچی۔ یقیناً اس کیمپ کی بیرونی دیوار پر بھی ”ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ“ کا نعرہ دیگر کیمپوں کی طرح لکھا ہو گا! پھر یہ بہن بیچی گئی، بھاؤ لگا، ”بھائیوں“ نے اپنے آپ کو دلال بتایا۔ خریدار، ”بھائیوں“ کا روحانی باپ امریکہ تھا۔ پھر یہ بگرام جیل میں پہنچی۔ اس بے چاری کا کوئی نام بھی نہیں تھا یہ بس قیدی نمبر چھے سو پچاس تھی۔ صبح شام درندہ صفت بھیڑیے اس کی عزت تار تار کرتے۔ پھر یہ عورت بگرام سے امریکہ پہنچائی گئی۔ وہی درندگی اب بلادِ کفر میں دہرائی جاتی۔ چند برس مزید گزرے اور اس عورت کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ جرمِ مسلمانی ثابت ہوا، چھیاسی سال کی قید سنائی گئی۔

۲۰۰۳ء سے ۱۲۹۱ سال پہلے بھی دیبل کے پاس ایک مسلمان بہن گرفتار ہوئی تھی۔ حجاج بن یُوسُف جیسا ظالم اس وقت عراق کا عامل ہوا کرتا تھا۔ اس بہن کی پکار حجاج جیسے کے کان سے ٹکرائی۔ ایک لشکر بھیجا، دوسرا بھیجا ناکامی ہوئی۔ پھر ایک بڑا لشکر بھیجا گیا۔ اس کا سپہ سالار حجاج نے اپنا بھتیجا اور داماد محمد بن قاسم مقرر کیا۔ جنگ ہوئی اہلِ ایمان سندھ و ہند میں شان کے ساتھ داخل ہوئے۔ بہن بیٹیاں آزاد ہوئیں، اسلام کا پرچم بلند ہوا۔ آج برِّ صغیر میں اسلام اور ہمارے اہلِ اسلام ہونے کی سب سے بڑی وجوہات میں سے ایک محمد بن قاسم کی یہاں فاتحانہ آمد ہے۔ آج بھی وہی دیبل تھا، مگر کہانی الٹ ہو گئی تھی...... میرے گھر کے اجالے میرے راہزن ٹھہرے تھے۔

کون ہے عافیہ صدیقی؟ قیدی نمبر چھے سو پچاس کون ہے؟ کب اٹھائی گئی؟ کون لے گیا؟ کہاں ہے؟ تلاش کی گئی۔ مظاہرے ہوئے۔ امریکہ کے پتلے بنائے گئے، یہ پتلے پھاڑے گئے، جلائے گئے، ان پتلوں کو مارا گیا، ان کو گالیاں دی گئیں۔ بڑے بڑے جلسے ہوئے۔ عافیہ صدیقی کے گھر کے باہر مظاہرین دن رات رہا کرتے تھے۔ ہم عافیہ کو گھر لائیں گے۔ نعرے لگے، شور اٹھا۔ ہم ہی ابنِ قاسم کے بیٹے ہیں۔ عافیہ کو کسی نے قوم کی بیٹی کہا، کسی نے امت کی بیٹی۔ کسی نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی مصیبت زدہ بیٹی کے حق میں ترانے پڑھے۔ کسی نے آبروئے امتِ مرحوم کہا۔ کہا گیا، امریکی جج کو خطوط لکھے جائیں، سزا رکوائی جائے۔ فیصلہ بدلوایا جائے۔ نجانے کس کس امریکی، پاکستانی، یورپی اور عالمی ٹھیکے دار اور دلال کو خط نہیں لکھے گئے۔ بلا مبالغہ کروڑوں روپے خرچ کیے گئے۔

عافیہ ۳۰ مارچ کو اٹھائی گئی تھی۔ اب ہر سال اس تاریخ کو جلسہ ہوتا، پارلیمان میں کوئی قرارداد منظور ہوتی۔ غیرت جس کا نیا نام ہمت رکھا گیا تھا اور ہمت جو کم ہو گئی تھی، لیکن کچھ تھی تو مظاہرے، خطوط، جلسے، ان کا سلسلہ رواں رہا۔ پھر یہاں بھی وہی ہوا جو جہادِ کشمیر کے ساتھ ہوا تھا۔ سیکڑوں بہنوں کی آبروریزی بھلائی جا سکتی ہے۔ نیلم و جہلم میں عصمت دریدہ، تشدد زدہ برہنہ لاشیں جہاں غیرت یا ”ہمّت“ کے نام پر خاموشی سے دیکھی جا سکتی ہیں وہیں، اسی صف میں، اسی فہرست میں ایک نام اور بھی گوارا کر لیا گیا...... عافیہ صدیقی!

جلسے، قراردادیں، مظاہرے، خطوط، جلوس، دعائیں، یہ سب کم ہونے لگے۔ پھر آج سنہ دو ہزار بیس کی ۳۰ مارچ بھی آئے گی۔ اب اس تاریخ کو قومی ”ہمّت“ کے سب روایتی مذہبی و

قومی جوش و خروش سے بھی نہ 'منایا' جائے گا! وہ جیتی ہے یا مرتی ہے...... اب اس کو چھڑانے کی ہمت نہیں رہی۔

یہ قومِ مسلماں بھول گئی ہے کہ آقا نبی جی علیہ الصلاۃ والتسلیم نے یہودِ مدینہ کو کیوں قطار میں کھڑا کر کے قتل کروایا تھا۔ طارق بن زیاد نے کشتیاں جلانے کا دیوانہ پن کیوں کیا تھا؟ معتصم باللہ کو اپنے تخت پر کیوں چین میسر نہ رہا تھا۔ محمد بن قاسم نے کیوں شہزادگی کو لات ماری تھی؟ اسامہ بن لادن کیوں فلسطینی بہنوں کے ہاتھوں میں "اسامہ تم کہاں ہو؟" کے کتبے دیکھ کر رویا تھا اور پھر صلیبی و صہیونی لشکروں کو خون میں نہلا کر، بالآخر خود بھی قتل ہوا تھا؟ دسیوں نوجوانوں نے اپنے جسم پر کیوں گولہ بارود باندھ کر دشمن کی صفوں میں اپنے آپ کو جلایا اور اڑایا تھا؟

ہاں...... جانتے ہیں کہ ان سب نے ایسا کیوں کیا تھا اور ہم آج مذہبی و قومی جوش و جذبے کے بغیر ہی یہ ۳۰ مارچ 'منا' کر سکون سے بیٹھے ہیں۔ ان کے ہاں غیرت بڑی چیز تھی اور ہم نے غیرت کو "ہمّت" کہا تھا۔ پھر ہمّت کم ہو گئی تھی۔ ہم نے کروڑوں روپے مظاہروں، جلسوں اور خطوں میں ضائع کیے تھے لیکن یہی پیسہ اگر راہِ غیرت میں خرچ کرتے... کوئی خنجر خریدتے، کوئی نیزہ لیتے، کوئی تلوار لاتے، کہیں سے پستول منگواتے تو عافیہ اپنے گھر سے کچھ قریب ہوتی۔

مگر ابنِ قاسم کے بیٹے تو گھروں میں سو رہے تھے ہم! عافیہ چیخ چیخ کر گلا پھاڑ بیٹھی تھی۔ وہ دن میں کئی کئی بار صلیبی کتوں کے سامنے برہنہ ہو کر مر رہی تھی۔ وہ دن میں کئی کئی بار عصمت دری کا نشانہ بن کر مر رہی تھی۔ اسے اپنی عزت لٹنے اور قید میں ہونے کا غم اتنا نہ تھا...... زیادہ غم تو اپنے غیرت مند بھائیوں، بیٹوں کی "ہمّت" کا تھا۔ پھر دو ہزار سولہ کی ۳۰ مارچ کو اس کے قتل کی خبریں بھی گردش میں تھیں۔ لیکن وہ تو تبھی ہمارے لیے مر گئی تھی جب ہماری آنکھوں کے سامنے آج سے سترہ برس پہلے وہ اغوا کر کے بیچی گئی تھی، اس لیے ہمیں اس بار اس خبر کی پروا بھی بس واٹس ایپ میسج اور فیس بک پر تبصروں کی حد تک تھی۔ ہم انّاللہ پڑھنے کی حد تک رہ گئے تھے۔ بھول گئے تھے کہ انّاللہ کو بنی آدم میں سب سے پہلے پڑھنے والے محمد رسول اللہ، نبی الملاحم نے بدر میں لا کر اپنا اور اپنے صحابہ کا جسم و سر ڈالا تھا پھر دست بدعا ہوئے تھے، صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہم اجمعین۔

کل وہ عافیہ واقعی مر بھی جائے گی تو کیا ہو گا؟ کچھ بھی نہیں ہو گا۔ ہم کھانا بھی کھائیں، سوئیں گے بھی، دن کو کمائیں گے، ہنسیں گے، مسکرائیں گے، گائیں گے، جئیں گے...... اور کیا ہو گا، ہاں انّا للہ بھی پڑھ لیں گے۔

ظاہر ہے بہن کے مرنے کا غم اہلِ غیرت کو اتنا نہیں ہوتا جتنا اس کی عزت لٹنے کا ہوتا ہے۔ عزت لٹ گئی ہمیں کچھ نہ ہوا وہ مر جائے گی تو کیا ہو جائے گا؟

قوم و ملت کے لوگ، امت کے لوگ ایک دوسرے سے ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو گراتے اٹھاتے نہیں ہیں۔ میں نے بھی گرایا اٹھایا نہیں ہے، غیرت چیک کی ہے...... بلکہ غیرت پر نوحہ پڑھا ہے...... کہ عافیہ کی عزت نہیں لٹی، عافیہ نہیں مری بلکہ میری اور آپ کی "ہمّت" نامی غیرت کی عزت تار تار ہوئی ہے، غیرت کے نام پر قتل نہیں ہوا، غیرت کا قتل ہو گیا ہے! اس پر واقعی حق ہے کہ پڑھا جائے...... انّاللہ وانّاالیہ راجعون!

امن کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ پاکیزہ دینِ اسلام یہ عقیدہ دلوں میں راسخ کرتا ہے کہ "امن" اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اور امن کو ربّ العالمین نے شریعت کی اتباع کے ساتھ مشروط کیا ہے۔

جتنا زیادہ کوئی معاشرہ شریعت سے دور، آخرت سے غافل اور ربّ کی گرفت سے بے خوف ہو گا، اتنے ہی زیادہ وہاں جرائم پھیلیں اور پھلیں پھولیں گے!

معاشرے میں اللہ کا خوف اور ربّ کے سامنے جوابدہی کا احساس زندہ ہونا بذاتِ خود جرائم کی روک تھام اور امن کے قیام کی سب سے بڑی ضمانت ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہؓ کے پاکیزہ معاشرے میں کسی پولیس یا انتظامیہ کے گشت کے بغیر ہی محض ایک حکم آنے پر جاموں میں بھری اور لبوں سے لگی شراب چھوٹ گئی، بلکہ بعض حضرات جو کچھ پی چکے تھے اور مزید پی رہے تھے، انہیں نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ حرام کی گئی شراب ان کے پیٹ میں رہے اور انہوں نے زبردستی قے کر کے اس کو نکالا۔

یہ اسلامی نظام کے نفاذ کی برکت، خوفِ خدا پر قائم اس بابرکت معاشرے ہی کا امتیاز تھا کہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر زنا کرنے والے بھی خود چل کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے اور سنگساری جیسی سخت ترین سزا اپنے اوپر قائم کرنے کا مطالبہ کیا!

پھر امنِ عامہ کی حفاظت کے لیے شریعت نے اگلا قدم یہ اٹھایا کہ معاشرے کے ہر فرد کو 'نہی عن المنکر' کا فریضہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

پس اس بات کا بآسانی تصور کیا جا سکتا ہے کہ جس معاشرے کا ہر فرد ظالموں، قاتلوں، ڈاکوؤں، چوروں، غاصبوں وغیرہ کو روکنا اپنا شرعی فرض سمجھے وہاں جرائم کا ارتکاب کتنا مشکل ہو جائے گا؟

(شہیدِ عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ)

(بحوالہ: 'اہلِ پاکستان ایک فیصلہ کن دوراہے پر!')

عافیہ صدیقی کے وکیل کا انٹرویو

ذیل میں عافیہ صدیقی صاحبہ کے وکیل چارلس سوئفٹ کا ’عافیہ صدیقی کے مقدمے‘ کے احوال پر مبنی انٹرویو ہے، جو اوریا مقبول جان نے لیا ہے۔ اس انٹرویو کا ایک منتخب حصہ شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

اوریا مقبول جان: حکومتی وکلا نے عافیہ کے خلاف کس قسم کا مواد ثبوت کے طور پر پیش کیا؟

چارلس سوئفٹ: استغاثہ کا بنیادی ثبوت سپاہیوں کی اپنی شہادتیں تھیں، دس سپاہیوں، دو ایف بی آئی کے ایجنٹوں اور ایک مترجم نے حکومت کی جانب سے گواہی دی۔ ان سب نے ایک ہی کہانی مختلف انداز میں سنائی۔

بعض سپاہیوں نے کہا کہ اس (عافیہ) نے کئی مرتبہ، پندرہ بیس مرتبہ، فائر کیے۔ میرا خیال ہے کہ اکثر لوگ اسے ناقابل اعتبار سمجھ کر اس پر یقین نہیں کریں گے۔ لیکن عمومی کہانی یہ تھی کہ انہوں نے ان (فوجیوں) پر دو مرتبہ فائر کیا اور گولیاں ان کے سروں کے اوپر سے گزر گئیں۔ یہ ان کا ثبوت تھا۔ انہوں نے اس کی تائید میں کوئی forensic (قانونی) ثبوت فراہم نہیں کیا اور یہی وہ وجہ ہے کہ مقدمہ میری جانب مڑ گیا۔ کیونکہ میں نے تھیوری یعنی قاعدے سے بات شروع کی۔ قاعدہ یہ تھا کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک کمرے کے اندر دو گولیاں چلائی جائیں اور وہ کوئی ثبوت نہ چھوڑیں۔ میں نے دیکھا کہ افغانیوں نے بھی جب تفتیش کی تو انہیں بھی فائر شدہ بندوق کا کوئی ثبوت نہیں ملا جیسا کہ عافیہ صدیقی نے دعویٰ کیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے کپڑوں پر گن پاؤڈر (بارود) کی باقیات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جب بھی کسی ہتھیار سے فائر کیا جائے تو گن پاؤڈر کی باقیات ارد گرد موجود ہونی چاہییں، مگر وہ نہیں تھیں، جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ بندوق سے گولی نہیں چلائی گئی۔

البتہ ہمیں پستول کے فائر کے کافی ثبوت ملتے ہیں، پہلا تو عافیہ صدیقی کے زخم ہیں، دوسرا یہ کہ ان کے پیچھے جو دیوار ہے اس میں کافی بڑا سوراخ ہے جہاں گولی جا کر لگی، تیسرا ہم نے گولی نکال لی تھی، چوتھا ہم نے گولی کا خول برآمد کر لیا، اور سپاہی کے ہاتھوں اور اس کے کپڑوں پر گن پاؤڈر کی باقیات تھیں البتہ ڈاکٹر صدیقی کے کپڑوں پر تو نہیں مگر ان کے زخم کے آس پاس کچھ گن پاؤڈر موجود تھا۔

اوریا مقبول جان: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے خلاف مقدمہ مضبوط نہیں تھا۔

چارلس سوئفٹ: جی ہاں! بہت سے ثبوت ناقص اور قابلِ تردید تھے۔ مگر سب سے اہم شہادت ان کے پاس سپاہیوں کی تھی جنھوں نے کہا کہ انہوں نے ان کے سر کے اوپر دو فائر کیے۔ انہوں نے ایک تصویر دکھائی جس میں دیوار میں دو سوراخ تھے۔ وہ ہموار دیوار تھی اور جنھوں نے تصویر پیش کی اور دعویٰ کیا کہ یہ گولی کے سوراخ ہیں وہ دیواروں (کی ساخت) کے بارے میں زیادہ علم نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ پاکستان اور افغانستان میں موجود مٹی کی دیواروں میں جب گولی لگتی ہے تو ایسا نشان نہیں رہتا۔ جس طرح مغرب کی دیواروں میں گولی دھنس جاتی ہے اور سوراخ بنا دیتی ہے، اس طرح یہاں ان دیواروں میں نہیں ہوتا۔ یہ دیواریں گولی کو واپس دھکیلتی ہیں نتیجتاً مٹی تو اکھڑ جاتی ہے مگر گولی کی طرح کا کوئی سوراخ نہیں بنتا۔ اور میں یہ سب اپنے تجربے کی بنیاد پر جانتا ہوں۔ تاہم اس ثبوت کے بعد میں نے ڈاکٹر صدیقی کی اس فلم کا بھی جائزہ لیا جس میں کیمرہ ایک دفعہ کمرے میں گھومتا ہے، اور سپاہیوں کے اس کمرے میں داخل ہونے سے پہلے سے ہی دیوار پر وہ سوراخ موجود تھے۔ سپاہی دراصل سوراخ دکھا کر یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ لوگ یقین کر لیں گے کہ عافیہ نے فائر کیا ہے۔

اوریا مقبول جان: کیا آپ نے تمام ثبوتوں پر جرح کی؟

چارلس سوئفٹ: جی ہاں میں نے کی ہے۔ میں نے تمام پر تو نہیں البتہ بیشتر پر جرح کی ہے۔

اوریا مقبول جان: بیانات میں کوئی تضاد سامنے آیا؟

چارلس سوئفٹ: جی ہاں بیانات میں بہت زیادہ تضادات تھے......

★★★★★

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

سیرت فقط اللہ کے نبی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تاریخ اسلام کا آغاز ہے۔ حضرت محمد بن سعدؓ ابنِ وقاص فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کے نبی صلی اللہ کی زندگی کو پڑھا کرتے تھے اور اس کو مغازی کہتے تھے کیونکہ حضور ﷺ کی زندگی کا بڑا حصہ غزوات میں گزرا۔ علی بن حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ ہمیں آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ یوں کروایا گیا تھا جیسے قرآن شریف کا۔ آخری نقطے کی سمجھ یوں بھی آتی ہے کہ اگر ہمیں انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں کا مطالعہ کرنا ہو تو ہم قرآن کی جانب رُخ کرتے ہیں، جبکہ حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی کے فقط کچھ حصے قرآن میں مذکور ہیں اس لیے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں جاننے کے لیے ہم سیرت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

(شہید داعی الی اللہ، شیخ انور العولقی رحمہ اللہ)

مارچ اور عورت مارچ

اثم عمار

اردو زبان کا ایک محاورہ ہے 'بھیڑ چال'، جس کا معنی ہے بے سوچے سمجھے، دیکھا دیکھی کام کرنا۔ غالباً یہ محاورہ بھیڑوں کے ریوڑ کو دیکھ کر ہی تجویز کیا گیا ہو گا کہ بھیڑیں سر جھکائے، مٹکتی مٹکتی، ایک کے پیچھے دوسری، چلی جاتی ہیں اور بس چلی ہی جاتی ہیں۔ کہاں؟ یہ تو شاید اگلی بھیڑ کو پتا ہو گا اور پھر اس سے اگلی اور پھر شاید ہانکنے والے ہی کو پتا ہو گا کہ بھیڑیں کہاں جا رہی ہیں۔

کچھ ایسا ہی معاملہ خواتین کا بھی معلوم ہوتا ہے؛ سیدھی سادی، شریف، باحیا، گھریلو قسم کی خواتین کا نہیں، جو الحمدللہ اب بھی معاشرے کی اکثریت ہیں، بلکہ 'سوشل ورکر'، 'فیمینسٹ'، 'ویمن ایمپاورمنٹ' کی علم بردار، مردمار قسم کی شترِ بے مہار یعنی بے نکیل خواتین کا۔ ہسپانیہ میں (جو کبھی اندلس ہوا کرتا تھا اور اسلام کے ماتحت علوم و فنون اور ترقی کا مرکز تھا) فحش لباس میں ملبوس (معلوم نہیں ملبوس کہنا بھی چاہیے یا نہیں!) سیکڑوں خواتین بازو لہرا لہرا کر ریاست، جج، پولیس کو ریپسٹ[1] قرار دے رہی ہیں۔ ویسے وہ اگر بازو لہرا کر اشارے کرنے سے پہلے ذرا نظر جھکا کر اپنے حلیے ملاحظہ کر لیتیں تو شاید اتنے زور و شور سے یہ نعرے نہ بلند کر پاتیں...... خیر! اپنے گریبان میں کون جھانکتا ہے اور پھر جہاں گریبان چاک ہو یا سرے سے گریبان کا وجود ہی نہ ہو......! اگلے منظر میں گنتی کی چند پاکستانی خواتین (جو اگر خود کو مسلمان قرار دیتی ہیں تو مسلمانوں کے نام پر دھبہ ہیں) بے ہودہ حلیوں میں قطاریں بنائے پی ٹی کے سے انداز میں انگلیاں نچا نچا کر ملّا اور مذہب کے ٹھیکیدار کو جاگیر دار اور سرکار کو ریپسٹ قرار دے رہی ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے بھلا ملّا اور مولوی صاحبان نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ وہ تو اسی ریپ اور جنسی ہراسگی سے بچانے کے لیے تمہیں اللہ رب العزت کا دیا ہوا حکم وَ قَرْنَ فِی بُیُوْتِکُنَّ سناتے اور سمجھاتے ہیں اور مرد و عورت دونوں کو ہی غضِّ بصر کی قرآنی رہنمائی سے روشناس کرواتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ تم جیسی عورتیں ذہنی مریض ہیں۔ وہ چاہتی یہ ہیں کہ وہ بن ٹھن کر نکلیں، مردوں سے آزادانہ اختلاط کریں، مرد ان کو دیکھیں، انہیں سراہیں، ان سے استفادہ کریں، جب اور جیسے چاہیں' مگر شرط یہ ہے کہ اس میں تمہاری رضا شامل ہو۔ اگر تم راضی ہو تو مسئلہ نہیں، زنا بالرضا پر تو تمہارے یہاں کوئی قدغن ہے بھی نہیں، اور اگر تم ذرا بگڑ گئیں تو حقیقی شوہر کے ہاتھ لگانے پر بھی marital rape کا مقدمہ درج ہو جائے گا۔ تم تو اتنی ذہنی مریض ہو کہ آج اگر یہ مرد تمہاری طرف دیکھنا اور تمہیں توجہ دینا چھوڑ دیں، ہر مرد تمہیں دیکھ کر منہ پھیر لے اور تم سے بات کرنا گوارا نہ کرے تو تم ہی ہو جو پھر اس کے پیروں میں پڑ کر اسے اپنی جانب مائل کرو گی۔

تم کہتی ہو کہ تم خواتین کے حقوق کی علم بردار ہو اور تم خواتین کی آزادی چاہتی ہو! بتاؤ تو ذرا کہ وہ کون سے ایسے حقوق ہیں جو اسلام نے خواتین کو نہیں عطا کیے اور کون سی ایسی آزادی ہے جس سے اسلام نے مسلمان عورت کو محروم رکھا ہے؟ مگر حقیقت یہ ہے کہ جسے حرام کی چاٹ لگ جائے اسے حلال کب پسند آتا ہے (جیسے اللہ کی مار ان چینیوں پر کہ اللہ رب العزت نے دنیا بھر دی حلال اور پاکیزہ رزق سے مگر یہ ہیں کہ وہی مردار کتے بلّیاں سور اور اپنی مردہ اولاد کھا کھا کر کبھی سوائن فلو تو کبھی کورونا وائرس کا شکار ہوئے جاتے ہیں)۔ تمہیں دیکھ کر یہ سمجھ آتا ہے کہ شیطان کا چھوا کیسا باؤلا ہوتا ہے۔

اگر تم نے عورتوں کو حقوق ہی دلوانے ہیں تو سب سے پہلے ان عورتوں کو ان کے جائز حقوق دو جو تمہارے اپنے ماتحت ہیں، تمہارے گھروں میں کام کاج کرتی ہیں اور تمہارے اپنے گھروں میں ہی ان پر ظلم و جبر روا رکھا جاتا ہے، ان کی تنخواہیں روک لی جاتی ہیں، انہیں مار پیٹ کی جاتی ہے اور تمہارے اپنے گھروں میں وہ استریوں سے جلائی جاتی ہیں اور تمہارے اپنے ہی گھروں میں تمہارے اپنے ہی مرد ان کو ریپ کرتے ہیں۔

تم نے عورت کے حقوق ہی کی بات کرنی ہے تو کیا عافیہ صدیقی عورت نہیں ہے؟ کیا اس پر ظلم نہیں ہو رہا؟ کیا اسے ایک قیدی کی حیثیت سے بھی اس کے جائز حقوق دیے جا رہے ہیں؟ کیا ایمپاورمنٹ اس کا حق نہیں ہے؟ جب تک وہ امریکی یونیورسٹی میں فل اسکالرشپ پر تعلیم حاصل کر رہی تھی تو وہ تمہاری آئیڈیل تھی اور اب جب اس کے لیے آواز اٹھانے کا وقت ہے تو تم اس کا نام تک بھول گئیں!

تم اس عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہو جو گھر داری کرتی ہے، اپنی عزت اور حیا کی محافظ ہے، اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی ذمہ دار ہے، اپنے رب کی خوشنودی اور اس کے تحت اپنے شوہر کی رضا حاصل کرنا چاہتی ہے، اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا بیڑا اٹھاتی ہے اور اپنے گھر کے افراد کو ایک پر سکون زندگی فراہم کرتی ہے تاکہ وہ ایک پر امن اور پر سکون معاشرے کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کریں؟ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مفہوم ہے کہ لوگ حسن، مال اور خاندانی وجاہت دیکھ کر شادی کرتے ہیں مگر (اے مسلمانو!) تم نیکی اور تقویٰ دیکھ کر نکاح کرو۔ اور ایک اور حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ بہترین متاع صالح بیوی ہے۔

اب ذرا آنکھوں سے تعصّب کی پٹی اتار کر دیکھو تو تمہیں نظر آئے کہ تم تو اس گھر داری کرنے والی شریف باحیا عورت کے پاؤں کی جوتی کے برابر بھی نہیں ہو۔ گھریلو عورت اتنی ذہین ہے اور

[1] Rapist: زنا بالجبر کرنے والا

اسے اللہ رب العزت نے اتنی زبردست انتظامی صلاحیتیں عطا کر رکھی ہیں کہ نا صرف وہ اپنے گھر کا بجٹ بناتی اور اسے قابو میں رکھتی ہے بلکہ ضروریات کے آنے سے پہلے ان کے لیے منصوبہ بندی اور بچت بھی کرتی ہے۔ ایک بزرگ نے جب اپنی اولاد کی شادیاں کیں تو کہنے لگے کہ مجھے اپنے ایک بھی بچے کی شادی پر ذرہ برابر بھی مشکل نہیں ہوئی کیونکہ میری بیوی نے اتنے سلیقے اور ہنر مندی کے ساتھ قبل از وقت تمام تیاری کر رکھی تھی کہ میرے سر پر کوئی ایک بوجھ بھی اچانک نہیں آن پڑا اور میں بخوبی اپنے فرائض سے سبکدوش ہو گیا، الحمد للہ۔ پھر یہی وہ گھر دار عورت ہے جو سارے خاندان کو، سسرال اور میکے کو جوڑ کر رکھتی ہے۔ آپ نے اگر سیاسی مصالح سیکھنے ہوں تو بھری برادریوں کے بیچ بسنے والی اس گھریلو عورت سے سیکھیے۔ کس خوبی سے وہ اپنے شوہر کے رشتہ داروں سے نبھاتی ہے اور یوں اپنے شوہر اور اپنے خاندان کے نزدیک معزز، محبوب و محترم ٹھہرتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے میکے سے منسلک تمام رشتوں سے بھی اپنا ناتا نہیں توڑتی۔ بہت سی خواتین کی ایسی مثالیں موجود ہیں جن کے شوہروں نے سالہا سال سے اپنے خاندان سے قطع تعلق کر رکھا تھا، مگر یہ وہ صالح اور صلح جو بیویاں تھیں جنہوں نے اپنے شوہروں کو دوبارہ ان کے خاندانوں سے جوڑا اور ان کے تعلقات بحال کروائے۔

یہ گھر دار عورت وہ ہے جو "اپنے" شوہر کی نگاہ اور حیا کی حفاظت کی ضامن ہے۔ یہ وہ نہیں ہے جس کی وجہ سے دوسروں کے گھر برباد ہوں۔ بلکہ یہ وہ ہے جو اپنے ایمان کی حفاظت بھی کرتی ہے اور اپنے شوہر کے ایمان کی بھی۔ یہ وہ ہے جو بچے جنتی ہے تاکہ امت مسلمہ کی تعداد میں اضافہ ہو جس کی کثرت کو روز قیامت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فخر فرمائیں گے۔ اور پھر انہیں پیدا کر کے جانوروں کی طرح چرنے چگنے کو چھوڑ نہیں دیتی کہ جس کھیتی میں چاہے منہ مارتے پھریں بلکہ ان کی اچھی تربیت کرتی ہے، انہیں ان کے رب کی پہچان عطا کرتی ہے، انہیں تعلیم دیتی ہے اور انہیں رحمانی ہدایات سے، قرآن سے جوڑتی ہے تاکہ وہ شعوری، حقیقی مسلمان بن کر اٹھیں اور پوری دنیا پر کائنات کے رب کا دین نافذ کریں۔

یہ گرہستی چلانے والی بیوی وہ ہے جو قناعت پسند ہے۔ جس کی روز روز کی ناجائز و ناروا فرمائشوں کی وجہ سے شوہر کو کمائی کے حرام ذرائع اختیار نہیں کرنے پڑتے۔ یہ عورت اپنے شوہر کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے تمام جائز اور حلال طریقے استعمال کرتی ہے، اسی کے لیے بنتی سنورتی ہے اور برضا و رغبت اس کی جائز خواہشات کی تکمیل میں معاون ہوتی ہے۔ جبکہ تم جیسی عورتیں اول تو شوہر والیاں ہوتی نہیں، اور اگر ہوتی بھی ہیں تو تم میں سے اکثر کے شوہر بھی بے غیرتی کی تمام حدود پار کرتے ہوئے اپنی بیویوں کو سڑکوں پر دندناتا ہی دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ فرصت سے دوسروں کی بیویوں پر نظر رکھ سکیں۔ تمہارے گھر میں مال تو ہے مگر سکون نہیں ہے اور وہ سکون تمہیں کبھی ملے گا بھی نہیں جب تک کہ تم اللہ رب العزت کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرو گی۔ تم نے تو اپنے آپ کو اتنا گرا دیا ہے کہ تمہاری طرف تھوکنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ اسلام نے تمہیں کیسا اعلیٰ مقام عطا کیا تھا مگر تم تو رینگنے والے کیڑوں سے بھی بدتر ہو گئی، اس حد تک کہ اپنی شناخت اور اپنی عزت کرنا خود بھی بھول گئی۔

استاد احمد فاروق رحمہ اللہ اپنے سفر فرانس کا ذکر کرتے ہوئے ایک واقعہ سناتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں ایک بس میں سوار ہوا۔ کچھ دیر کے بعد بس میں ایک خاتون سوار ہوئی، بیٹھنے کی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ کھڑی رہی۔ کہتے ہیں کہ میں حیران تھا کہ پوری بس میں کوئی ایک مرد بھی ایسا نہیں ہے جو اس خاتون کو اپنی جگہ دے دے۔ میں فوراً اٹھ کر کھڑا ہوا اور خاتون سے کہا کہ آپ اس جگہ بیٹھ جائیں۔ جواباً اس خاتون نے اس قدر حیران اور بے اعتبار نظروں سے مجھے دیکھا کہ مجھے اسے جگہ دینے پر شرمندگی ہونے لگی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ ان کے یہاں عورت کے اکرام کا کوئی تصور ہی نہیں۔ عورت فقط جنسی تسکین کا ایک کھلونا بنا دی گئی ہے لہٰذا عورت کے اپنے دل میں بھی اس کا اپنا کوئی مقام باقی نہیں رہا۔ اس عورت کو یہ سمجھ ہی نہیں آئی کہ کوئی صرف اس کے اکرام اور اسے سہولت فراہم کرنے کی خاطر، نہ کہ اپنی شہوت کی تسکین اور کسی 'خاطر خواہ' بدلے کی خاطر اس کے لیے نشست خالی کر سکتا ہے۔ ایسی عورت کے لیے مرد بھی یہی رویہ رکھتا ہے کہ جب یہ مساوات چاہتی ہیں تو پھر یہ بھی بسوں میں لٹک کر دھکے کھائیں، یہ بھی بیچ سڑک پر بیٹھ کر گاڑی کا ٹائر تبدیل کریں، یہ بھی قطار میں آخری نمبر پر کھڑی ہو کر اپنی باری کا انتظار کریں..... ان سب معاملات میں بھی پھر یہ لیڈیز فرسٹ کی توقع نہ رکھیں۔

اے مادر پدر آزاد عورتو! تم جس آزادی کے درپے ہو، جس امریکی عورت کو تم رول ماڈل سمجھتی ہو، جسے تم آزادی اور ترقی کی معراج پر جانتی ہو، لو! ذرا اس کے حال کی طرف بھی نگاہ اٹھا کر دیکھو۔

عبد المالک مجاہد[1] صاحب نے اپنی کتاب میں شیخ علی طنطاویؒ کے ایک بیان کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک پروفیسر امریکہ کی کسی کانفرنس میں "مسلم خاتون" کے عنوان سے اپنا مقالہ پڑھ رہا تھا جس میں اس نے مسلمان خاتون کو اسلام کے عطا کردہ اقتصادی و مالی حقوق کا تذکرہ کیا۔ پروفیسر کی یہ گفتگو سن کر سامعین میں سے ایک امریکی خاتون جو کہ بہت مشہور ادیبہ ہے کھڑی ہوئی اور کہنے لگی:

"اگر مسلم خاتون کا تحفظ تمہارے (یعنی مسلمانوں) کے نزدیک ویسا ہی ہے جیسا کہ تم نے ابھی بیان کیا ہے تو پھر تم لوگ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔"

پروفیسر نے یہ بات سن کر تعجب سے اس خاتون سے اس کے حالات دریافت کیے تو امریکی خاتون نے اپنی اور دیگر امریکی لڑکیوں کی حالت سے آگاہ کرتے ہوئے جواباً کہا:

[1] عبد المالک مجاہد: دار السلام پبلشنگ کے ڈائریکٹر جنرل۔

”جب امریکی عورت آزادی کا پرچم بلند کرنے نکلتی ہے تو درحقیقت وہ مقید ہوتی ہے۔ خود کو عزت و اکرام کی حامل سمجھتی ہے مگر اس کا وجود درحقیقت ذلت و رسوائی کے عمیق گڑھے میں ہوتا ہے جس کا وہ بروقت احساس نہیں کرپاتی۔ مرد معمولی اور حقیر کاموں کے لیے اس کو مہرہ بنا کر تو استعمال کرتے ہیں بلکہ بظاہر اس کی خوب خوب تعظیم و تکریم اور حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں مگر جب کوئی اہم اور بڑا مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو عورت کو دال میں پڑی مردار مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیتے ہیں؛ بلکہ ایسے موقع پر اس سے مشورہ طلب کرنا بھی حقارت کے مترادف سمجھتے ہیں۔ ہاں گاڑی سے اترتے وقت اس کی نازک کلائی بڑے طمطراق سے پکڑ لیتے ہیں تا کہ اسے کوئی زک نہ پہنچنے پائے اور وہ بہ آسانی اتر جائے، نیز زیارت و ملاقات کے موقع پر اس کو خود پر ترجیح دیتے ہیں اور آگے بڑھنے دیتے ہیں۔ بسا اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ریل گاڑی یا بس میں سیٹ پر سے خود اٹھ جاتے ہیں اور اپنی جگہ کھڑی عورت کو بٹھا دیتے ہیں یا اس کے گزرنے کے لیے راستہ چھوڑ دیتے ہیں؛ لیکن پس پردہ وہ عورت کے ساتھ ایسی گندی اور گھناؤنی حرکات بھی کرتے ہیں جو اس کی شان کے قطعاً منافی ہوتی ہیں۔

یہاں جب کوئی لڑکی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتی ہے تو اس کا باپ اس کی سرپرستی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے، اپنی نوجوان بیٹی کے لیے اپنا دروازہ بند کرلیتا ہے اور اس سے کہتا ہے: جہاں جانا ہے جاؤ، کماؤ کھاؤ، آج کے بعد میرے پاس تمہارا کوئی حق باقی نہیں۔ اب بے چاری نوجوان لڑکی کرے تو کیا کرے اور جائے تو کہاں جائے؟ زندگی کے ایام تو گزارنا ہی ہیں، چنانچہ وہ گھر سے باہر قدم رکھتی ہے، زندگی کی پرپیچ وادیوں کا سفر تن تنہا طے کرتی ہے۔ اس دنیا میں انسانی درندوں کی کثرت ہے، چاروں طرف بھوکے شیروں کا ازدحام ہے، خونخوار بھیڑیے اپنے جبڑے کھولے شکار کی تلاش میں ہیں اور انہیں سامنے صنف نازک کی شکل میں جو تازہ تازہ شکار نظر آرہا ہے سب اس کے درپے ہیں۔ اف، یہ ہے وہ امریکی لڑکی جس کی جوانی پر سب نے نظریں گاڑ رکھی ہیں!! اس کے گھر والوں کو قطعاً کوئی فکر نہیں ہوتی کہ گھر سے باہر قدم رکھنے والی ان کی عزت و آبرو کس قسم کے پیشہ سے معاش کمارہی ہے؛ محنت و مشقت سے یا عصمت و عزت فروخت کرکے؟ کبھی بھول کر پوچھتے بھی نہیں کہ ان کی یہ لڑکی اپنے ہاتھ کی کمائی کھارہی ہے یا آبرو کی!! کسی آفس میں سیکریٹری کے عہدے پر اپنی جسمانی نمائش کرکے تنخواہ پارہی ہے یا کسی شوروم میں ماڈلنگ کرکے...... اور ہاں، یہ مرض صرف امریکہ ہی میں نہیں بلکہ مغربی تہذیب کے نقش قدم پر چلنے والے تمام ملکوں میں پایا جاتا ہے......!!“

ہمارا رب اللہ ہے اور اسی رب نے ہمارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔ ہماری فلاح و نجات دین کے دائرے میں رہنے ہی میں ہے۔ اللہ رب العزت نے مرد اور عورت کو باہمی رسّہ کشی کے لیے نہیں بلکہ ایک دوسرے کا مونس و غم خوار، ایک دوسرے کا ساتھی، ایک دوسرے کو تحفظ، سکون اور راحت فراہم کرنے والا بنایا ہے۔ اسلام نے مرد کو اپنی ماں، بہن، بیوی، بیٹی اور دیگر رشتہ دار خواتین کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے، اس پر بوجھ ڈالا ہے، جبکہ عورت کو اس بوجھ سے آزاد رکھا ہے۔ آج کی یہ بے مہار عورت مرد کو اس بوجھ سے آزاد کرنے پر تُلی ہے اور یوں ہر اس عورت کو جو اپنے اوپر قوّام مرد کی ذمہ داری تھی، بے یارومددگار، بے آسرا اور عدم تحفظ کا شکار کررہی ہے۔ یہ مساوات، آزادی، خود اختیاری کے نعرے دراصل شیطان کے پھندے ہیں، اس کا دجل ہیں، ان کے پیچھے تاریکی ہی تاریکی ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں روشنی کی طرف بلاتا ہے، ہدایت کی طرف بلاتا ہے، پس اللہ رب العزت کی رسّی کو مضبوطی سے تھامنے کی ضرورت ہے کہ یہی دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضامن ہے۔

سبحانک اللّٰهم وبحمدک نشهد أن لا إله إلّا أنت نستغفرک ونتوب إلیک

بقیہ: شیخ عبد اللہ عزام

وہ جہادی امت جس کی قیادت بھی جہاد کے طویل مراحل سے گزرنے کے بعد سامنے آتی ہے؛ وہ امت آسانی سے اپنی قیادت کا ساتھ نہیں چھوڑتی اور نہ ہی وہ امت خود ہی اپنا تختہ الٹنے کے منصوبے بناتی ہے اور نہ ہی ان کے دشمنوں کے لیے یہ آسان ہوتا ہے کہ وہ قیادت کے بارے میں انہیں شکوک و شبہات میں ڈالیں۔ ایسے طویل عرصوں تک جاری رہنے والی جہادی تحریکات کا ایک ایک فرد اس بات کا گہرا شعور رکھتا ہے کہ اس نے فتوحات تک پہنچنے کے لیے بہت سی قربانیاں اور بھاری قیمت ادا کی ہے اور ایک اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے اپنی بہت سی قیمتی اشیا کھپائی ہیں۔ اسی لیے ایسی جہادی امت نہایت امانت و دیانت کے ساتھ اس نوزائیدہ مسلم معاشرے کی حفاظت کرتی ہے۔ وہ معاشرہ جس کی پیدائش کے لیے پوری امت نے ولادت کی تکلیف جیسی تکالیف سہیں۔ یاد رکھیے اسلامی معاشرے کو پیدا ہو کر رہنا ہے اور ہر پیدائش سے قبل زچگی کا مرحلہ ہوتا ہے اور ہر زچگی کے مرحلے میں تکلیف ہونا لازم ہے۔

(بحوالہ: الذخائر العظام ج: 1 ص: 179 إلى 194- نقلتها عن دعوة المقاومة الإسلامية العالمية ص: 1591 إلى 1592.)

جنسیت کا حیوانی ماڈل

محمد سعید حسن

جنسی آزادی کے حمایتی اس بات کے بھی پرزور حامی ہیں کہ انسانی جنسیات سے متعلق چلی آنے والی روایات کو پیروں تلے روند دیا جائے۔ اس تصور کو تلپٹ کرکے رکھ دیا جائے کہ جنسی اخلاقیات بھی کوئی شے ہوتی ہے۔ جنسی طور پر شتر بے مہار تعلقات قائم کیے جائیں۔ ہم جنسیت سے لے کر عورت اور مرد کے مابین غیر فطری تعلق کو پروموٹ کیا جائے۔ غرض یہ کہ جنسیت کا ایک حیوانی ماڈل معاشرے میں ہونا چاہیے بلکہ جانوروں سے بھی گیا گزرا ماڈل ہونا چاہیے جس میں ہر کھیت میں اور ہر فصل پر منہ ماری کی جائے اور اسے انسانی ترقی کی معراج سمجھا جائے۔

یہ سارا تصور اتنا بودا، کمزور اور بے جان ہے کہ ذرا سا غور کرنے سے ہی دھڑام سے زمیں بوس ہو جاتا ہے۔ یہ بات نفسیات دانوں کے یہاں طے شدہ ہے کہ انسان ایک وقت میں تین سطحوں، تین لیولز یا تین دائروں میں اپنی زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ ایک دائرہ اس کا جسم ہے دوسرا اس کا ذہن، عقل یا ذہانت ہے اور تیسرا اس کی روحانی زندگی کا دائرہ ہے۔ کم سے کم بھی بہرحال جسمانی سطح کے علاوہ انسان عقلی طور پر بھی زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ جب اسے بھوک لگتی ہے تو وہ صرف پیٹ بھرنے کے لیے جو ہاتھ لگتا ہے اسے کھا نہیں جاتا بلکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ کیا یہ چیز واقعی کھانے والی بھی ہے یا نہیں۔ کیا اس سے اسے کوئی بیماری تو نہیں لگ جائے گی یا کیا یہ زہریلی تو نہیں ہے۔ یوں وہ صرف جسمانی سطح پر ہی نہیں بلکہ عقلی سطح پر بھی زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ یہی معاملہ اس کی جذباتی اور روحانی زندگی کا ہے۔ انسان کے اندر چیزوں کو اپنی ملکیت میں رکھنے کی تڑپ شدید ہوتی ہے۔ جو اچھی چیز وہ دیکھتا ہے اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ چیز اس کی ہو جائے۔ پھر وہ اپنی اس چیز میں کسی کی حصے داری یا کسی کی شراکت کو قبول نہیں کرتا۔ اپنی بیویوں تو کیا داشتاؤں تک کے لیے مرد حسد (jealousy) رکھتا ہے۔ اکیڈمیوں اور ہائی اسکولوں کے ٹین ایجرز کے درمیان سر پھٹول کیا انہیں بچپن سے سکھائی گئی ہوتی ہے؟ ماں باپ نے یہ سبق گھول گھول کر پلایا ہوتا ہے یا درسی کتابوں اور اخبارات میں اسے موضوع بنایا گیا ہوتا ہے؟ یہ ان معاشروں میں بھی ہوتا ہے جہاں جنس ایک ناقابلِ گفتگو موضوع ہوتا ہے! یہ تو انسان کی فطرت ہے اور جو اس کا انکار کرتا ہے اس کے منہ پر ان میں سے ہر ایک حقیقت ایک تھپڑ ہے۔ اس کی یہ فطرت اسے جنسی تعلقات کو محدود کرنے اور ان میں پاکیزگی لانے پر مجبور کرتی ہے۔ جیسے وہ نہیں چاہتا کہ اس کے زوج میں کوئی حصے داری کرے اسی طرح اس کی عقل اور فطرت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ بھی اس حد کو نہ توڑے کیوں کہ یہ حد اسی کی حفاظت کرتی ہے۔ اس کے دل کا چین اور اس کے نفس کی راحت اسی میں ہے کہ وہ ان حقیقتوں کو ایسے ہی تسلیم کرے جیسے وہ بھوک کی حالت میں ہر شے اٹھا کر منہ میں نہیں ڈال لیتا بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ اس چیز سے اسے نقصان تو نہیں پہنچنے والا۔

لہٰذا انسان کے جنسی تعلقات بھی صرف جسمانی سطح پر نہیں بلکہ عقلی سطح پر اور روحانی سطح پر بھی ہوتے ہیں۔ اگر جنسی طور پر جانوروں کی سطح پر زندگی گزارنی ہے تو پھر کاروبار، گھربار اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی جانوروں کی طرح زندگی گزارنے میں کیا حرج ہے؟ جو شخص انسانی جنسیت کے حیوانی ماڈل کو پروموٹ کرتا ہے دراصل وہ کاروبار اور گھربار میں بھی جانوروں کی اخلاقیات کو پروموٹ کر رہا ہوتا ہے۔ ایک جگہ پر آزادی اور دوسری جگہ پر پابندیاں ایک کھلا تضاد ہیں۔ عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جیسی آزادی جنسی میدان میں دی جاتی ہے ویسی ہی آزادی کاروبار اور تعلقات میں بھی ہونی چاہیے۔ جب زندگی کے ان شعبوں میں جانوروں سے ہٹ کر چلا جاتا ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ صرف جنسی طور پر ویسی آزادی مانگی جائے؟ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایسا مطالبہ کرنے والا کسی شدید نفسیاتی بیماری کا شکار ہے۔ عین ممکن ہے وہ جنسی زیادتی کا نشانہ بنا ہو یا جنسی ناآسودگی کا شکار ہو۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ اس کی عقل اسے اتنی سامنے کی چیز دکھانے سے بے بس ہے! یہ مطالبات وہ لوگ کرتے ہیں جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہوتی ہے اور وہ سیدھا دیکھنے سے عاجز ہوتے ہیں:

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ○ (سورۃ الحج: ۴۶)

”حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔“

وفاداری

آج کی اس بے وفا دنیا میں کر سکتا تھا کون؟
ہم سا اندھا دھند پیمانِ وفا امریکہ سے

دوسری قومیں تو منگوائیں مشینیں، موٹریں
ہم نے منگوایا ہے قومی رہنما امریکہ سے!

(ضمیر جعفری)

معین الدین قریشی سے، شوکت عزیز و حفیظ شیخ تک.....یہی داستان ہے!

مَطبوعاتِ دَعوت و جِہاد

دعوتی و جہادی مواد پر مشتمل آن لائن لائبریری

www.matboaatejihad.net

اہم دعوتی و جہادی مواد اب ایک کلک کی دوری پر

ویڈیوز

آڈیوز

تحریرات و رسائل

السحاب برِّ صغیر

حِطّین

نوائے افغان جہاد

مَطبوعاتِ دَعوت و جِہاد

دعوتی و جہادی مواد پر مشتمل آن لائن لائبریری

www.matboaatejihad.net

دستاویزی فلمیں

بیانات و تقاریر

جہادی کارروائیاں

ویڈیو ترانے

ویڈیوز

دروس

آڈیوز

بیانات و تقاریر

ترانے

'مطبوعاتِ دعوت و جہاد' پر آپ کو ملیں گی

کتب و رسائل

نوائے افغان جہاد

حِطّین

www.matboaatejihad.net

زندہ مسلم معاشرے کی ضرورت واہمیت

مجددِ جہاد شیخ عبد اللہ عزام شہید رحمۃ اللہ علیہ

زمین پر ایک زندہ مسلم معاشرہ قائم کرنا مسلمانوں کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا ان کے لیے پانی اور ہوا ضروری ہے۔ ایسے مسلم معاشرے اور مسلم ریاست کا قیام تب ہی ممکن ہو گا جب ایک منظم اسلامی تحریک برپا کی جائے جو جہاد کو اپنا شعار بنائے، جہادی منہج کو مضبوطی سے تھامے رکھے اور ہر دم قتال کی عبادت میں مصروف رہے۔ جان لیجیے کہ کوئی بھی اسلامی تحریک...... اسلامی معاشرہ ہر گز قائم نہیں کر سکتی جب تک کہ ایک عوامی جہادی تحریک برپا نہ کر لے، جس کا دھڑکتا دل اور جس کا رہنمائی دینے والا دماغ تو یہ اسلامی تحریک خود ہو، لیکن پوری امت اس کے گرد جمع ہو اور اس کی حیثیت اس چھوٹی سی پٹاخی کی ہو جو ایک بڑی بارودی سرنگ کو پھاڑنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ پس اسلامی تحریک بھی یہی کردار ادا کرے۔ وہ امت کی پوشیدہ صلاحیتوں کو ابھارنے اور استعمال میں لانے کا ذریعہ بنے اور امت کے سینوں میں دفن خیر و بھلائی کے خزانوں کو سامنے لے کر آئے۔ اگر آپ نبی ﷺ کی رحلت کے بعد کے ادوار میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد کا موازنہ اس وقت موجود باقی مسلمانوں کی تعداد سے کریں تو معلوم ہو گا کہ صحابہ کی تعداد ان کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے بڑی کامیابی سے دیگر مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے کر کسریٰ کا تخت بھی الٹا اور قیصر کی شان و شوکت بھی خاک میں ملائی۔ یہی نہیں وہ قبائل جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مرتد ہو گئے تھے، جب انہوں نے توبہ کا اعلان کیا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی فارس کے خلاف جنگ میں استعمال کیا اور وہی طلیحہ بن خویلد اسدی جو پہلے نبوت کا دعویٰ کر چکے تھے، قادسیہ کی جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے نمایاں ترین ابطال میں شمار ہوئے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آپ کو فارسی لشکر کی خبریں لانے کی حساس مہم پر بھیجا جس کو آپ نے غیر معمولی شجاعت کے ساتھ سرانجام دیا۔ پس اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ امت کو ساتھ لیے بغیر محض دین پسند افسروں کا کوئی چھوٹا سا گروہ ایسا انقلاب لے آئے گا جس سے اسلامی معاشرہ پھر سے قائم ہو جائے تو یہ اس کی خام خیالی ہے اور ایک ایسا خواب ہے جس کا حقیقت میں تبدیل ہونا تقریباً محال ہے۔

اس کا انجام بھی شاید اس سے بڑھ کر کچھ نہ ہو جو جمال عبد الناصر نے مصر کی اسلامی تحریک کے ساتھ کیا[1]۔ اس کے برعکس اگر ایک عوامی جہادی تحریک برپا ہو تو اس کے سفر کی طوالت، اس کی راہ میں آنے والی مشکلات، اس کو منزل تک پہنچانے کے لیے درکار غیر معمولی قربانیاں یہ سب عوامل اس تحریک کے افراد کو نکھارنے اور انہیں کندن میں تبدیل کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ پس ان مراحل سے گزرنے والے لوگوں کے قلوب دنیاوی آلائشوں سے پاک ہو جاتے ہیں اور وہ خود کو اس حقیر دنیا کے مال و متاع سے بلند کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ محض چند ٹکوں یا دنیاوی مال و متاع کی خاطر لڑنا جھگڑنا ان کا مشغلہ نہیں رہتا۔ اللہ ایسے قلوب کو باہمی بغض و نفرتوں سے پاک کر دیتے ہیں اور راہِ حق کی یہ آزمائشیں ان کی ارواح کو صیقل کر دیتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ قافلہ زمین کی پستیوں سے اٹھ کر آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگتا ہے اور خود کو دنیا کے، وطنیت کے بدبودار نظریے اور مفادات کی جنگ سے آزاد کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ پھر جہاد کے اس طویل رستے پر چلتے چلتے خود بخود یہ قافلہ اپنی قیادت سامنے لاتا چلا جاتا ہے اور قربانیاں خود ثابت کرتی ہیں کہ کون قیادت کا زیادہ مستحق ہے۔ میدان میں جب شجاعت کے مظاہرے ہوتے ہیں اور اللہ کی راہ میں سب کچھ کھپایا جاتا ہے تو خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ رجالِ کار کون ہیں جو دین کی ذمہ داریوں کا بھاری بوجھ اٹھانے کی سکت رکھتے ہیں۔

ابو بکر و عمر، عثمان و علی رضوان اللہ علیہم اجمعین اگر صحابہ کے معاشرے میں نمایاں ہوئے تو وہ اپنے جلیل القدر اعمال اور اپنی غیر معمولی قربانیوں کے سبب ہی نمایاں ہو پائے۔ حضرت ابو بکر کو جب امت نے بالاتفاق اپنا خلیفہ چنا تو انہیں اس کے لیے کسی انتخابی مہم کی ضرورت نہ تھی، بلکہ معاملہ اتنا سیدھا سادہ تھا کہ ادھر نبی اکرم ﷺ جنتوں کی طرف اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس روانہ ہو گئے اور ادھر صحابہ نے میدان میں نگاہ دوڑائی تو انہیں بالاتفاق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے افضل کوئی نہ نظر آیا۔

جان لیجیے کہ جو امت جہاد کرتی ہے اور اپنے لہو سے جہاد کی بھاری قیمت ادا کرتی ہے اور اس کے بعد اس کے میٹھے ثمرات سمیٹتی ہے تو پھر وہ اپنے خون پسینے سے کمائے ہوئے ثمرات کو آسانی سے ضائع نہیں ہونے دیتی۔ اس کے برعکس جو لوگ کسی فوجی انقلاب کے بعد محض ایک بیان کے ذریعے لوگوں کی گردنوں پر مسلط ہو جاتے ہیں اور جن کے کرسیٔ حکومت تک پہنچنے کے فیصلے بھی سفارت خانوں کے پردوں کے پیچھے بیٹھ کر کیے جاتے ہیں، یقیناً ان کو یہ سارے ثمرات ضائع کرنے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگتی۔

(شعر کا نثری ترجمہ)

جو کوئی جنگ لڑے بغیر زمین حاصل کر لے
وہ اتنی آسانی سے زمین دوبارہ کسی دشمن کے حوالے بھی کر دیتا ہے

(باقی صفحہ نمبر 70 پر)

[1] یا جو کچھ مصر میں محمد مرسی کی حکومت کے ساتھ سیسی نے کیا۔ (ادارہ)

دنیا کے بچاؤ کا راستہ

محسنِ امت شیخ اسامہ بن لادن شہید رحمہ اللہ

محسنِ امت شیخ اسامہ بن لادن کا یہ بیان...... دنیا...... سیارۂ زمین جسے انگریزی میں Earth کہتے ہیں کے بچاؤ سے متعلق ہے۔ زمین اس وقت جس وحشت ناک اور عظیم تبدیلی سے گزر رہی ہے اس کا نام 'ماحولیاتی تبدیلی یا climate change' ہے۔ اس ماحولیاتی تبدیلی کے واحد ذمہ دار (مشیتِ ایزدی سے) بڑی بڑی کارپوریشنوں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مالک ہیں؛ جنھوں نے زمین کے وسائل کا بے دریغ استعمال کیا بلکہ استحصال کیا، ہمارے گھر 'زمین' کو زہریلی گیسوں کا مسکن بنا دیا، اس سرمایہ دار نظام کے لیے پہلے 'ڈیمانڈ' پیدا کی اور اس کی آگ پر 'سپلائی' کا تیل چھڑک کر اس آگ کو بڑے الاؤ میں تبدیل کر دیا۔ جدید سائنس کی تحقیق کے مطابق 'زمین' کی عمر اربوں سال ہے اور اس پر موجود عناصر و مرکبات (elements and compounds) کی عمر بھی زمین کی عمر کے آگے پیچھے ہے۔ (سائنس ہی کے مطابق) ان اربوں سالوں کا حساب ایک طرف اور صنعتی انقلاب (جو اٹھارہویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں برپا ہوا) کے بعد سے اب تک (تقریباً ڈھائی سو سالوں میں) صرف کاربن ڈائی آکسائڈ (Carbon dioxide) کا بسبِ آلودگی؛ حجم چالیس فیصد بڑھ چکا ہے۔ اس وقت دنیا کا وہ کون سا انسان یا حیوان ہے جو عالمی ماحولیاتی تبدیلی سے متاثر نہ ہو؟ سردیاں جلد آ رہی ہیں اور سردی کی شدت بڑھ گئی ہے، گرمیوں میں گرمی شدید تر ہوتی جا رہی ہے، پاکستان جہاں چار موسم ہوتے تھے اب وہاں پانچواں موسم 'سموگ' کی صورت میں آ چکا ہے۔ حالیہ موسمی سال (۲۰۲۰-۲۰۱۹ء) میں برف ماضی کی نسبت زیادہ پڑی ہے، اموات واقع ہوئی ہیں اور ساتھ ہی گرما کے موسم میں دنیا کے برفانی یخ تودے (glaciers) تیزی سے پگھل رہے ہیں اور سیلاب دنیا کا مقدر بن رہے ہیں اور اس سب کا بنیادی سبب بے تکی صنعتیں یا انڈسٹریاں ہیں۔ ان سب تبدیلیوں کے ساتھ دنیا میں 'ٹرمپ' جیسے خبطی باؤلے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ دنیا میں ماحولیاتی تبدیلی نامی کسی شے کا وجود ہی نہیں ہے!؟ دراصل ٹرمپ تو صرف ایک علامت ہے، یہ اور دنیا بھر کے 'انڈسٹریلیسٹ' جانتے بوجھتے اس تباہی کو جاری رکھے ہوئے ہیں تا کہ ان کی تجوریوں کا پیٹ بھرتا رہے۔

زیرِ نظر بیان میں 'بصیر و فہیم' اور 'فراستِ ایمانی' سے آراستہ الشیخ الشہید محسنِ امت اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ نے اہلِ دنیا کو دنیا کے بچاؤ کا حقیقی راستہ بتایا ہے۔ اللہ پاک شیخ پر رحمتیں نازل فرمائے اور ہم پسماندگان کو شیخ کے ان قیمتی نصائح پر عمل کی توفیق دے، آمین۔ (ادارہ)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جس نے تمام مخلوق کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا، انہیں خیر کی اتباع اور شر سے اجتناب کا حکم دیا، اور انہیں بحر و بر میں فساد مچانے سے روکا۔ اما بعد!

میری اس وقت کی گفتگو کے مخاطب تمام دنیا کے لوگ ہیں جن سے میں اس گروہ سے متعلق گفتگو کرنا چاہوں گا جو جان بوجھ کر یا انجانے میں موسمی تبدیلیوں اور ان کے خطرناک نتائج کا سبب بن رہا ہے اور یہ کہ اس حوالے سے ہماری عملی ذمہ داری کیا ہے۔ عالمی موسم اور درجۂ حرارت میں تبدیلی محض کسی واہمے یا خیال پر مبنی نہیں! بلکہ یہ ایک زمینی حقیقت ہے اور یہ مسئلہ بڑی بڑی عالمی کمپنیوں کے چند لالچی مالکان کی وجہ سے اب تک کسی پائیدار حل تک نہیں پہنچ پایا۔ موسمی تبدیلیوں کے مضر اثرات اس وقت تمام براعظموں کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں، ایک جانب قحط پھیل رہا ہے اور صحرا وجود میں آ رہے ہیں تو دوسری جانب جس طرح کے سیلاب اور طوفان کئی دہائیوں میں آیا کرتے تھے اب ہر چند سال بعد آنے لگے ہیں، جبکہ جزیروں کا سکڑنا اور سمندری پانی میں آہستہ آہستہ غرق ہونا اس کے علاوہ ہے اور یہ معاملہ روز بروز تیزی پکڑتا جا رہا ہے۔ بے مکان ہونے اور نقل مکانی کرنے والوں سے متعلق اعداد و شمار اکٹھے کرنے والے اداروں کے حساب اور اندازے کے مطابق آئندہ چار دہائیوں میں ایک ارب سے زائد لوگ بے گھر اور نقل مکانی پر مجبور ہو جائیں گے۔

میری اس گفتگو کا مقصد چند عارضی اور جزوی حل پیش کرنا نہیں بلکہ مسئلے کا مستقل اور پائیدار حل تلاش کرنا ہے۔ دنیا کے سامنے عالمی موسمی تبدیلیوں کے نتیجے میں متاثر ہونے والوں کے اعداد و شمار کے ڈھیر لگے ہیں، جن میں سے بعض بھوک کے ہاتھوں موت کا شکار ہوئے تو بعض غرق ہو کر...... جس سال امریکی تحقیقی ادارے 'ناسا' (NASA) کے ایک بڑے اور ماہر سائنسدان 'جیمز ای ہینسن' (James E. Hansen) نے عالمی درجۂ حرارت میں اضافے اور تبدیلی کو ایک سنجیدہ مسئلہ قرار دیا تھا اسی سال بنگلہ دیش میں ایک لاکھ چالیس ہزار لوگ سیلاب کے نتیجے میں لقمۂ اجل بنے اور دو کروڑ چالیس لاکھ بے گھر ہوئے۔ اور تب سے اب تک ان نقصانات کا یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ لہٰذا اس مسئلے کے اصل ذمہ داران کو روکنے اور ان کے ساتھ اپنے برتاؤ میں تبدیلی لائے بغیر کوئی چارہ نہیں!

عالمی درجۂ حرارت میں تبدیلی کے اصل ذمہ دار صنعتی اور خاص طور پر بڑے صنعتی ممالک ہیں۔ ان میں سے بہت سے کیوٹو معاہدے کے تحت اس بات پر متفق ہو چکے تھے کہ مضر گیسوں کے اخراج میں کمی لائی جائے گی۔ لیکن بش اور اس سے پہلے امریکی کانگریس نے محض چند بڑی کمپنیوں کے مالکان کی رضا کی خاطر اس معاہدے سے انکار کر دیا۔ اس لحاظ سے عالمی درجۂ حرارت میں تبدیلی کے اصل ذمہ دار یہی لوگ ہیں۔ اور انسانیت کے حق میں یہ ان کا کوئی پہلا جرم نہیں بلکہ عالمی معاشی بحران، افواہوں کے پھیلاؤ، اجارہ داریاں قائم کرنے اور روز مرہ ضرورت کی اشیا کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافے کے پیچھے بھی یہی ہاتھ کار فرما ہیں۔ عالمی نظام کو رائج کرنے اور اس کے برے نتائج، جن میں لاکھوں لوگوں کا غربت کی لکیر سے نیچے جانا اور لاکھوں کا بے روزگار ہونا شامل ہے...... کے اصل ذمہ دار بھی یہی لوگ ہیں۔ پھر اس سب کے بعد جب اپنے بچھائے ہوئے جال میں یہ لوگ خود بھی پھنسنے لگتے ہیں تو ملکوں کے سربراہ اور صدور انہیں اس میں سے نکالنے کے لیے بے دھڑک عام لوگوں کا پیسہ استعمال کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے لوگوں کے اموال دوہری سطح پر ہڑپ کیے جاتے ہیں، ایک دفعہ کمپنیوں کی اجارہ

داری اور فریب کاری کے ذریعے اور دوسری دفعہ حکومتوں کی حیلہ سازی اور دھونس کے ذریعے۔ بڑے بڑے سرمایہ کار فسق و فجور اور قساوتِ قلبی کا شکار ہیں، نصیحت آموز الفاظ، کانفرنسیں اور مظاہرے ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

سال ۱۹۸۸ء میں 'ہینسن' نے واضح الفاظ میں انہیں اور امریکیوں کو موسمی تبدیلیوں کے خطرات سے آگاہ کر دیا تھا، لیکن ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی! پچھلی صدی کے اختتام پر منعقد ہونے والی 'کیوٹو کانفرنس' کے مندرجات پر بھی انہوں نے کان نہ دھرے! اور رہ گئے مظاہرے......! تو چھوٹے تو ایک طرف...... بڑے بڑے مظاہروں کا بھی آپ کوئی فائدہ تلاش نہ کر سکیں گے! سال ۲۰۰۳ء میں عراق پر حملے سے پہلے دنیا کے ہر کونے میں کروڑوں لوگ مظاہروں میں ایک ہی نعرہ بلند کرتے دکھائی دیے، یعنی:

سرخ خون کے بدلے سیاہ تیل...... نامنظور......!

لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس مجرم ٹولے کے سربراہ نے ان سب کا مذاق اڑاتے ہوئے معصوم عراقی عوام پر وحشیانہ حملے کا حکم صادر کر دیا، جبکہ ان کا قصور صرف اتنا تھا کہ ان کا ملک سیاہ سونے سے مالا مال تھا۔ انہوں نے ایک کروڑ سے زائد عراقیوں کو قتل کیا، انہیں زخموں سے چور کیا، انہیں یتیمی اور بیوگی کے داغ دیے اور بے گھر ہونے پر مجبور کیا۔ اور ابو غریب اور گوانتانامو کے عقوبت خانوں کی داستانیں تو اس سب سے بڑھ کر ہیں، جہاں ہونے والے انسانیت سوز مظالم نے پوری انسانیت کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ لیکن عسرت کے ان سالوں کے بعد بھی ابھی تک کوئی قابلِ ذکر تبدیلی وقوع پذیر نہیں ہوئی۔ اس سب کے بعد اس مجرم ٹولے کے نئے ایجنٹ (اوبامہ) کو امن کے نوبل انعام سے نوازا جاتا ہے......!

اور وہ انسانیت کی حد درجہ تذلیل اور دھوکے کی نئی مثال قائم کرتے ہوئے اسے وصول بھی کر لیتا ہے...... کسی نے کیا خوب کہا کہ:

'بدترین آفت وہ ہے جس کے ساتھ طنز کے تیروں کی بارش بھی آئے'۔

اس لحاظ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا اس وقت چند ملٹی نیشنل کمپنیوں کے سرکردہ لوگوں کے ہاتھوں میں یرغمال بن چکی ہے، جو اسے مسلسل ہلاکت کے گڑھے کی جانب گھسیٹ رہے ہیں۔ آج کی سیاست عوام الناس کی مصلحت کو مدِ نظر رکھ کر عقلی تقاضوں کے بجائے کھوکھلے سرمایہ دارانہ نظام کے علم بردار، پٹرول کے چند لٹیروں اور جنگی مجرموں کے ہاتھ کا کھلونا بن چکی ہے۔ 'نوم چومسکی (Noam Chomsky)' نے امریکی سیاست کو جرائم پیشہ مافیا کی سیاست سے تشبیہ دی تھی، اور اس کی یہ بات ہے بھی درست...... اس اعتبار سے اصل فسادی اور دہشت گرد یہی لوگ ہیں جنہیں قرار واقعی انجام تک پہنچانا اور ان کے وحشیانہ اعمال سے روکنا لازم ہے! اس مقصد کے حصول کی خاطر میں آپ کے سامنے چند نکاتی حل پیش کرتا ہوں:

اولاً: بلاشبہ آب و ہوا اور ماحول میں فساد، قلب و نظر اور اعمال کے فساد ہی کا ایک نتیجہ ہے اور یہ دونوں فساد باہم لازم و ملزوم ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام پر ان کے قلوب کے فساد اور بد اعمالیوں کے نتیجے میں عقوبت نازل فرمائی، اور ان پر طوفان مسلط کیے...... جیسے فرعون اور اس کی قوم پر...... اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ○ (سورۃ الروم: ۴۱)

''بحر و بر میں انسانوں کی بد اعمالیوں کے باعث فساد برپا ہو گیا، تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے عجب نہیں کہ وہ (اللہ کی طرف) لوٹ آئیں۔''

سو سعادت مند ہے وہ جو عبرت حاصل کرتے ہوئے استغفار کرے اور تمام عالم کی جانب مبعوث کی گئی آخری رسالت کے طریق پر اپنی عبادت کو اللہ وحدہ لاشریک کے لیے خالص کر لے۔

ثانیاً: تمام امور میں میانہ روی کی روش اپنائیں! خاص طور پر کھانے پینے، لباس، رہائش اور بجلی و ایندھن کے استعمال میں اسراف اور تعیش پسندی سے پرہیز کریں!

ثالثاً: جب فیکٹریاں ہی بند ہو جائیں گی تو فیکٹریوں سے فاضل مادوں کا اخراج خود بخود بند ہو جائے گا۔ اور یہ انتہائی آسان اور آپ کے اپنے اختیار میں ہے۔

امریکی اقتصادیات کی مثال سائیکل کے ایک پہیے کی مانند ہے، جس کی زنجیر میں سے اگر ایک کڑی بھی غائب ہو جائے تو یہ چلنے کے قابل نہیں رہتی۔ امریکی اقتصادی زنجیر کی اہم کڑیوں میں سے ایک اس کا خام مال، دوسری کڑی سرمایہ اور تیسری کڑی روزمرہ استعمال میں آنے والی اشیائے صرف ہیں۔ ان تمام کڑیوں پر مختلف اعتبارات سے ضربیں لگانا ممکن ہے، تاہم آخری کڑی سب سے زیادہ کمزور اور ضرب لگانے میں سب سے زیادہ آسان اور نتائج کے اعتبار سے سب سے زیادہ مؤثر ہے۔ اگر لوگ امریکی اشیا کا استعمال بند کر دیں تو زنجیر کی یہ کڑی کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جائے گی اور اس کا لازمی نتیجہ مضر گیسوں کے اخراج میں کمی کی صورت میں ظاہر ہو گا۔

رابعاً: بڑی بڑی کمپنیوں کے مالکان اور ان کے سیاسی حاشیہ نشینوں کا محاسبہ کیا جائے تاکہ وہ انسانیت کو نقصانات پہنچانے کا سلسلہ بند کر دیں۔

امریکی عوام...... خاص طور پر کترینہ طوفان کے متاثرین اور مالی بحران کے نتیجے میں بے روزگار ہونے والے لوگوں کے لیے یہ کام کچھ مشکل نہیں...... کیونکہ موت کے یہ تاجر انہی کے مابین رہتے ہیں...... خاص طور پر واشنگٹن، نیویارک اور ٹیکساس میں!

ڈنمارک میں ہونے والی حالیہ کانفرنس میں ان کی غیر سنجیدگی اور ٹال مٹول کے حربے کھل کر سامنے آ چکے ہیں۔ اور کسی پائیدار حل تک پہنچنا تو در کنار...... انہوں نے سابقہ حادثات کی ذمہ داری قبول کرنے اور متاثرین کو اس کا معاوضہ دینے تک کی زحمت گوارا نہ کی...... اور یہ اب تک صرف مال کی خاطر عالمی موسم اور درجۂ حرارت سے کھیلنے میں مصروف ہیں...... چاہے اس کی قیمت ہمیں اپنے بچوں کی زندگیوں سے ہاتھ دھو کر ہی کیوں نہ ادا کرنی پڑے!

خامساً: ہمیں چاہیے کہ ڈالر کے استعمال سے پرہیز کریں! اور جلد از جلد اس سے چھٹکارا پانے کی کوشش کریں! میں جانتا ہوں کہ اس فعل کے نتائج و عواقب انتہائی سخت اور گہرے ہوں گے، لیکن انسانیت کو امریکہ اور اس کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے چنگل اور ان کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے یہ اہم ترین اقدامات میں سے ایک ہے۔ کہنے والے کتنا ہی کہیں کہ اس فیصلے کے نتائج بڑے سخت ہوں گے...... لیکن امریکہ اور اس کی کمپنیوں کی غلامی میں رہنے کا نتیجہ اس سے زیادہ برا اور نقصان دہ ہے! اس مقصد کی خاطر ابتدائی طور پر افراد کو موقع دینا چاہیے کہ وہ ڈالر اور اس کے ساتھ مربوط دیگر کرنسیوں سے نجات حاصل کرلیں۔ بڑے 'ریزرو' (reserve) کے حامل ممالک...... خاص طور پر مشرقی ایشیائی ممالک کے لیے یہ فیصلہ کرنا نسبتاً زیادہ آسان ہے، کیونکہ وہ اس کے اثرات کا تحمل کر سکتے ہیں۔ یہ بات بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ ڈالر اور اس کے ساتھ مربوط دیگر کرنسیاں یورو کے آنے کے بعد سے اب تک اس کے مقابلے پر اپنی اسی فیصد ٪80 قدر کھو چکی ہیں۔

اسی طرح گیارہ ستمبر کے واقعات کے بعد ڈالر کے مقابلے پر سونے کی قیمت چار سو فیصد تک بڑھ چکی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ڈالر مسلسل خسارے کی جانب بڑھ رہا ہے۔ اور میرے خیال میں یہ خسارہ آنے والے وقت میں سو فیصد سے تجاوز کر جائے گا۔

عسکری، سیاسی اقتصادی اور اجتماعی علوم کے ماہرین کے نزدیک اب یہ حقیقت بالکل واضح ہو چکی ہے کہ امریکہ کی قسمت کے ستارے گردش میں آ چکے ہیں...... اس کی معیشت مسلسل زوال کی جانب گامزن ہے...... اور ڈالر کی کشتی اب ڈوبنے کو ہے۔ لہٰذا سمجھدار وہ ہے کہ جو دوسرے کو دیکھ کر نصیحت حاصل کر لے......!

آخر میں مَیں تمام دنیا کے لوگوں سے یہ کہنا چاہوں گا کی اس وقت آپ کے پاس امریکی غلامی سے نجات حاصل کرنے کا ایک نادر موقع ہے، کیونکہ اب وہ مصائب کے گرداب میں بری طرح پھنس چکا ہے۔ عراق کی دلدل میں وہ مزید دھنستا چلا جا رہا ہے...... اور افغانستان کی بھول بھلیوں میں واپسی کی راہ گم کر چکا ہے...... مجاہدین اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے روزانہ کی بنیاد پر اسے مادی اور معنوی اعتبارات سے کاری ضربیں لگانے میں مصروف ہیں...... امریکی اب وہاں سے بھی فرار کی راہ تلاش کرنے میں سرگرداں ہیں، لیکن کوئی راستہ انہیں سجھائی نہیں دے رہا...... اور وہ اپنے اقتصادی بحران اور مجاہدین کے ساتھ مسلسل ٹکراؤ کے بعد افسوس اور حسرت بھری نگاہوں سے شرق و غرب میں اپنی ریاستوں کی اقتصادی اور مالی حالت کو ابتری کی جانب بڑھتا دیکھ رہے ہیں......

سوائے دنیا کے لوگو! بھلا یہ بھی کوئی انصاف اور حکمت کی بات ہے کہ ایک مسئلہ جس کا ضرر تمام عالم کو پہنچ رہا ہو، اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ذمہ داری صرف مجاہدین کے سر ڈال دی جائے؟ اور پھر آپ سے تو محض اتنا سا تقاضہ کیا جا رہا ہے کہ آہستہ آہستہ ان کے گرد حصار کو تنگ کرتے جائیں...... لہٰذا پہلے قدم کے طور پر ان کی مصنوعات کا مقاطعہ کریں! اور خود کو اور اپنے بچوں کو موسمی تبدیلیوں کے تباہ کن اثرات سے بچائیں......!

کانفرنسوں میں شریک ہو کر زندگی کی بھیک مانگنے کی بجائے عزت اور وقار کی زندگی گزاریں! کیونکہ ایسی زندگی کا کیا فائدہ جو آزادی سے سانس لینے کا حق بھی سلب کر لے! اسی طرح آسودہ حال ممالک کو بھی چاہیے کہ وہ امریکہ کو مزید قرض دینے سے اجتناب کریں! کیونکہ یہ سارا مال ضعیف لوگوں پر مسلط ظالمانہ جنگ کی بھٹی میں جھونک دیا جاتا ہے، خاص طور آپ کے ہمسایہ ملک افغانستان میں۔ جہاں تک مجاہدین کا معاملہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حق کے غلبے، باطل کا قلع قمع کرنے، اپنے بھائیوں...... اور خاص طور پر اپنے فلسطینی بھائیوں...... کی نصرت اور ایشیا، افریقہ اور جنوبی امریکہ میں بے یار و مددگار ضعیف لوگوں کی فریاد رسی کی خاطر...... عراق، افغانستان اور دیگر علاقوں میں اپنا جہاد جاری رکھے ہوئے ہیں، اور ان شاء اللہ جاری رکھیں گے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

عافیہ اور ترازو-(از محمد سعید حسن)

دنیا کا دستور ہے کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ جو چیز قوت کے زور پر لی جاتی ہے وہ آنسو بہانے اور آہیں بھرنے سے واپس نہیں آ جاتی، وہ قوت ہی کے زور پر واپس لی جاتی ہے! کیا خیال ہے کہ کوئی آپ کی بہو بیٹی پر راہ چلتے آوازہ کس دے تو آپ اس کے گھر کے باہر بینر لگاتے ہیں؟ وہاں وال چاکنگ کرتے ہیں؟ مجمع لگا کر تقریر جھاڑتے ہیں یا اپنے بھائیوں بھتیجوں کو لے کر اس کی ہڈی پسلی ایک کرتے ہیں؟ اپنی بیٹی ہو تو آپ کی بلا سے ملک کا قانون جائے بھاڑ میں! آپ کو تو اُس بدبخت کو سبق سکھانا ہوتا ہے۔ بیٹی کسی اور کی ہو تو ایک مظاہرے کے لیے بھی وقت مشکل سے نکل پاتا ہے! یہ لگایا ہے مول ہم نے اللہ کے نبی ﷺ کی نسبت کا! یہی نسبت تو ہے جو کسی کی بیٹی کی عزت کو اپنی بیٹی جیسی عزت دلاتی ہے۔ کسی کی بہن کو اپنی بہن جیسا احترام دلاتی ہے۔ رہی شفاعت اور رہا حوضِ کوثر! ان پر تو ہمارا پیدائشی حق ہے! سچ تو یہ ہے کہ یہاں لینے کے باٹ اور ہیں، دینے کے باٹ اور! ہم سب اپنے اپنے ترازو میں اس نسبت کو تول لیں تو سمجھ میں آ جائے گا کہ عافیہ صدیقی اب تک اپنے گھر کیوں واپس نہیں آ سکیں!

متاعِ بے بہا ہے دردو سوزِ آرزومندی

استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ

یہ تحاریر بنیادی طور پر شیخ ابو قتادہ فلسطینی حفظہ اللہ کے کتابچے "درك الهدى في اتباع سبيل الفتى"(نوجوان کے نقش قدم پر حصول ہدایت کا سفر) کو سامنے رکھ کر مرتب کیے گئے دروس کا مجموعہ ہیں، کتابچے میں شیخ نے اصحاب الاخدود والی حدیث کی شرح کی ہے اور اس میں موجود حکمت کے ان موتیوں کو سمیٹا ہے جو دعوت و جہاد کے راہیوں کے لیے انتہائی اہم اور قیمتی ہیں۔ اللہ یہ اسباق سمجھنے اور ان پر عمل کی توفیق دے، آمین۔ (ادارہ)

نوجوان اور تحریکِ جہاد

اصحاب الاخدود کی اس حدیث مبارک میں آگے نقل ہے کہ؛"جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو تم میرے پاس ایک لڑکے (نوجوان) کو بھیج دو تاکہ میں اسے جادو سکھاؤں"۔

نوجوانوں میں سیکھنے کی صلاحیت، چستی، عزم اور تندرستی وغیرہ خوبیاں تو ہوتی ہی ہیں، مگر ان میں دیگر چند ایسی صفات بھی ہیں کہ جن کے سبب داعیانِ دین و جہاد کو اپنی توجہ، وقت اور وسائل کا ایک بڑا حصہ، خاص ان ہی پر مبذول کرنا چاہیے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حق کی دعوت قبول کرنے اور اس کی نصرت کرنے میں نوجوانوں نے ہی ہمیشہ سبقت کی ہے۔ انبیاءِ کرام پر ایمان لانے والوں میں اکثریت نوجوانوں کی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ﴿فَمَآ آمَنَ لِمُوسَىٰٓ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّن قَوْمِهِۦ...﴾[1] "موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے نہیں تھے مگر وہ جو چھوٹی عمر کے نوجوان تھے"۔ اصحاب کہف بھی نوجوان تھے، اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾[2] "یہ نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا"۔ مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فِتْيَةٌ، فتی کی جمع ہے، نوجوان کے معنی میں آتا ہے، علمائے تفسیر نے فرمایا کہ اس لفظ میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ اصلاحِ اعمال و اخلاق اور رشد و ہدایت کا زمانہ جوانی ہی کی عمر ہے، بڑھاپے میں پچھلے اعمال و اخلاق ایسے پختہ ہو جاتے ہیں کہ کتنا ہی اس کے خلاف حق واضح ہو جائے ان سے نکلنا مشکل ہوتا ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت پر ایمان لانے والے بیشتر صحابۂ کرام نوجوان ہی تھے (ابن کثیر، ابو حیان)"۔ دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ نوجوان جسمانی قوت و نشاط کے ساتھ ساتھ عالی ہمت اور پکے عزم کے ہوتے ہیں؛ اس عمر میں اگر انہیں ایک دعوت صحیح اور حق نظر آئے تو وہ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ اس کو قبول کرنے اور اس کی نصرت کرنے میں کتنی مشکلات سے گزرنا ہو گا، وہ خطرات دیکھ کر بھی ڈٹ جاتے ہیں اور پہاڑ جیسے مصائب کو سر کرنے کے لیے بھی کمر کس لیتے ہیں۔ دوسری طرف جنھوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ ایک خاص طرز پر گزارا ہو، وہ بس اسی میں ڈھلے ہوتے ہیں، اب وہ غلامی اور محکومی کا طرز ہی کیوں نہ ہو، وہ بس اُسی کو حقیقتِ واقعہ سمجھ کر قبول کر چکے ہوتے ہیں اور ہر ایسے قدم سے منع کرتے ہیں جو ان کے اُس معمول سے ہٹا ہوا ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو جہاد کا امر دیا اور دو مؤمنین کے سوا پوری قوم نے انکار کیا تو اللہ نے بطورِ سزا چالیس سال انہیں صحرائے تیہ میں رکھا جہاں یہ مسلسل ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے رہے۔ ابن خلدون کے مطابق اس میں اللہ کی طرف سے ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اس پورے عرصے میں ایک ایسی نئی نسل تیار ہو گئی جو پچھلی سے منفرد تھی۔ پچھلی نسل فرعون کی محکومی و غلامی میں بڑی ہوئی تھی، اس میں یہ دم خم نہیں رہا تھا کہ وہ اعلیٰ مقاصد کی خاطر اٹھے اور عزیمت و فدائیت کے رستہ پر قدم رکھے، جبکہ نئی نسل مختلف تھی، وہ چونکہ آزاد فضا میں پلی بڑھی تھی اور متحرک بھی رہی تھی، اس لیے اس نے اللہ کی پکار پر لبیک کہا اور جہاد کے لیے کھڑی ہو گئی۔ اس طرح آپ ﷺ کی نصرت کے لیے مدینہ کے قبائل نے جب اپنے کندھے اور سینے پیش کیے تو اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ جنگ بُعاث میں بڑی عمر کے ان کے سب سردار، سوائے عبداللہ بن ابی کے، قتل ہو گئے تھے اور پیچھے نوجوان ہی تھے کہ جنھوں نے حق دیکھا تو اس کی مدد کے لیے میدان میں اترے اور پورے عرب کی دشمنی کو بھی خاطر میں نہیں لائے۔ اس کے بجائے اگر بڑے ہوتے تو امکان تھا کہ وہ پرانے طرزِ زندگی کو ہی جاری رکھنے پر زور دیتے اور اس مہم جوئی کو ٹھنڈے پیٹوں قبول نہ کرتے۔

اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ بڑی عمر کے افراد سب مصلحت پسند ہوتے ہیں۔ شیخ ابو قتادہ کہتے ہیں کہ اگر بڑی عمر والوں کی جوانی تحریک اور تبدیلی لانے میں گزری ہو تو ان کے پاس حکمت کے وہ گوہر ہوتے ہیں کہ جن کے ہم بہر حال محتاج ہیں، لہٰذا ان سے استفادہ ضروری ہے۔ اس طرح یہ بھی ذہنوں میں ہو کہ بڑوں کے بہت حقوق ہیں، ان میں سے اگر کوئی ہمارے ساتھ مکمل موافق نہ بھی ہو، تو ان کے اسلام، تجربے اور بزرگی کا احترام ضروری ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:"مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا فَلَيْسَ مِنَّا"، "جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا حق نہیں پہچانتا (یعنی عزت نہیں دیتا) تو وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔ پھر جن بزرگوں کو اللہ نے کسی بھی سطح پر خدمتِ دین کا موقع دیا ہو تو وہ ہمارے لیے بلاشبہ روشنی کے مینار ہیں، اس لحاظ سے بھی ان کے ہمارے اوپر حقوق ہیں، اس لیے اپنے دعوتی و جہادی امور میں اگر ہم ان سے استفادہ کریں تو یہ تحریک جہاد

[1] یونس: ۸۳

[2] الکہف: ۱۳

کے لیے یقیناً نفع و برکت کا باعث ہو گا، ان شاء اللہ۔ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: "الْبَرَكَةُ مَعَ أَكَابِرِكُمْ" "برکت تمہارے بڑوں کے ساتھ ہے"۔

داعیانِ کرام کی ذمہ داری

حدیث میں آگے آپ ﷺ فرماتے ہیں: "بادشاہ نے ایک لڑکا جادو سیکھنے کے لیے جادوگر کی طرف بھیج دیا۔ جب وہ لڑکا چلا تو اس کا راستے میں ایک راہب پر سے گزر ہوا۔ وہ لڑکا اس راہب کے پاس بیٹھا اور اس کی باتیں سننے لگا جو کہ اسے پسند آئیں"۔

ہو سکتا ہے کہ لڑکے کے راستے میں راہب بالارادہ نہ بیٹھا ہو، مگر داعیانِ دین کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کی گزر گاہوں پر جائیں اور انہیں فوز و فلاح کی دعوت دیں۔ داعیٔ دین و جہاد لوگوں کو اللہ سے جوڑنے اور انہیں فرائض کی طرف بلانے ان کے پاس جاتا ہے، وہ ان کے ساتھ گھلتا ملتا ہے اور ان کی طرف سے ملنے والی تکالیف پر صبر کرتا ہے۔ لوگوں کا اس کے ساتھ کام ہو یا نہ ہو، اُس کا ان کے ساتھ کام ہوتا ہے، اس کے دل میں تڑپ ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح لوگوں کو وہ فائدہ پہنچائے کہ جس سے بڑھ کر فائدہ کوئی نہیں اور انہیں اُس نقصان سے بچائے کہ جس سے بڑھ کر نقصان کوئی نہیں۔ وہ اس دعوت و اصلاح میں خود اپنی نجات اور اللہ کی رضا سمجھتا ہے۔ اللہ کے دین کو غالب کرنے میں اپنا حصہ ڈالنا وہ اپنا فرض سمجھتا ہے، اس لیے وہ نصرتِ دین میں ساتھ دینے والوں کو ڈھونڈتا ہے اور اس کے لیے در در کی خاک چھانتا ہے۔ وہ بہت کچھ کر کے بھی اپنے کیے ہوئے کو کبھی کافی نہیں سمجھتا، بلکہ اسے ہر وقت یہ احساس زیاں رہتا ہے کہ نصرتِ دین کی ذمہ داری میں اب بھی اس سے کوتاہی ہوئی ہے اور اس عظیم کام کا جو حق ہے، اس کا عشرِ عشیر بھی ادا نہیں ہوا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے: "مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنْ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ اتَّبَعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ فَعَلَيْهِ مِنْ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ اتَّبَعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا"، "جس نے ہدایت کی طرف دعوت دی، اس کی جس نے پیروی کی، ان کے اجر کے برابر اس (داعی) کو بھی اجر ملے گا اور پیروی کرنے والوں کے اجر سے کچھ کم نہیں ہو گا اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا تو اس کے لیے پیروی کرنے والوں کے گناہوں کے برابر بھی گناہ ہو گا اور ان پیروی کرنے والوں کے گناہوں میں سے کچھ کم نہیں ہو گا"[1]۔ اس طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے: "الدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ" "نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا (اجر کے لحاظ) اس نیکی کو کرنے والے کی طرح ہے" اس کے سامنے دعوت و داعی کے یہ فضائل بھی ہوتے ہیں اس لیے اسے اجر کی امید رہتی ہے اور جتنا وہ اپنے آپ کو اس کام میں تھکائے، اتنا اسے قلبی سکون ملتا ہے۔

عصرِ حاضر کے بت ادیانِ باطلہ کا رد

اسلام و کفر اور حق و باطل کی سرحدات کو واضح کرنا اور اہل اسلام کو ان سرحدات کے اندر رہنے کی تلقین و ترغیب اور باطل کی سرحدات میں داخل ہونے سے ڈراتے رہنا انبیاء کرام اور ان کے ورثا کا وظیفہ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہود و نصاریٰ کی شباہت تک اپنانے سے انتہائی سختی کے ساتھ منع کیا ہے، اور ہم ہر نماز میں اللہ سے یہی دعا مانگتے ہیں کہ اللہ جن پر تیرا غضب ہوا (یہود) اور جو گمراہ ہوئے (نصاریٰ) ان کے راستوں سے ہمیں دور رکھیے، اور اسلام کی راہِ مستقیم پر ہمیں چلا۔ یہی وجہ ہے کہ علماءِ کرام نے اپنے اپنے دور میں یہود و نصاریٰ کی گمراہیاں کھول کھول کر بیان کی ہیں تاکہ ان سے مسلمان بچ سکیں۔ آج کے باطل ادیان صرف یہودیت، نصرانیت یا بت پرستی کی صورت میں نہیں ہیں، باطل کب کسی ایک صورت میں رہتا ہے، اس کی حقیقت اور گمراہی قائم رہتی ہے، فقط نام اور صورتیں ہیں جو وقت کے حساب سے تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ اس لیے آج داعیانِ دین اور وارثین انبیاء کی یہ ذمہ داری ہے کہ باطل چاہے جس روپ اور جس نام سے بھی آئے، اس کا کھوج لگائیں اور اس کا باطل ہونا لوگوں پر واضح کریں۔ سیکولرازم (لادینیت)، لبرل ازم اور جمہوریت آج کے جدید ادیانِ باطلہ ہیں اور ایک عالم دین کے مطابق یہ ادیان اللہ کے معاملے میں جاہلیتِ قدیمہ سے زیادہ گستاخ ہیں۔ یہودیت و نصرانیت یا بت پرستی میں اللہ کی عظمت قبول کی جاتی تھی اور پھر اُس ذات قدیر کے ساتھ شریک ٹھہرایا جاتا تھا، جبکہ یہاں ہر انسان خود الوہیت کا دعوے دار بن جاتا ہے اور انسانی رائے اور اس کی سوچ کو اللہ کے دین سے اعلیٰ و ارفع بتایا جاتا ہے۔ ان ادیانِ باطل کی بنیاد اللہ سے کھلی بغاوت پر کھڑی ہے۔ یہاں صحیح و غلط اور نافع اور مضر کا فیصلہ وحی نہیں کرتی، بلکہ ناقص انسانی ذہن اور خواہش نفس کرتی ہے۔ انسان مخلوق ہے، محتاجی اس کی بنیادی صفت ہے اور پیدائش سے لے کر مرنے کے بعد تک ہر لمحہ و ہر سانس میں وہ اپنے خالق اللہ کا محتاج رہتا ہے، مگر عصر حاضر کے ادیان اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں؛ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ انسان مختار ہے کہ وہ جس عمل کو چاہے صحیح کہے اور جس کو چاہے غلط بتائے۔ مذہب ہر ایک کا ذاتی معاملہ ہے۔ کہتے ہیں حکومت و سیاست میں مذہب کا کیا کردار ہے؟ جیسے نعوذ باللہ ایک انسان ذاتی دائرے میں چاہے تو اللہ کی بندگی کرے، مگر جیسے ہی دوسرے فرد اور معاشرہ کے ساتھ اس کے تعلق کا دائرہ شروع ہوتا ہے تو وہ دین سے آزاد ہو جاتا ہے۔ حالانکہ سچ یہ ہے کہ انسان یا ساری زندگی میں اللہ کا بندہ رہتا ہے یا دوسری صورت میں، اگر کسی ایک گوشۂ حیات میں بھی وہ اللہ سے آزادی کا اعلان کرتا ہے تو وہ پھر بندہ نہیں رہتا، بلکہ خود الٰہ بن جاتا ہے۔ ظاہر ہے غلامی مکمل ہوتی ہے، آدھی پونی نہیں ہوتی، ایسا نہیں کہ ایک دائرے میں تو اللہ کی اطاعت ہو گی اور دوسرے میں نفس یا کسی دوسری مخلوق کے حق بندگی کا اعلان ہو۔

[1] مسند احمد اور سنن ابن ماجہ

غرض انسان کی زندگی کو تباہ کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ اُسے اپنے خالق ومالک سے توڑا جائے اور خود مختاری وحاکمیت کی وہ صفات جو اللہ کے لیے خاص ہیں، اُسے تفویض کر دی جائیں۔

بے لطف سے پر لطف زندگی

انسان کا چین وسکون اور اس کی فوز وفلاح اسی میں ہے کہ اس کے خالق ومالک نے اس کے لیے جو طریقۂ حیات بھیجا ہے، بس اسی کو وہ اپنا دین سمجھے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے۔ وہ تب ہی فطرت کے ساتھ موافق ہو سکتا ہے اور قلب وروح کی راحت اسے نصیب ہو سکتی ہے جب انفرادی ہو یا اجتماعی، زندگی کے ہر ہر معاملے میں، سر تا پا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی غلامی کرے اور اللہ کی شریعت کو زندگی کے تمام تر امور میں واجب اطاعت سمجھے۔ لیکن اگر انسان اپنی حقیقت کو فراموش کر کے خود مختاری کا دعویٰ کرے تو اس سے بڑھ کر حماقت اور گراوٹ اس کے لیے نہیں ہو سکتی۔ ایسے فرد کے ساتھ اللہ کی مخلوق بھی کبھی موافق نہیں ہو سکتی۔ یہ زمین، آسمان، پہاڑ، پرند وچرند اور سب دیگر مخلوقات اللہ کی مطیع ہیں، اللہ نے چونکہ ان سب کو انسان کے لیے مسخر کیا ہے، اس لیے یہ فرداً نہیں استعمال تو کرتا ہے، مگر اللہ سے بغاوت کے سبب یہ سب اس پر لعنت بھیجتی ہیں، اور یوں اُسے اس دنیا میں کبھی چین وسکون نہیں ملتا، دنیا بھر کی نعمتیں اس کے حق میں زحمت ثابت ہوتی ہیں اور آخرت میں بھی تباہی وبربادی اس کا انجام ٹھہرتی ہے۔ حق یہ ہے کہ انسان نے اپنی فطرت خود خراب نہ کی ہو، اس نے خود گمراہی کا راستہ اگر نہیں اپنایا ہو تو اس کی فطرت اللہ کی بندگی کے سوا کسی دوسری چیز میں سکون نہیں پاتی۔ یہ اللہ کی عبادت ہی ہے کہ جس کے سبب اس کے قلب وروح کو سرور واطمینان ملتا ہے۔ اس عبادت ہی کے بدلے اللہ اسے دنیا میں بھی پر لطف زندگی کی بشارت دیتا ہے: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً...﴾[1] "جس شخص نے بھی مومن ہونے کی حالت میں نیک عمل کیا ہو گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، ہم اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے..."۔ لہٰذا آج پہلے سے کہیں زیادہ اس دعوت کی ضرورت ہے کہ زندگی کے ہر ہر میدان میں ہم اپنے اُس رب کی بندگی کریں جو ہم سے ستّر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے۔ وہ رحیم وکریم رب خود بھی ظلم نہیں کرتا، اپنے اوپر اُس نے ظلم حرام کیا ہے، ہمیں بھی اس نے ظلم سے منع کیا ہے جبکہ زندگی کے کسی بھی گوشہ میں اللہ کی بندگی سے انکار کرنے سے بڑا کوئی ظلم نہیں۔ پس لادینیت، لبرل ازم اور جمہوریت جس نظامِ حیات کو تشکیل دیتی ہیں وہ چونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبدیت پر نہیں، بلکہ (نعوذ باللہ) انسان کے 'الٰہ' ہونے پر کھڑا ہے، اس لیے یہ عصرِ حاضر کے تمام تر فساد اور ظلم کا منبع ہے۔ پس داعیانِ کرام کے لیے ضروری ہے کہ عصرِ حاضر کی اس جاہلیت کی حقیقت واضح کریں اور اس کے خلاف منبر ومحراب سے بھی آواز اٹھائیں اور مسجد سے باہر بھی ہر وہ فورم اور ذریعہ کام میں لائیں جو کسی داعی کو میسر ہو سکتا ہے۔

عصر حاضر میں دعوتِ دین وجہاد کی اہمیت

دعوت کا کام ویسے تو فرضِ کفایہ ہے، جس کا معنی ہے کہ اگر ایک گروہ کی دعوت سے کفایت ہو رہی ہو تو باقی لوگ بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ مگر کیا آج کفایت ہو رہی ہے؟ آج تو بے دینی کا ایک ایسا سیلاب وطوفان ہے کہ دین پسند بھی دین سے برگشتہ ہو رہے ہیں۔ امت کا نوجوان جو امت کا بنیادی سرمایہ ہے، بے دینی اور دین بیزاری کے بحر مردار میں ڈوبتا جا رہا ہے۔ اجتماعی سطح پر دین کی حاکمیت جب سے ختم ہوئی ہے، انفرادی لحاظ سے بھی مسلمانوں کا دین محفوظ نہیں رہا اور آج امت مسلمہ کا کوئی قیمتی ترین اثاثہ اگر سب سے زیادہ خطرے میں ہے تو وہ یہی مسلمانوں کا دین وایمان ہے۔ جس طرح چرواہے کے بغیر ریوڑ پر درندے ٹوٹ پڑتے ہیں، اسلام اور اہل اسلام پر اس سے کہیں زیادہ بے خوفی سے آج دشمنانِ دین حملہ ور ہیں۔ ریاستی وغیر ریاستی قوت اور وسائل استعمال ہو رہے ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں کا اسلام کے ساتھ جو رشتہ ہے، یہ عملاً باقی نہ رہے۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ جس فکری، تہذیبی اور معاشرتی ارتداد سے امت کو خبردار کر رہے تھے، باطل کی مہم جوئی اور ہماری اپنی کوتاہی ہے کہ وہ ارتداد ہمارے معاشروں میں حقیقت کا روپ دھارے بڑھ رہا ہے۔ یہ سب دیکھ کر دین کا شعور رکھنے والے ایک مسلمان کا دل کیوں نہ کٹے؟ اللہ کا دین جب اس سے مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ اس حق کی نصرت کے لیے اٹھے، تو وہ کیوں کر سکون اور چین کی نیند سوئے اور کیوں کر اپنی معمول کی زندگی میں مگن رہے؟ وہ کیسے راضی ہو سکتا ہے کہ اسلام جو انسانیت کو عظمت دلانے آیا ہے، خود اس کے اپنے ماننے والے ہی آج پستی کا شکار ہو رہے ہوں اور حیوانوں سے بھی بدتر وغلیظ انسان نما شیاطین کی نقالی کر رہے ہوں!! اپنے ارد گرد مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی تباہ ہوتی زندگیاں دیکھ کر اس کی روح کیوں نہ تڑپے؟ ہو نہیں سکتا ہے کہ ایک مسلمان کے دل میں ایمان کی چنگاری ہو، اس کے پاس فہم وشعور کی نعمت بھی ہو اور وہ مسلمان معاشروں کی تباہی پر آنکھیں بند کرے۔ کفر وظلم کے اس غلبہ میں اس کی مثال اس ماہیٔ بے آب کی طرح ہی ہوتی ہے جس کا ہر لمحہ بے چینی وبے سکونی میں گزرتا ہے۔

آج ایک نہیں، متعدد فرائض ہیں کہ جو ہر صاحب ایمان کو میدانِ عمل میں اتارنے کے لیے اُسے مخاطب ہیں۔ فتنہ وفساد کی جڑ اس کفریہ نظام کو ختم کرنا اور شریعتِ مطہرہ نافذ کرنے کے لیے جہاد فرض ہے، مگر افسوس ہے کہ آج یہ فرض امت میں بالکل اجنبی ہو کر رہ گیا ہے۔ کوئی ایک بھی سرزمین ایسی نہیں ہے جہاں اہل اسلام حقیقی معنوں میں آزاد ہوں اور ان کا دین ودنیا محفوظ ہو۔ کہیں براہ راست کفریہ طاقتیں قابض ہیں، کشمیر، ہندوستان، مشرقی ترکستان وبرما سے لے کر فلسطین تک ہماری ماؤں بہنوں کی کان پھاڑتی چیخیں سنائی دے رہی ہیں، ہمارے مقدسات تک پر یہود ونصاریٰ کا قبضہ ہے، تو کہیں ان کے آلۂ کار عدو الصائل بن کر اہل اسلام کا دین ودنیا تباہ کر رہے ہیں۔ اس فساد کا مقابلہ اور اس سے دفاع بھی فرض ہے......اس طرح

[1] النحل: ۹۷

منکر روکنا اور نیکی پھیلانا فرض ہے مگر آج منکرات کی بھرمار ہے، حکومتی وسائل سے منکرات کو پھیلایا جاتا ہے اور انہیں تحفظ دیا جاتا ہے۔ غرض کوئی ایک فرض نہیں، متعدد فرائض ہیں جو ہمیں مخاطب ہیں اور ان سب کا مقدمہ دعوتِ دین و جہاد ہے۔ اللہ کی کتاب نے 'دعوت الی اللہ' اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو مؤمنین کی ایک اہم صفت کے طور پر بیان کیا ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ...﴾[1] "اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کی تلقین کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں......"، صاحب تفسیر قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مؤمنین اور منافقین کے بیچ بطور فرق بتادیا ہے، لہٰذا یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مؤمنین کی اہم صفات میں سے ایک اہم صفت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے اور اس میں بھی چوٹی کا عمل اسلام کی طرف دعوت ہے"۔

اسوۂ حسنہ جو نگاہوں میں رکھنا ضروری ہے!

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾[2] "کہو کہ میں اس راستے [دین] کی طرف بلاتا ہوں اور جو میری اتباع کرتے ہیں وہ بھی اسی کی طرف بلانے والے ہیں"۔ امام جصاص رحمہ اللہ اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں: "یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں پر اللہ کی طرف بلانے کی ذمہ داری پڑتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ اللہ کی طرف بلاتے تھے"۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میں ہمارے لیے نمونۂ عمل ہے۔ تو گویا آپ جس طرح داعی تھے، لوگوں کی ہدایت کی جو تڑپ آپ رکھتے تھے، جس طرح آپ نے دعوت میں تکالیف برداشت کیں اور اس کے باوجود بھی آپ حوصلہ نہیں ہارے، بلکہ لوگوں کو فوز و فلاح کی طرف لانے کے غم میں اضافہ ہوتا گیا، ان سب میں آپ ﷺ ہمارے لیے نمونۂ عمل ہیں۔

دوسروں کے لیے ہدایت کی تڑپ ہی تھی کہ آپ ﷺ نے نہ دن دیکھا نہ رات، گھر گھر کا دروازہ بھی کھٹکھٹایا اور میلوں، حجروں اور بازاروں میں بھی گئے۔ پتھر کھائے، طعنے سہے، ہر طرح کی اذیتیں برداشت کیں مگر اس کے باوجود بھی لوگوں کے لیے آپ کے دل میں خیر خواہی ختم نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ کے غم میں مسلسل اضافہ ہوتا گیا کہ کسی طرح لوگ اپنے رب کے مطیع و فرماں بردار بن جائیں اور تباہی سے بچ جائیں۔ مدینہ منورہ آپ نے ہجرت کی تو آپ ﷺ کے پاس دعوت دینے کے لیے انصار صحابہ بھی کم نہیں تھے، مگر اس کے باوجود آپ خود بھی دعوتِ دین میں سرگرداں رہتے۔ ایک دفعہ مدینہ کے بازار میں عبد اللہ بن ابی چند یہود، مشرکین اور مسلمانوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، تب اس نے ظاہراً بھی اسلام قبول نہیں کیا تھا؛ آپ ﷺ کی سواری آئی تو اس نے ناک پر رومال چڑھا کر کہا کہ گرد کیوں اڑاتے ہو؟ آپ ﷺ سواری سے اترے، سلام کیا، اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی چند آیات سنائیں۔ عبد اللہ بن ابی نے کہا، "اے بھائی! جو بات آپ کہہ رہے ہیں اگر یہ واقعی برحق ہے تو اس سے اچھی کوئی بات نہیں لیکن بہتر ہے کہ آپ ہماری مجلسوں میں آکر ہمیں تکلیف نہ دیں، آپ اپنے ٹھکانے پر واپس چلے جائیں اور وہاں جو آدمی آئیں بس ان ہی کے سامنے یہ باتیں کریں"۔ اس پر وہاں موجود مسلمانوں نے کہا کہ نہیں ہماری مجلسوں میں آیا کریں ہمیں خوشی ہوتی ہے۔ غرض دعوتِ دین کی خاطر آپ ﷺ لوگوں کے پاس جاتے اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ کے سامنے گڑگڑاتے اور لوگوں کی ہدایت کی دعا کرتے۔ سورۂ یاسین میں جس رجلِ مؤمن کا ذکر ہے کہ اس کی قوم نے دعوت دینے پر اسے انتہائی بے دردی سے قتل کیا اور جیسے ہی اس نے اللہ کی مغفرت اور جنت میں اپنا مقام دیکھا تو تڑپ کر عرض کی: "اے کاش! میری قوم جان لیتی کہ کیسے میرے رب نے میری مغفرت کی اور مجھے معزز لوگوں میں شامل کیا"۔ ابن کثیر نے قتادہ رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ دنیا سے جا کر بھی اپنی قوم کے لیے اس کی خیر خواہی ختم نہیں ہوئی، حالانکہ اس قوم ہی نے اس کو قتل کیا تھا۔ ان کے بیچ رہتے ہوئے بھی اس نے حسرت کی کہ کاش میری قوم جان لیتی اور یہاں آکر بھی قوم کو برا بھلا نہیں کہا بلکہ قوم کی ہدایت کی خواہش کی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ اس مؤمن نے زندگی میں يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ (اے میری قوم کے لوگو! ان رسولوں کا کہنا مان لو!) کہہ کر قوم کے ساتھ خیر خواہی کی اور قتل ہونے کے بعد يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ (کاش! میری قوم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ نے کس طرح میری بخشش کی ہے اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل کیا ہے) کہہ کر قوم کے لیے بھلائی چاہی۔ ہماری قوم تو مسلمان ہے، اس کی اصلاح اور اسے نصرتِ دین کے فرض پر ابھارنے کے لیے ہمیں کہیں بڑھ کر خیر خواہی کی ضرورت ہے۔

دردو سوز، جدوجہد اور یقینِ محکم

داعیٔ جہاد کے دل میں درد ہوتا ہے، اسلام کی مغلوبیت اور امت کی حالتِ زار پر اس کا جگر کٹتا ہے اور دعوت و جہاد کی محنت میں مستقل اپنے آپ کو کھپاتا ہے، اسے یہ یقینِ محکم ہوتا ہے کہ غلبۂ اسلام کی یہ جدوجہد رائیگاں نہیں جائے گی، جلد یا بدیر، آج نہیں تو کل، اسلام نے ایک دفعہ پھر غالب ہونا ہے اور کفر و ظلم کی یہ اندھیری رات ضرور ختم ہوگی، پھر تمام تر مساعی و مصائب پر اپنے رب سے اجر و انعام کی امید ہی ہے جو اسے کھڑا رہنے اور آگے سے آگے بڑھنے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ درد و سوز اور عزم و ہمت کے ساتھ میدانِ عمل میں بڑھتا ہے اور جب اس دردمندی اور خیر خواہی کے ساتھ مسلمانوں کو پکارتا ہے تو جن کے دلوں میں اللہ نے خیر رکھی ہو، صدق و حق کی قبولیت جن میں ہو، وہ اس دعوت سے اثر لیے بغیر نہیں رہتے۔ یوں معرکۂ خیر و شر کے لیے رجالِ کار اسے ملتے ہیں اور قافلہ آگے بڑھتا ہے۔ سید احمد شہید رحمہ

---

[1] التوبہ: ۷۱

[2] یوسف: ۱۰۸

اللہ کی تحریک میں دعوت و اصلاح اور جہاد و فداکاری کی صفت بہت اعلیٰ تھی۔ ایک دفعہ سید صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ایک ساتھی کو اعانت حاصل کرنے کے لیے ہندوستان بھیجا، پیچھے سید صاحب شہید ہوگئے۔ ان محترم کو سید صاحب رحمہ اللہ کی جدائی کی جگر چیرنے والی خبر ملی تو آپ مایوس ہو کر نہیں بیٹھے، بلکہ آپ نے دعوتِ جہاد کا محاذ سنبھالا اور نئے رجالِ کار ڈھونڈنے کے لیے نکل پڑے۔ بازار میں وہاں ایک صاحب آٹے کی چکی والے تھے، آپ کو وہ شخص دعوت کے لیے موزوں لگا اور اس مقصد کے لیے آپ نے ان کی دکان پر جانا شروع کیا۔ جب بھی جاتے، چکی والا اپنے کام میں مصروف ہوتا، آپ بس سلام کرتے اور خاموشی کے ساتھ دکان کے سامنے بیٹھ جاتے۔ کئی دن یہ معمول رہا۔ دکان دار نے ایک دن آپ کو بھکاری سمجھا اور آپ کے ہاتھ میں روپیہ رکھا۔ آپ نے واپس کیا اور فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں، مجھے آپ سے کام ہے۔ دکان دار نے کہا بتائیں، آپ نے کہا کہ ابھی نہیں، جب آپ فارغ ہوجائیں گے تو بتاؤں گا۔ دکان دار فارغ ہوئے، آپ کے سامنے بیٹھ گئے تو آپ نے ان کے سامنے دعوتِ دین و جہاد رکھی۔ جس درد و سوز کے ساتھ یہ دعوت پیش کی گئی، دکان دار اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے، دعوت قبول کی اور پھر عجیب یہ کہ داعی محترم نے انہیں بغدادی قاعدے سے لے کر پورا قرآن اور دیگر ضروری علوم بھی منتقل کیے، یہاں تک کہ یہ محترم عالم بن گئے اور بعد میں تحریکِ مجاہدین میں ان کا اہم کردار رہا۔ دعوتِ جہاد کو ایسا درد و سوز رکھنے والوں کی ضرورت ہے جو انتہادرجہ اہتمام کے ساتھ لوگوں کو دعوت دیں۔ اس واقعہ کو دیکھیے اور سوچیئے کہ کیا ہم بھی لوگوں کو دعوت دینے میں اس قدر اہتمام کرتے ہیں؟ اگر کوئی فرد دعوتِ جہاد کے لیے ہمیں موزوں لگے تو کیا ہم اس کے لیے دعا کرتے ہیں؟ راتوں کو اٹھ کر اللہ کے سامنے اس کا نام لیتے ہیں؟ اگر وہ کسی وجہ سے ہمیں وقت نہیں دے پاتا تو کیا ہم حوصلہ ہار جاتے ہیں یا مناسب موقع تلاش کرتے ہیں؟ ضروری ہے کہ جب بھی ہم کسی فرد کے سامنے اپنی دعوت پیش کرنا چاہیں، تو اس سے پہلے اللہ سے اس کے لیے خوب دعائیں مانگیں، پھر ہماری دعوت مدلل، جامع اور موقع کی مناسبت سے بھی ہو۔ بعض اوقات خود ہماری اپنی کوئی کوتاہی ہی مخاطب کے نہ سمجھنے کا باعث بنتی ہے اور اس کے دل کے دروازے بند ہی رہ جاتے ہیں۔[1]

داعی خواہ گونگا ہی کیوں نہ ہو......

داعیٔ دین و جہاد کے لیے سید قطب رحمہ اللہ کا یہ فرمان بہت پیارا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ”داعی کی کامیابی میں بنیادی سبب اس کے علم کی کثرت، زورِ بیان یا گفتگو کا سحر نہیں ہے، اہم ترین عامل وہ ایمان ہے کہ جو وہ اپنی دعوت اور جس چیز کی طرف وہ دعوت دیتا ہے، اس کی سچائی پر رکھتا ہے۔ یہ خوف ہے کہ کہیں اس ایمان اور راہ حق سے وہ محروم نہ ہوجائے اور دعوت کے ساتھ بے وفائی کرنے سے جس نقصان و خسران کا وہ سامنا کر سکتا ہے، اس کا احساس اور اس سے ڈرتے رہنا اس کی کامیابی کا سبب ہوتا ہے۔ یہ داعی اس ایمان کے ساتھ قلب و قالب دونوں لحاظ سے اللہ کی طرف ہجرت کرتا ہے، اپنے ماضی کی زندگی چھوڑ کر آگے کی طرف بڑھتا ہے اور خاص اسی پر بھروسہ کرتا ہے۔ دنیا اور اس کی تمام تر نعمتوں کو اللہ کی خاطر قربان کر دیتا ہے اور اللہ کی محبت کے مقابل اپنے من میں کوئی اور محبت نہیں رکھتا۔ (ایسا کرتے ہوئے اس کی زندگی میں ایک انقلاب بپا ہو جاتا ہے یوں) وہ ایک حال سے دوسرے حال، ایک طرز زندگی سے دوسرے طرز زندگی کی طرف ہجرت کرتا ہے اور بے شمار قلبی میلانات کو چھوڑ کر ایک اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرلیتا ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ اس تعلق اور اس کی خاطر اس جدوجہد کے راستے میں پھر کسی قسم کی رکاوٹ برداشت نہیں کرتا، یوں ایسا داعی گونگا ہی کیوں نہ ہو، یہ لوگوں کے دلوں اور ذہنوں پر انتہائی قوی اور انمٹ اثرات چھوڑ دیتا ہے۔“

اللہ ہمیں اخلاص دے، ہمارے قلب و عمل کو اپنے لیے خالص کرلے اور اللہ ہمارے قول و عمل میں برکت ڈالے، و آخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

دن کے ابتدائی وقت کی اہمیت

”يسن لمن له وظيفة من نحو قراءة أو علم شرعي وتسبيح أو اعتكاف أو صنعة فعله أول النهار وكذا نحو سفر وعقد نكاح وإنشاء أمر لهذا الحديث.“

”جس شخص کے ذمہ کوئی کام ہو جیسے قرآن سیکھنا یا علم شرعی حاصل کرنا، تسبیح یا (نفلی) اعتکاف کرنا، یا بطورِ پیشہ کام کرنا، اس کے لیے مسنون ہے کہ وہ دن کے ابتدائی حصے میں کام کرے، اسی طرح حدیث کی رو سے سفر پر جانے، عقدِ نکاح کرنے اور کسی بھی کام کی ابتدا کرنے کے لیے دن کا ابتدائی وقت منتخب کرنا مسنون ہے۔“

(امام نووی رحمۃ اللہ علیہ)

(بحوالہ: الفیض القدیر)

---

[1] اسی ضمن میں دیکھیے مولانا عاصم عمر صاحب کی تالیف ’دعوتِ خلافت اور منہجِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم‘ اور استاد اسامہ محمود صاحب کی تالیف ’دعوت کا اسلوب اور منہجِ جہاد کی حفاظت و فروغ‘۔ یہ دونوں تالیفات اس لنک پر موجود ہیں۔ (ادارہ)

ہم نے پاکستان کیوں بنایا؟!

علامہ محمد اسد رحمہ اللہ علیہ

یہ علامہ محمد اسد صاحب کا ایک گراں قدر مقالہ ہے جو انہوں نے مئی ۱۹۴۷ء میں قیامِ پاکستان سے چند ماہ پیشتر اپنے قائم کردہ اور زیرِ ادارت جریدے 'عرفات' میں شائع کیا۔ علامہ صاحب مرحوم نے اس مقالے کا نام 'ہم پاکستان کیوں بنانا چاہتے ہیں؟' رکھا تھا، کہ ابھی پاکستان قائم نہ ہوا تھا، البتہ آج قریباً تہتر (۷۳) سال گزر جانے کے بعد اس کا عنوان 'ہم نے پاکستان کیوں بنایا؟!' رکھ کر مجلّہ 'نوائے افغان جہاد' میں شائع کیا جا رہا ہے۔ علامہ صاحب مرحوم کا یہ مقالہ آج اس لیے دوبارہ نشر کیا جا رہا ہے تاکہ ہم آج کے زمانے میں بسنے والے لوگ جان لیں کہ پاکستان بنانے کا اصل مقصد کیا تھا؟ ساتھ ہی یہ بھی جان سکیں کہ کیا پاکستان جس مقصد کے لیے مسلمان عوام و قائدین (علما، اسلامی مفکرین و اہلِ حل و عقد) بنانے میں کوشاں تھے وہ بن سکا یا نہیں؟ جس کے لیے آج ہم جینے مرنے کی قسمیں کھاتے ہیں کیا یہ وہی پاکستان ہے جسے علامہ محمد اسد صاحب جیسے لوگ بنانا چاہتے تھے یا جس کا نقشہ وہ پاکستان کے بننے سے قبل کھینچ رہے ہیں؟ پھر اس وقت اس کو اس لیے بھی شاملِ اشاعت کیا جا رہا کہ یہ مارچ کا مہینہ ہے۔ وہ مارچ کا مہینہ جس کی تیئس (۲۳) تاریخ کو سنہ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں آج کے مینارِ پاکستان کے مقام پر 'قراردادِ لاہور' ثم 'قراردادِ پاکستان' منظور ہوئی تھی اور آج پاکستان میں اسی روز کو بطورِ نیشنل ڈے یا قومی دن کے منایا جاتا ہے۔ اس روز فوجیں پریڈیں کرتی ہیں، 'گارڈ آف آنر' لیے دیے جاتے ہیں، نغمے اور گیت گائے جاتے ہیں اور 'پاکستان زندہ باد' کے نعروں سے زمین و فضا گونجتی ہے...... اسی لیے مناسب ہے کہ جانا جائے کہ وہ کون سا پاکستان تھا جس کی محبت لازم ہے اور کون سا پاکستان ہے جس کے لیے ہم 'زندہ باد، پائندہ باد' کے واشگاف نعرے 'مار' رہے ہیں؟

یہاں علامہ صاحب کا چند سطری تعارف بھی ضروری ہے۔ علامہ صاحب اصلاً ایک یورپی شہری تھے، تعلق آسٹریا سے تھا اور ایک مذہبی یہودی ربّی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ابتدائے سنِ شعور ہی میں مذہبِ یہودیت سے بیزار ہو گئے اور طویل مشاہدے اور تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کے اصل دین اور راہِ نجات اسلام ہی ہے۔ یہودی نام Leopold Weiss تھا اور مسلمان ہو کر اپنے لیے 'محمد اسد' پسند کیا۔ اسلام لانے کے بعد آپ اس وقت کے متحدہ ہندوستان میں علامہ اقبال کی تحریض و دعوت پر آ آباد ہوئے اور قیامِ پاکستان کی تحریک میں حصہ لیا۔ المختصر قیامِ پاکستان کے بعد بعض حکومتی عہدوں پر فائز رہے اور بعض کمیشنوں کی سربراہی بھی کی، لیکن آخر کار پاکستان کے کارِ ریاست دیکھ کر مایوس ہو کر چھوڑ گئے۔ آپ کی پیدائش سنہ ۱۹۰۰ء میں ہوئی اور آپ کا انتقال ۱۹۹۲ء میں اکیانوے (۹۱) برس کی عمر میں ہوا۔ اللہ پاک آپ کی لغزشوں سے در گزر فرمائیں اور آپ پر رحمت و کرم کی نظر فرمائیں، آمین۔ (ادارہ)

تین چار ماہ پہلے کی بات ہے، میں نے ''عرفات'' کے شمارۂ فروری میں ایک سوال اٹھایا تھا: ''کیا واقعی ہم اسلام چاہتے ہیں؟'' یہ کوئی خطیبانہ سوال نہیں تھا کہ قارئین کی دینی اصلاح کے لیے ذہن میں آیا ہو۔ فی الحقیقت یہ ایسا سوال تھا جو ہمیں اپنے آپ سے ضرور پوچھنا چاہیے کہ ''کیا واقعی ہم اسلام چاہتے ہیں؟'' وقت آ گیا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو اس سوال کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اپنے حال اور مستقبل کے حوالے سے اس سوال کے تمام نتائج و عواقب کا پورا پورا تجزیہ کرنا ہو گا اور اپنے اندر اخلاقی جرأت پیدا کرنی ہو گی کہ اس سوال کے جواب میں ایمان داری سے ''ہاں'' یا ''نہ'' کہہ سکیں۔ فی زمانہ، جیسے حالات ہمارے مشاہدے میں آ رہے ہیں، ان کی کیفیت یہ ہے کہ بے شمار مسلمان زبان سے تو کہتے ہیں ''ہاں'' اور عمل سے کہتے ہیں ''نہ''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام کی باتیں تو بہت کرتے ہیں اور بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ کہتے ہیں کہ اسلام بہترین ضابطۂ حیات ہے، اسلام واحد ضابطۂ حیات ہے جو انسانیت کو تباہی کے راستے سے بچا سکتا ہے، اس لیے اسلام واحد منزلِ مقصود ہے جس کے نفاذ کے لیے کوشش کی جانی چاہیے۔ یہ لوگ کہتے تو یہی ہیں، لیکن اپنے اعمال اور سماجی رویوں سے وہ اسلام سے زیادہ سے زیادہ دور ہوتے جاتے ہیں۔ ہماری جدید تاریخ میں اسلام کے بارے میں اتنی باتیں کبھی نہیں ہوئی تھیں، جتنی آج کے ہندوستان میں ہو رہی ہیں۔ ہر طرف اسلام، اسلام کا غلغلہ ہے اور اس کا برعکس بھی درست ہے کہ اسلام کی روح کے مطابق عملاً اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کی طرف اتنی بے توجہی کبھی نہیں برتی گئی، جتنی آج کے ہندوستان میں برتی جا رہی ہے۔

اس مقام پر شاید میرے اس دعوے کے خلاف آپ کے دل میں شکایت یا احتجاج پیدا ہو اور آپ اس زبردست جوش و خروش کی طرف توجہ دلائیں جو نظریۂ پاکستان نے مسلمانانِ ہند پر برپا کر رکھا ہے۔ آپ کہیں گے اور ایسا کہنے میں آپ حق بجانب ہوں گے کہ مسلمانانِ ہند بالآخر اپنی طویل گراں خوابی سے بیدار ہو گئے ہیں، انہوں نے ایک عظیم مقصد کے لیے اتنا زبردست اتفاق و اتحاد حاصل کر لیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ تحریکِ پاکستان کا پہلا نعرہ ہی ''لا الٰہ الا اللہ'' مقرر ہوا ہے اور انہوں نے ایسی سیاستِ حاکمہ قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے جس میں مسلم تصورِ کائنات، مسلم اخلاقیات اور مسلم معاشرتی افکار مکمل اظہار کی راہ پا سکیں۔ اور آپ کسی قدر رنجیدگی سے مجھ سے دریافت کریں گے کہ کیا میں ان سب باتوں کو اسلامی نقطۂ نظر سے بے وقعت اور غیر اہم خیال کرتا ہوں؟

میں ہرگز ہرگز ان کو بے وقعت اور غیر اہم خیال نہیں کرتا۔ میری نظر میں یہ بہت وقیع اور اہم ہیں۔ میرا عقیدہ ہے (اور گزشتہ چودہ سال سے میں اس عقیدے پر قائم ہوں) کہ ہندوستان میں اسلام کا کوئی مستقبل نہیں، ماسوا اس کے کہ پاکستان ایک حقیقت بن کر قائم ہو جائے۔ اگر پاکستان واقعی قائم ہو جاتا ہے، تو پورے عالمِ اسلام میں ایک روحانی انقلاب آ سکتا ہے۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ جس طرح تیرہ سو سال قبل ایک نظریاتی، اسلامی ہیئتِ حاکمہ قائم کرنا ممکن تھا، کم و بیش اس طرح آج بھی ممکن ہے، ہمیں ایک سوال کا جواب دینا ہو گا۔ کیا تحریکِ پاکستان کے تمام قائدین اور ہر اول اہلِ دانش اپنے ان دعوؤں میں سنجیدہ اور مخلص ہیں کہ اسلام اور صرف اسلام ہی ان کی جدوجہد کا اولین محرک ہے؟ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ''پاکستان کا مطلب کیا، لا الٰہ الا اللہ'' تو کیا وہ اس کا مطلب بھی جانتے ہیں کہ وہ کہہ کیا رہے ہیں؟

پاکستان کا نظریہ اور پاکستان کا خواب کیا ہم سب کے ذہنوں میں ایک ہی ہے، یا مختلف و متفرق ہے؟

یہ سوالات معمولی نہیں ہیں۔ یہ بڑے سوال ہیں، اتنے بڑے کہ ہمارے موجودہ مصائب سے بھی بڑے ہیں اور ان انفرادی تکالیف سے بھی بڑھ کر ہیں جو ہزاروں مسلمان مردوزن سرِدست برداشت کررہے ہیں۔ ان سوالوں کے جواب ہی سے اس بات کا فیصلہ ہو گا کہ یہ تکالیف اور قربانیاں مستقبل کے ایک نئے تناظر یعنی اسلام کے مکمل اثبات و نفاذ کی نوید لائیں گی یا ایک قومی مسلم ریاست کی تشکیل کے ذریعے سے مسلمانانِ ہند کی محض اقتصادی صورتِ حال کی اصلاح و ترقی کی ضامن ہوں گی۔

یہاں میں جریدہ ''عرفات'' کے شمارۂ فروری ۱۹۴۷ء میں شائع شدہ اپنے ایک مضمون کا اقتباس پیش کرنے کی جسارت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے لکھا تھا:

> ''تحریکِ پاکستان ایک نئے اسلامی نظام کا نقطۂ آغاز بن سکتی ہے، بشرطیکہ ہم مسلمان محسوس کریں اور قیامِ پاکستان کے بعد بھی برابر محسوس کرتے رہیں کہ اس تحریک کی حقیقی اور تاریخی وجہِ جواز یہ نہیں ہے کہ ہم اس ملک کے دوسرے باشندوں سے مختلف لباس پہنتے، مختلف زبان بولتے یا مختلف انداز میں علیک سلیک کرتے ہیں، یا یہ کہ ہمیں دوسری قوموں سے کچھ شکایات ہیں یا یہ کہ ہمیں زیادہ معاشی مواقع کی خواہش ہے یا یہ کہ ان لوگوں کے لیے جو خود کو محض عادت کے طور پر 'مسلمان' کہلواتے ہیں، زیادہ کشادہ جگہ کی طلب ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ مطالبۂ پاکستان کا اگر کوئی جواز ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ایک سچی اسلامی مملکت قائم کی جائے، دوسرے لفظوں میں یہ کہ عملی زندگی میں اسلامی احکام و شعائر رائج کیے جائیں۔''

پاکستان کے بارے میں میرا تصور یہی ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے مسلمانوں کا بھی یہی تصور ہے۔ میں نے ''بہت سے'' کہا ہے، ''سب'' نہیں کہا، اور نہ ''بیشتر'' کہا۔ اس احتیاط کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اکثر و بیشتر تعلیم یافتہ طبقے کا تصورِ پاکستان یہ نہیں ہے۔ ان کے نزدیک پاکستان کا مطلب فقط یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند کو ہندو غلبے سے نجات دلائی جائے اور ایک ایسی سیاسی ہیئتِ حاکمہ قائم کی جائے جہاں مسلمانوں کو اقتصادی مفہوم میں اپنی ایک خود مختار جگہ مل جائے۔ ان کے نزدیک اسلام کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ متعلقہ لوگوں کا مذہب اتفاق سے اسلام ہے جیسے کہ آئرلینڈ کی جدوجہدِ آزادی میں کیتھولکیت کو بھی اس لیے کچھ اہمیت حاصل ہو گئی تھی کہ آئرلینڈ کے بیشتر باشندوں کا یہی مذہب تھا اور جس طرح کہ آئرستانی قومیت کی تحریک میں کیتھولکیت کو محض ایک اضافی، جذباتی عنصر کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی، اسی طرح خدشہ ہے کہ تحریکِ پاکستان میں اسلام کے نام پر نعرے بازی بھی کہیں قومی خود اختیاری کی جدوجہد میں محض ایک اضافی، جذباتی عنصر بن کر نہ رہ جائے۔

میں صاف صاف اور واشگاف لفظوں میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے بہت سے بھائی اور بہنیں پاکستان کے روحانی و اسلامی مقاصد پر یقین تو کیا رکھیں گے، وہ ان کی مطلق پروا بھی نہیں کرتے، اور وہ ایسے جذبات کے بہاؤ میں بہے چلے جارہے ہیں جو قوم پرستی کے جذبات سے ملتے جلتے ہیں، اور یہ بات خاص طور پر ان مسلمانوں پر لاگو ہوتی ہے جنہوں نے مغربی خطوط پر تعلیم پائی ہے۔ دینِ اسلام سے ان کی بے اعتنائی گزشتہ چند عشروں میں پختہ ہوئی ہے۔ شرعی احکام کی پابندی ایسے لوگوں کے لیے خاصی پریشان کن اور تکلیف دہ بن گئی ہے۔ مغربی طرزِ فکر کے سوا کسی اور انداز میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ان میں مفقود ہو چکی ہے۔ چنانچہ ان کے قلوب میں یہ عقیدہ پیدا ہی نہیں ہوتا کہ دنیا کے معاشرتی اور سیاسی مسائل خالص مذہبی اصولوں کے تحت حل ہو سکتے ہیں۔ اسلام کا نام ان کی زبان پر آتا ہے تو محض رسماً آتا ہے، کسی اصول و نظریے کے تابع ہو کر نہیں آتا۔ انہیں اسلام سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے، تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ اپنی قوم کی روایات میں ثقافتی اقدار کا بھرم رکھا جائے۔ اس قسم کی ذہنیت والے لوگوں کے لیے پاکستان کا مطالبہ ویسا ہی قومی مطالبہ ہے، جیسے مصر مصریوں کے لیے، چیکوسلواکیہ چیک لوگوں کے لیے، یعنی لوگوں کے ایک گروہ کی جانب سے، چند مخصوص اقتصادی مفادات اور چند مشترکہ ثقافتی خصائص (اور مسلمانانِ ہند کی صورت میں اسلام سے وابستہ ثقافتی خصائص) کی اساس پر خود اختیاری کا مطالبہ۔ نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم۔

یقیناً آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ یہ پاکستان کا بہت کمزور تصور ہے۔ یہ تصور اس اسلامی جوش و خروش سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا، جس کا مظاہرہ ہمارے عوام کی بہت بڑی اکثریت بڑے واضح، لیکن بڑے بے ہنگم طریقے سے کر رہی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے اکثر نام نہاد اربابِ دانش اسلام سے صرف اس حد تک غرض رکھتے ہیں، جس حد تک کہ وہ ان کی سیاسی خود اختیاری کی جدوجہد کے لیے مفید مطلب ہو سکتا ہے، جب کہ ہمارے عوام خود اختیاری کا مطالبہ صرف احیائے اسلام کی آرزو کے تحت کر رہے ہیں لیکن چونکہ ان کی آرزوئیں واضح نہیں ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ انہیں حاصل کیوں کر کیا جاتا ہے، اس لیے فطری طور پر وہ اہلِ قیادت پر بھروسہ کرتے ہیں۔ پس قیادت کے روحانی اوصاف ہی سے بالآخر یہ طے ہو گا کہ پاکستان کے لیے مسلمانوں کی جدوجہد کی روحانی کیفیت کیا ہو گی اور پاکستان اپنے قیام کے بعد کیسا رنگ روپ اختیار کرے گا۔

پاکستان کی انفرادیت

جہاں تک مسلمانانِ ہند کا تعلق ہے، تحریکِ پاکستان کی جڑیں ان کے اس جبلی احساس میں پیوست ہیں کہ وہ ایک ''نظریاتی قوم'' ہیں، اور اسی لیے وہ خود مختار، جداگانہ سیاسی وجود کے حق دار ہیں۔ بالفاظِ دیگر وہ محسوس کرتے اور جانتے ہیں کہ ان کا جداگانہ تشخص، دوسری اقوام کی طرح، مشترکہ نسلی مشابہتوں اور قرابتوں یا مشترکہ ثقافتی وابستگی کی اساس پر قرار پاتا ہے۔ پس ان پر لازم آجاتا ہے کہ وہ اپنے جداگانہ تشخص کے جواز کی خاطر ایسا معاشرتی و سیاسی نظام قائم

کریں جس میں اسلامی نظریہ واعتقاد (یعنی شریعت) ان کی قومیت کے ہر پہلو میں نمایاں دکھائی دے۔
یہ ہے تحریکِ پاکستان کا حقیقی و تاریخی نصب العین۔ یہ ہرگز ہندوستان میں مسلم اولیت کے اجتماعی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ پاکستان میں ہمیشہ غیر مسلم اقلیتیں رہیں گی، جس طرح کہ ہندوستان میں مسلم اقلیتیں رہیں گی، اس لیے اقلیتوں کے مسئلے کے سراسر حل کی ذمہ داری پاکستان پر عائد نہیں ہوتی۔ یہی ہے وہ نکتہ جس پر ہمیں اور ہمارے نکتہ چینیوں کو ذرا رک کر غور کرلینا چاہیے۔ اقلیتوں کا مسئلہ بے شک ہر لحاظ سے ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے لیے انتہائی اہم ہے، لیکن یہ مسئلہ بنیادی طور پر تحریک پاکستان کے اصلی نصب العین کا ایک اتفاقی لازمہ ہے۔ تحریک پاکستان کا اصلی نصب العین کیا ہے؟ ایک اسلامی ہیئتِ حاکمہ کا قیام، جس میں ہمارا نظریہ حقیقت کا رنگ روپ اختیار کرسکے۔ صرف اس نصب العین کی روشنی میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ بمبئی یا مدراس کے مسلمان، جن کو خوب معلوم ہے کہ ان کے صوبے پاکستان کا حصہ نہیں بنیں گے، حصولِ پاکستان کے اتنے ہی متمنی ہیں جتنے پنجاب یا بنگال کے مسلمان۔ بمبئی اور مدراس کے مسلمان یہ جاننے کے باوجود کہ ان کے صوبے جغرافیائی و علاقائی اعتبار سے پاکستان میں شامل نہیں ہوں گے، اگر "مسلم اکثریت" کے صوبوں کے بھائیوں کی مانند پوری شدت و توانائی سے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ اس دعوے کا ٹھوس ثبوت ہو گا کہ اسلام ایک عملی مذہب اور مکمل ضابطۂ حیات ہے، اور یہ کہ مسلمان، محض مسلمان ہونے کی بنا پر ایک ملت ہیں، خواہ وہ جغرافیائی لحاظ سے کسی بھی علاقے میں آباد ہوں۔ اور اگر غیر مسلم ہمارے اس دعوے پر اس بنیاد پر نکتہ چینی کرتے ہیں کہ دنیا میں کہیں بھی، حتیٰ کہ دنیائے اسلام میں بھی، کسی ملک یا علاقے میں محض مذہبی عقائد کی اساس پر جداگانہ قومیت کا مطالبہ نہیں کیا جاتا، تو ہمارا جواب یہ ہے کہ یہی تو تحریک پاکستان کی خاص انفرادیت ہے۔
کیا دوسروں کو یہ طے کرنے کا حق دے دیا جائے کہ ہماری قومیت کے عناصر کیا ہونے چاہییں اور کیا نہیں؟ کیا ہمیں اس حقیقت کے اعتراف میں شرمساری محسوس کرنی چاہیے کہ ہمارا سیاسی نصب العین ترکوں، مصریوں، افغانیوں، شامیوں اور یا ایرانیوں کے موجودہ سیاسی نصب العین سے بالکل مختلف ہے؟ کیا ہمیں یہ سوچ کر فخر نہیں کرنا چاہیے کہ تمام مسلم اقوام میں یہ ہم اور صرف ہم مسلمانانِ ہند ہیں جو گردشِ ایام کو پیچھے کی طرف ہٹا کر امتِ واحدہ کے اس تصور کی جستجو میں نکل کھڑے ہوئے ہیں جس کی ہدایت انسانِ کامل ﷺ نے ہمیشہ کے لیے کی تھی۔
پس دنیائے اسلام میں جہاں کہیں بھی سیاسی عوامی تحریکیں چل رہی ہیں، اس سب کے مقابلے میں تحریکِ پاکستان فی الحقیقت منفرد و یکتا ہے۔ اس جیسی اور کوئی تحریک نہیں۔ بلاشبہ وسیع و عریض دنیائے اسلام میں اور بھی لوگ ہیں جو اسلام کے سچے شیدائی ہیں، جو رسول کریم ﷺ کی تعلیمات کے فروغ کے لیے اور اپنی قوم کی اخلاقی سربلندی کے لیے بے لوث خدمات انجام دے رہے ہیں، لیکن پوری دنیا میں کہیں بھی ایسا نہیں ہے، سوائے تحریکِ پاکستان کے، کہ پوری کی پوری مسلم قوم منزل اسلام کی جانب گامزن ہوگئی ہو۔ کسی بھی موجودہ اسلامی ملک میں ایسی تحریک نہیں چلی جس کا مقصد اسلامی نظام کا نفاذ ہو، سوائے تحریک پاکستان کے۔ بعض اسلامی ممالک مثلاً ترکی اور ایران، اپنے سرکاری و حکومتی مقاصد میں علانیہ غیر اسلامی ہیں، اور انہوں نے کھلم کھلا اعلان کر رکھا ہے کہ اسلام کو سیاست اور عوام کی معاشرتی زندگی سے الگ رکھنا چاہیے۔ حتیٰ کہ ان اسلامی ملکوں میں بھی، جہاں مذہب کی تھوڑی بہت قدر باقی ہے، اور جہاں مختلف مدارج میں اس کی روحانی میراث برقرار ہے، وہ بھی یوں سمجھیے کہ صرف ان معنوں میں "اسلامی" ہیں کہ وہاں کے باشندوں کی اکثریت کا مذہب اسلام ہے، جب کہ ان کے سیاسی مقاصد و عزائم اسلامی اصول و نظائر کے تابع نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے حکمران و مقتدر گروہ جس چیز کو "قومی مفادات" کہتے ہیں، مغرب کے مفہوم ہی میں "قومی مفادات" ہیں۔ اس لیے ان ملکوں کی سیاسی تنظیمات سے، خواہ وہ سعودی عرب یا افغانستان کی طرح مطلق العنان سلطنت ہوں یا شام کی طرح ری پبلک ہوں یا مصر اور عراق کی طرح آئینی بادشاہت ہوں، اسلام کی طرف جھکاؤ رکھنے کی توقع نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان ملکوں کے عوام یا حکمران اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مختلف تاریخی وجوہ سے ان کی حکومتوں یا سیاسی نظاموں کا اسلام سے براہِ راست تعلق نہیں ہے۔
تحریکِ پاکستان کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ بلاشبہ اس تحریک میں اسلام سے جذباتی وابستگی اور اسلامی سیاسی نظام میں آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس تحریک کی عملی کامیابی کا سبب ہمارے عوام کی یہ جذباتی خواہش (اگرچہ مبہم) ہے کہ ایک ایسی ریاست قائم کی جائے، جہاں حکومت کی اشکال و اغراض اسلام کے اصول و احکام کے مطابق ہوں، ایک ایسی ریاست جہاں اسلام محض عوام کی مذہبی و ثقافتی روایات کا ٹھپہ نہیں ہو گا بلکہ ریاست کی تشکیل و تاسیس کا بنیادی مقصد ہو گا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایک ایسی نئی اسلامی ریاست جو جدید دنیا میں پہلی ریاست ہو گی جو تمام اسلامی ملکوں کے سیاسی افکار میں انقلاب برپا کر دے گی اور دوسرے اسلامی ملکوں کے عوام میں تحریک پیدا کرے گی کہ وہ ایسے ہی نصب العین کے لیے جدوجہد کریں اور یوں یہ ریاست (پاکستان) دنیا کے اکثر حصوں میں تجدید و احیائے اسلام کی عالم گیر تحریک کا پیش خیمہ بن جائے گی۔
اس لیے مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ تحریکِ پاکستان احیائے اسلام کے لیے زبردست امکان کا درجہ رکھتی ہے۔ اور جہاں تک میری نظر جاتی ہے، تحریک پاکستان ایک ایسی دنیا میں تجدید و احیا کی "واحد امید" ہے جو بڑی تیزی سے اسلامی مقاصد سے دور ہٹتی جا رہی ہے۔ لیکن یہ "واحد امید" بھی اس اعتبار پر قائم ہے کہ ہمارے قائدین اور عوام قیام پاکستان کا اصل مقصد اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں اور اپنی تحریک کو ان نام نہاد "قومی" تحریکوں میں شامل کرنے کی ترغیب میں نہ آئیں جو آئے دن جدید دنیائے اسلام میں ابھرتی رہتی ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا خطرہ ہے، اور مجھے کبھی کبھی اس کے رونما ہونے کا خدشہ صاف نظر آتا ہے۔ میری مراد نسلی خطوط پر قوم پرستی نہیں ہے، جس کی مثالیں دوسرے ملکوں میں دکھائی دیتی ہیں۔

مسلمانانِ ہند میں نسلی بنیاد پر قوم پرستی ناممکن ہے، کیونکہ یہاں مسلم قوم انتہائی متنوع نسلی عناصر سے ترکیب پائی ہے لیکن تحریکِ پاکستان کے اپنے اصلی نظریاتی راستے سے منحرف ہونے کا خطرہ مجھے ایک اور سبب سے نظر آرہا ہے۔ وہ سبب یہ ہے کہ ''ثقافتی قومیت'' پر ضرورت سے زیادہ زور دیا جارہا ہے، لیکن مشتر کہ نظریاتی اساس کے بجائے چند مخصوص ثقافتی رجحانات، سماجی عادات و رسوم کا تحفظ، اور اس گروہ کے معاشی مفادات کا تحفظ جو بر بنائے پیدائش ''مسلمان'' واقع ہوئے ہیں۔ اس میں شک وشبہے کی گنجائش نہیں کہ اسلامی خطوط پر مسلمانوں کے مستقبل کی منصوبہ سازی میں ثقافتی روایات و اقدار اور فوری معاشی تقاضوں کی پاس داری اہمیت کے حامل عوامل ہیں، لیکن جو نکتہ ذہن نشین کرانا مقصود ہے، وہ یہ ہے کہ ان انتہائی اہم عوامل کو ہمارے نظریاتی نصب العین سے الگ جداگانہ حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ لیکن صاف نظر آرہا ہے کہ ہمارے اکثر وبیشتر اربابِ دانش سے یہ غلطی سرزد ہو کر رہے گی۔ جب وہ پاکستان کی بات کرتے ہیں تو وہ اکثر یہ تاثر دیتے ہیں کہ جیسے مسلم دنیا کے ''حقیقی'' مفادات اسلام کے خالص نظریاتی مفادات سے جدا کوئی چیز ہوں۔ بالفاظ دیگر اسلام کے بنیادی نظائر سے کوئی تعلق رکھے بغیر بھی ''اچھا پاکستانی'' بننا ممکن ہے۔

میرا خیال ہے کہ قارئین محترم میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ ''مسلم مفادات'' اور ''اسلامی مفادات'' میں تفریق کرنا بے عقلی کی بات ہے۔ اسلام مسلمانوں کے وجود و تشخص کے چند عوامل وخصائص میں سے محض ایک نہیں ہے بلکہ اسلام تو ان کے وجود کی تاریخی علت اور بنیادی جواز ہے۔ مسلم مفادات کو اسلام سے جدا کوئی چیز خیال کرنا ایسا ہی جیسے کسی ''زندہ چیز'' کو زندہ بھی کہنا اور زندگی سے عاری بھی سمجھنا۔ ایک سوچنے سمجھنے والے آدمی کے نزدیک یہ کیسی بھی بے عقلی کی بات ہو، یہ امر بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ بیشتر لوگ (اور ان میں ہمارے اکثر اربابِ دانش ہیں) غور وفکر نہ کرنے کی عادت میں مبتلا ہیں۔

فراریت اور خود فریبی

جب ہمارے قائدین اور ہمارے اربابِ دانش حصولِ پاکستان کی خاطر مسلمانوں سے اتحاد، اخوت، ایثار، اور ضرورت پڑنے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کی اپیلیں کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں ''اسلامی ہیئتِ حاکمہ'' کا نقشہ کیا ہوتا ہے؟ کیا یہ درست نہیں ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے منفی پہلو سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں؟ یہ منفی پہلو ناممکنات میں سے ہے، یہ کہ غیر مسلم غلبے کے تحت مسلمانوں کا آزادانہ زندگی گزارنا۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے مثبت پہلو سے تعلق کم کم رکھتے ہیں؟ مثبت پہلو یہ ہے کہ اسلام کی خاطر، اسلام کے مطابق اپنا معاشرتی و سیاسی نظام قائم کرنا۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ اکثر و بیشتر تعلیم یافتہ مسلمانوں اور ہمارے اکثر سیاسی لیڈروں کے نزدیک اسلام محض غیر مسلموں سے فرقہ وارانہ جدوجہد میں ایک جنگی تدبیر ہے، بجائے اس کے کہ اسلام مقصود بالذات ہوتا؟ گویا اسلام ہماری منزل مقصود نہیں ایک منطقی استدلال ہے۔ ایک امنگ نہیں، ایک نعرہ ہے۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ ہمارے اکثر رہنما نام نہاد مسلم قوم کی خاطر زیادہ سیاسی قوت اور زیادہ معاشی مراعات کے حصول کے لیے کوشاں ہیں، بجائے اس کے کہ وہ نام نہاد مسلم قوم کو ایک سچی اسلامی قوم بنانے کی کوشش کرتے؟

ہمارے رہنماؤں نے اب تک جو اچھے کام انجام دیے ہیں، میں انہیں کم کرکے نہیں دکھانا چاہتا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ بعض اعتبار سے ان کے کارنامے بہت زیادہ ہیں اور انتہائی تعریف وتوصیف کے مستحق ہیں۔ انہوں نے ایک خوابِ خرگوش میں ڈوبی ہوئی قوم کو بیدار کیا ہے، یہی کارنامہ بہت بڑا ہے۔ پھر یہ کہ انہوں نے قوم میں ایسا زبردست اتحاد پیدا کیا ہے، جو دنیائے اسلام میں اس سے پہلے کبھی نظر نہیں آیا۔ ہر ذی ہوش آدمی اس کا اعتراف کرے گا اور کرنا چاہیے۔ میں جو اپنے بعض رہنماؤں پر الزام تراشی کرتا رہتا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلم عوام کی تقدیر بدل دینے والی اس فیصلہ کن گھڑی میں انہیں روحانی عظمت کی راہ پر گامزن کرنے کے بجائے دیدہ دانستہ اس راہ پر لگا دیا جو بنیادی طور پر ہمارے موجودہ بحران کی ذمہ دار ہے۔ اس بات کو میں سادہ لفظوں میں یوں کہوں گا کہ ہمارے رہنماؤں نے یہ بتانے اور دکھانے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی کہ اسلام ہی ہماری موجودہ جدوجہد اور تحریک کا اصل اور بنیادی مقصد ومنتہا ہے۔ اس میں شک نہیں، جب وہ اخباری بیان جاری کرتے ہیں یا عوامی جلسے سے خطاب کرتے ہیں تو اسلام کا نام ضرور لیتے ہیں، لیکن لفظ اسلام کا استعمال وہ صیغۂ مستقبل میں کرتے ہیں، کہ جب پاکستان وجود میں آجائے گا تو اسلام بھی آجائے گا۔ انہوں نے کبھی مسلمانوں کے موجودہ طرزِ فکر اور طرزِ حیات کو اسلامی اصول واحکام سے زیادہ ہم آہنگ اور مطابق کرنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ میرے خیال میں یہ بہت بڑی فروگذاشت ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ مستقبل حال کا بچہ ہے۔ اٹل، غیر متبدل ہے۔ جیسا ہم آج سوچیں اور کریں گے، اس کا اثر ہماری کل کی زندگی پر ضرور پڑے گا۔ اگر پاکستان کا مطلب واقعی ''لا الہ الا اللہ'' ہے تو ہمارا عمل بھی اس کلمے کے مطلب کے قریب سے قریب تر ہونا چاہیے، گویا ہمیں صرف اپنے قول کا سچا مسلمان نہیں، بلکہ اپنے عمل کا بھی پکا مسلمان ہونا چاہیے۔

یہ فریضہ اور منصب ہمارے رہنماؤں کا ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو تلقین کریں کہ آج وہ پکے مسلمان بنیں تاکہ کل سچے پاکستانی بن سکیں۔ حالانکہ وہ ہمیں صرف اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ پاکستان کے بنتے ہی ہم پکے مسلمان بن جائیں گے۔ یہ آسان اور لفظی یقین دہانی ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ پرلے درجے کی خود فریبی ہے۔ اگر ہم اسلامی زندگی کا بیج آج نہیں بوئیں گے، جب کہ اسلام کے لیے ہمارا تحریکی جوش وخروش اپنے عروج پر ہے، تو کوئی بھی معقول آدمی اس یقین دہانی پر اعتبار نہیں کرے گا کہ جب تحریک ختم ہو جائے گی اور سیاسی آزادی مل جائے گی تو ہم یکایک خود بخود سچے مسلمان بن جائیں گے۔

بعض رہنما میرے اس خیال کے جواب میں کہتے ہیں:

''بھائی صاحب تم قنوطی ہو۔ خواہ مخواہ تشویش میں مبتلا رہتے ہو۔ ہم سب سچی اسلامی زندگی کے آرزومند ہیں، لیکن ابھی، اسی وقت اس پر اصرار خلاف

مصلحت ہو گا۔ ہماری صفوں میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو سیاسی میدان میں قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہیں، لیکن غلط تربیت کے باعث مذہب کی زیادہ پروانہیں کرتے۔ اگر ہم اپنی تحریک کے آغاز ہی میں اپنی جدوجہد کے مذہبی پہلو پر زیادہ زور دیں گے تو ان قیمتی کارکنوں کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے گا، جس کا ہماری جدوجہد پر بہت برا اثر پڑے گا اور یہ سراسر نقصان کی بات ہو گی۔ ہمارے نصب العین کو ضعف پہنچے گا۔ ہم اپنے رضاکاروں کو کھونا نہیں چاہتے۔ ان کی خدمت سے محروم نہیں ہونا چاہتے۔ ہماری اپنی اسلامی مملکت حاصل ہونے تک ہم اپنے عوام کی مذہبی اصلاح کا کام ملتوی کرنے پر مجبور ہیں۔ فی الحال ہمیں اپنی توانائیاں اس چھوٹے مقصد کے حصول کے لیے وقف کر دینی چاہییں۔ یعنی غیر مسلم تسلط سے مسلمانوں کی آزادی اور اپنی توانائیاں خالص مذہبی معاملات پر فی الحال خرچ نہیں کرنی چاہییں۔ ایک سچی اسلامی ہیئتِ حاکمہ کا مقام اور مسلمانوں میں سچا مذہبی شعور بہت اہم ہے، لیکن یہ قیام پاکستان کے بعد شروع ہو گا۔ فی الحال مغرب زدہ بھائیوں اور بہنوں کو اپنے نصب العین سے الگ کر دینے سے نقصان ہو گا بلکہ مذہب پر زیادہ زور دینے سے پاکستان کے علاقے میں رہنے والی غیر مسلم اقلیتوں کو بھی تشویش پیدا ہو گی۔"

میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ طرزِ استدلال بالکل غلط ہے، اور عقلی لحاظ سے بددیانتی۔ آیئے ان حضرات کی ایک ایک دلیل پر نکتہ بہ نکتہ غور کرتے ہیں۔ پہلے غیر مسلم اقلیتوں والی بات لیتے ہیں۔

جہاں تک امر اکا تعلق ہے کہ اسلامی طرزِ فکر و حیات پر زور دینے سے ہماری غیر مسلم اقلیتوں میں تشویش پیدا ہو گی، تو میں آپ سے پوچھتا ہوں: "وہ کیا چیز ہے جس نے غیر مسلموں کو نظریۂ پاکستان کا سخت مخالف بنا رکھا ہے"؟ ظاہر ہے، فرقہ وارانہ راج کا خوف، اس بات کا خوف کہ مسلم اکثریتی علاقے بھارت ماتا سے کٹ جائیں گے۔ یہ مسئلہ غیر مسلموں کے ذہن میں پیدا ہی نہیں ہوتا کہ مسلمان اسلامی اصول و احکام کے مطابق اپنی زندگی گزارنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ وہ اگر خائف ہیں تو اس بات سے کہ بعض علاقوں میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار قائم ہو جائے گا۔ انہیں بہ نظر ظاہر اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ مسلمان اپنے مذہب پر چلنے کی کتنی امنگ رکھتے ہیں اور اس پر چلنے کے کیسے عزائم رکھتے ہیں۔ بعض علاقوں میں مسلم سیاسی اقتدار کے خلاف وہ ہر حالت میں اور ہر صورت میں مخالفت کریں گے اور اسے رکوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے۔

لہٰذا یہ ہمارا فرض عین ہے کہ ہم پوری دنیا پر ثابت کر دیں کہ ہم فی الواقع قرآن مجید کے ان الفاظ کے معنی و منشاء و معیار کے مطابق زندگی گزارنا چاہتے ہیں:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (سورۃ آل عمران:۱۱۰)

"اب دنیا میں وہ بہترین امت تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے دور رکھتے ہو۔"

اللہ کی نظر میں ہمارا بہترین امت ہونے کا انحصار اس امر پر موقوف ہے کہ ہم ہمیشہ اور ہر حالت میں انصاف کی بالادستی اور بے انصافی کے انسداد کے لیے، جدوجہد کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں۔ غیر مسلموں کو اپنی عدل گستری کا یقین دلانے سے پہلے ہمیں ایک سچی مسلم قوم بننا پڑے گا۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ہم اپنے حریفوں کو اپنی اصلی سچائیاں نہیں دکھاسکتے جب تک ہم ان پر ثابت نہ کریں، اول یہ کہ اسلامی حکومت کا مطلب ہے عدل سب کے لیے، دوم یہ کہ ہم مسلمان واقعی اپنے دین کے احکامات کے، قول و فعل دونوں کے لحاظ سے سچے پیروکار ہیں۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلامی حکومت میں عدل سب کے لیے ہوتا ہے، تو ایسا ہی ہو گا۔ اس لیے یہ سمجھنا انتہائی غلط ہے کہ اگر ہم اپنے مذہبی مقاصد پر زور نہیں دیں گے اور حتی الوسع براہِ راست مذہبی حوالے دینے سے احتراز کریں گے تو اس طرح غیر مسلم اقلیتوں کی تشویش دور ہو جائے گی۔ بلکہ ہمارے اس رویے سے تو انہیں یہ شبہہ ہو گا کہ ہم منافقت سے کام لے رہے ہیں۔ ان کی تشویش دور یا کم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم صاف دلی سے، اور پوری تفصیلات کے ساتھ بتا دیں کہ ہمارے اخلاقی مقاصد کیا ہیں جن کے لیے ہم جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن صاف دلی سے دیے گئے بیانات سے بھی کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا، تاوقتیکہ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں انہیں یہ مشاہدہ نہ کرا دیں کہ ہمارے اخلاقی مقاصد محض نعرے نہیں ہیں، بلکہ ہمارے اخلاقی اعمال ہیں۔

عارضی قسم کے "خلافِ مصلحت" یا "سیاسی تدبر" کے نام پر (غلط فہمی سے) اپنے اصل مستقل اسلامی مقاصد سے گریزپائی ایک ایسی عاقبت نااندیشی ہے، جس سے غیر مسلموں پر تو برا اثر پڑتا ہی ہے، ہم مسلمانوں کے اخلاقی مزاج پر بھی نقصان دہ اثر پڑتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ ہم اسلام کے بتائے ہوئے راستے سے مزید دور ہو جائیں۔ ہم مسلمانوں کے سامنے احیائے اسلام کا جو اصل نصب العین ہے، اس کے زیادہ سے زیادہ شعور و آگہی کے بجائے، ہم دوبارہ مصلحت اندیشی اور فوری آسائش کی اصطلاحوں میں سوچنے کے عادی ہو جائیں گے، جیسا کہ ہم صدیوں سے اس کے عادی چلے آرہے ہیں اور یوں پاکستان کا اسلامی نصب العین یقیناً گھٹ کر صرف نظریہ پرستی بن کر رہ جائے گا، جیسا کہ مغرب کی نام نہاد مسیحی اقوام میں مسیحیت کے سچے مقاصد گھٹ کر اپنی اصلیت کھو چکے ہیں۔

ہم ہرگز ایسا نہیں چاہتے۔ ہم پاکستان اس لیے بنانا چاہتے ہیں کہ اسلام کو اپنی روزمرہ زندگیوں میں "حقیقت" بنا دیں۔ ہم پاکستان اس لیے بنانا چاہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک شخص، مرد و زن، سچی اسلامی زندگی گزار سکے۔ اور کسی فرد کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے

بتائے ہوئے راستے پر زندگی بسر کرنا ممکن نہیں، تاوقتیکہ پورا کا پورا معاشرہ شعوری طور پر اسلام کو ملک کا قانون و دستور نہ بنائے اور کتاب و سنت کے احکام پر صدقِ دل سے عمل نہ کرے۔

لیکن اس قسم کا اصلی پاکستان حقیقت کا جامہ اسی وقت پہن سکے گا جب ہم اسلامی قانون کو اپنے "غیر واضح اور مبہم" مستقبل کے لیے اصل اصول بنالیں اور ابھی اسی گھڑی، اسی گھنٹے، اسی منٹ، اسی سیکنڈ سے اسلام اور اس کے احکام کو اپنے تمام شخصی اور معاشرتی طرزِ عمل کی اساس بنالیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہماری صفوں میں ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جو مذہب کو اس حد تک غیر اہم خیال کرتے ہیں کہ تحریکِ پاکستان کے مذہبی رخ پر اصرار کرنے سے وہ ہم سے ناراض ہو جائیں گے۔ اگرچہ دوسری طرف یہ بات بھی ہے کہ اگر انہیں یہ احساس دلا دیا جائے کہ مسلم قوم بہ حیثیت مجموعی اسلام کی جانب پیش قدمی کرنے کا عزم صمیم کر چکی ہے تو مذہب سے بے زار یہ لوگ بہت جلد جماعت کے آگے سر تسلیم خم کر دیں گے۔ بہر صورت ان کی ذاتی ترجیحات کی زیادہ پروا نہیں کرنی چاہیے اور ہمارے عزم کی راہ میں ان کی بے عزمی کو راہ نہیں ملنی چاہیے۔ کیا یہ ممکن تھا کہ رسول اللہ ﷺ کفارِ قریش کی ناراضی سے بچنے کے لیے اور اس انتظار میں کہ ایک روز وہ اسلامی ریاست کی تشکیل و تعمیر میں معاون و مددگار ثابت ہوں گے، ایک دن کے لیے بھی اسلامی مقاصد کی تحصیل و تکمیل کو ملتوی کر دیتے؟

آپ اس کے جواب میں زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ "رسول ﷺ تو آخر رسول تھے ان کے لیے مصلحت کوشی کو نظر انداز کرنا ممکن تھا۔ ہم تو عام سے گناہ گار بندے ہیں۔" اس کے جواب میں، میں آپ سے پوچھوں گا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر یقین رکھتے ہیں:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۃ الاحزاب: ۲۱)

"درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ تھا۔"

کیا یہ حکم ربانی آپ کی سیاست اور آپ کی دعاؤں، آپ کے ذاتی حالات و تفکرات اور آپ کی اجتماعی و معاشرتی زندگی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا؟

پس چہ باید کرد

یہ سوچ ہماری روحانی ژولیدگی کی علامت ہے، اور اس کی بڑی وجہ صدیوں سے چلے آنے والا ہمارا زوال ہے۔ کوئی بھی سیاسی تحریک جو اسلامی تجدید و احیا کا بھی دعویٰ کرے، وہ اپنے اصل مقصد سے منحرف ہونے کے باعث ضرور ناکام ہو جاتی ہے اور گھٹ گھٹا کر مصر، ترکی اور شام جیسے ملکوں کی "قومی تحریک" بن جاتی ہے۔

ہمارے اکثر و بیشتر لیڈروں کا غالب رجحانِ طبع یہ ہے کہ وہ ہماری جدوجہد کے روحانی اسلامی پس منظر کو تو (غالباً دانستہ) نظر انداز کر دیتے ہیں اور مسلمانوں کے مطالبۂ آزادی کے جواز میں ہندو اکثریت کے ساتھ ان کے تلخ تجربات پیش کرنے کے پہلو بہ پہلو ہندوؤں کے سماجی رسوم و روایات اور ثقافتی مظاہر سے مسلمانوں کے اختلافات بیان کر کے انہیں "ایک جداگانہ قوم" کے مفہوم کی تشریح کی جائے، جداگانہ مسلم قومیت کی حقیقت پر (اور بلاشبہ یہ حقیقت بھی ہے) لفظ "قومیت" کے مغربی مفہوم میں باتیں کرنے کا رجحان بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ ہمیں بلا خوف و خطر، ببانگِ دہل، ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کرنے میں ہچکچاہٹ کیوں ہے کہ لفظ "قوم" کے روایتی و رواجی مفہوم سے ہمیں کوئی نسبت نہیں ہے۔ ہاں ہم ایک قوم ہیں لیکن محض اس لیے نہیں کہ ہماری عادات، ہمارے رسوم و رواج، ہمارے ثقافتی مظاہر اس ملک میں بسنے والی دوسری قوموں سے مختلف ہیں، بلکہ ہم اس مفہوم میں ایک قوم ہیں کہ ہم اپنے ایک خاص نصب العین کے مطابق اپنی زندگیاں ڈھالنا چاہتے ہیں۔

اسلام سے وابستہ ہونا ہی ہمارے جداگانہ تشخص کا واحد جواز ہے۔ ہم کوئی نسلی وحدت نہیں ہیں۔ ہم لسانی وحدت بھی نہیں ہیں، حالانکہ اردو مسلمانانِ ہند کی زبان کی حیثیت سے بڑی ترقی یافتہ زبان ہے۔ ہم انگریزوں یا عربوں یا چینیوں کی طرح "قوم" نہیں ہیں، اور نہ کبھی اس مفہوم میں ایک قوم بن سکتے ہیں اور یہی ایک حقیقت کہ ہم لفظ "قوم" کے روایتی و رواجی مفہوم میں نہ تو قوم ہیں اور نہ قوم بن سکتے ہیں، ہماری اندرونی قوت کا بہت بڑا سرچشمہ ہے۔ کیونکہ اس حقیقت کی بنیاد پر ہمیں یہ شعور حاصل ہوتا ہے کہ پورے کرۂ ارض، پوری دنیا میں، فقط ہم، بشرطیکہ ہم ایسا چاہیں، ایسی شاندار حیاتِ نو پیدا کر سکتے ہیں کہ جس نے چودہ سو سال پہلے عرب کے صحراؤں سے جنم لیا اور اپنی برکات و ثمرات سے دنیا کو ہمکنار کیا۔ ایسے آزاد مردوں اور عورتوں کی ایک امت جو نسل، زبان اور وطن کے اتفاقی و حادثاتی بندھنوں کے باعث متحد و یک جان نہیں ہوئے تھے، بلکہ ایک مشترکہ نصب العین سے اپنی باشعور اور آزادانہ وفاشعاری کے باعث متحد و متفق تھے۔

بدقسمتی سے ہمارے صفِ اول کے اکثر رہنما مسلمانوں کے اس گم کردہ راہ اور تشکیک پسند طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جن کے نزدیک اسلام "ثقافتی روایت" کے سوا کچھ نہیں اور یوں پاکستان بھی ان کے خیال میں محض اس راہ کا ایک نشان ہے، پہلا قدم سہی، جس پر نام نہاد "ترقی یافتہ" مسلم اقوام کاربند ہیں، یعنی بہ تمام و کمال قومیت کی راہ۔ ہماری جدوجہد کے اسلامی پہلو پر یہ رہنما کبھی کبھار، زبانی کلامی کچھ کہہ بھی لیتے ہیں۔ پاکستان کے مطالبے کو بھی اسلامی مقاصد سے ہم آہنگ کرنے میں انہیں عار محسوس ہوتی ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ نیم دلانہ رویہ تحریکِ پاکستان کے مستقبل کے لیے اتنا بڑا خطرہ ہے کہ باہر کی کوئی مخالفت اس خطرے کی پاسنگ بھی نہیں ہے۔

عظیم اقوام کے مقدر کا انحصار اس بات پر نہیں ہوتا کہ ان کی پڑوسی اقوام اصلاً ان کے اغراض و مقاصد سے اتفاق یا اختلاف کرتی ہیں۔ ان کے مقدر کا انحصار ان کے اغراض و مقاصد کی روحانی طاقت (یا کمزوری) پر ہوتا ہے۔ اگر پاکستان کے لیے ہماری آرزو نتیجہ ہے ہماری تخلیقی قوت اور ہمارے قلبی خلوص کا، اگر منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی اس کے منظر کے بارے میں ہماری بصارت واضح اور بصیرت پاکیزہ ہے، اگر مقصد کو مقصد بالذات جان کر اس سے محبت کرنے کا سلیقہ سیکھ لیں، اس عقیدے کے ساتھ کہ اپنے متعلقہ مفہوم میں یہ خیر اعلیٰ ہے

(یایوں کہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں خیر اعلیٰ ہے) اور محض اس لیے خیر نہیں ہے کہ بہ نظر ظاہر ہمارے لیے اور ہماری قوم کے لیے معاشی طور پر فائدہ رساں ہے، تب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں پاکستان بنانے سے نہیں روک سکتی۔ ایک ایسا پاکستان جو دنیا بھر میں تجدید و احیائے اسلام کا دروازہ کھول دے گا۔

اور اس کے برعکس اگر خود اختیاری کے لیے ہمارا مطالبہ نتیجہ ہے غیر مسلم اکثریت کے تسلط کے خوف کا، اگر ہمارے ذہن پر مستقبل کی تصویر کا محض ایک دھندلا سا عکس ہے، اگر یہ کسی بلند و بالا چیز کی خاطر آزاد ہونے کی آزادانہ آرزو نہیں ہے، اگر یہ صرف کسی چیز سے آزاد ہو جانے کی گداگرانہ خواہش ہے، اگر اسلام ہمارے لیے مقصود بالذات اور ایک اخلاقی داعیہ نہیں ہے، اگر اسلام ہمارے لیے محض ایک عادت ایک رسم اور ایک ثقافتی ٹھپہ بن کر رہ گیا ہے، تب ایسی صورت میں یہ تو ممکن ہے کہ ہم اپنی عددی طاقت کے بل پر پاکستان قسم کی کوئی چیز حاصل کر لیں، لیکن ایسا پاکستان اس پاکستان کے برابر نہ ہو گا، جسے حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے حد و شمار امکانات سے نوازا ہے۔ ایسا پاکستان بے شمار قومی ریاستوں کے منقسم ہجوم میں ایک اور ''قومی ریاست'' سے زیادہ کچھ نہ ہو گا۔ بہت سی ریاستوں سے اچھا، بہت سی ریاستوں سے برا۔ مسلم عوام کے تحت الشعور میں بسا ہوا خواب، اور ان لوگوں کے شعور میں آیا ہوا خواب جنہوں نے پہلے پہل پاکستان کی باتیں اس وقت کیں، جب یہ نام بھی پردۂ شہود میں نہ آیا تھا، وہ خواب کیا تھا؟ ایک ایسی ہیئت حاکمہ کا قیام جس میں رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور سنت کو ہر قدم پر، ہر پہلو سے حقیقت کا جامہ پہنایا جا سکے۔

فیصلے کی گھڑی آن پہنچی ہے

اگر ہمارے موجودہ رہنما ہمارے عوام کی دل کی دھڑکن بن سکیں، تو انہیں یقیناً احساس ہو جائے گا کہ عام مسلمان محض ایک ایسی نئی ریاست کا خواب نہیں دیکھتا، جس میں مسلمانوں کو موجودہ معاشی مراعات سے کچھ زیادہ حاصل ہو سکیں۔ وہ ایک ایسی ریاست کا خواب دیکھ رہا ہے جس میں احکامِ الٰہی کی فرماں روائی ہو۔ ایسا نہیں ہے کہ عام آدمی معاشی مراعات و سہولیات کی پروانہ کرتا ہو۔ وہ یقیناً پرواکرتا ہے، بہت زیادہ کرتا ہے۔ معاش ہر شخص کی بنیادی ضرورت ہے لیکن وہ محسوس کرتا ہے، اور بجا طور پر محسوس کرتا ہے کہ ایک سچی اسلامی ریاست میں اسے نہ صرف معاشی انصاف اور مادی ترقی کا مساوی موقع ملے گا، جو فی الوقت اسے حاصل نہیں ہے، بلکہ اس کے انسانی وقار اور اس کے روحانی استحکام میں بھی قابلِ قدر اضافہ ہو گا۔

ہمارے عام آدمی کا یہ احساس، یہ امید، یہ آرزو، یہ خواب، جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں، منتشر ہے، بکھرا ہوا ہے، الجھا ہوا ہے۔ یہ عقلی نہیں، جبلی ہے۔ ہمارے عوام کے ذہن صاف نہیں ہیں کہ نئی اسلامی ریاست، جس کے لیے وہ جدوجہد کر رہے ہیں، اپنے قیام کے بعد کیسی اور کس شکل و صورت کی ہو گی۔ وہ پوری طرح نہیں جانتے کہ اس ریاست کے قیام کے لیے انہیں کیا ایثار کرنا ہو گا، اور کیا قیمت ادا کرنا ہو گی اور کیا قربانیاں کس کس شکل میں دینی پڑیں گی۔ ان کے دل و دماغ میں یہ تصور واضح ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ صدیوں سے ان کا رشتہ اسلامی تعلیمات سے کٹا ہوا ہے۔ صدیوں سے وہ جہالت، ضعیف الاعتقادی اور سیاسی تذلیل کے گہرے کنوئیں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس لیے اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ وہ صرف نعروں اور زبانی کلامی وعدوں پر تکیہ کرتے ہیں۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے کہ وہ اپنے باطن میں چھپی ہوئی خواہشوں، اپنے دل میں پوشیدہ ارمانوں اور اپنے ذہن کے لاشعوری خوابوں کے درمیان کوئی ربط پیدا نہیں کر سکتے اور انہیں ان کے اظہار پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ وہ محسوس تو کرتے ہیں، لیکن انہیں اپنے محسوسات کے اظہار کا سلیقہ نہیں آتا۔ وہ یہ مانتے ہیں کہ انہیں اس کی خواہشات، محسوسات اور خوابوں سمیت آتش فشانی، جہنم میں جلنے کو ڈال دیا گیا ہے، لیکن یہ نہیں جانتے کہ اس جہنم سے نکلنے کا راستہ کیا ہے؟ یہ راستہ جاننے کے لیے روحانی قیادت کی ضرورت ہے، جس کی اہمیت سیاسی قیادت سے کم نہیں۔

ہمارے رہنماؤں کے سامنے اصل کرنے کا کام کیا ہے؟ ہمارے عوام کے خوابوں اور خواہشوں کو ایک تخلیقی اور مثبت رخ پر منظم کرنا، ان میں اسلام کی روح سمونا، ان کی تنظیم صرف سیاسی طور پر نہیں، بلکہ پاکستان کے عظیم تر مقصد کی خاطر روحانی اور نظریاتی طور پر بھی کی جائے۔ انہیں صرف اس پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے کہ انہیں ایک جماعت میں منظم کر دیا جائے اور ان کے سیاسی مطالبات کو زبان دے دی جائے۔ ملت ان سے کچھ اور بھی تقاضا کرتی ہے۔ بلاشبہ تنظیم کی سخت ضرورت ہے۔ سیاسی احتجاج بھی ایک ضرورت ہے لیکن یہ تمام ضرورتیں ہمارے نظریاتی مقصد کے حصول کی خاطر ہونی چاہییں، نہ کہ جیسا کہ آج کل دیکھنے میں آرہا ہے، یہ دوسرے تیسرے درجے کی چیزیں بن کر رہ گئی ہیں۔ ایک مسلمان کے نزدیک، جس کے لیے اسلام ہی اس کا جینا مرنا ہے، ہر سیاسی تحریک کو اپنی سندِ جواز مذہب سے حاصل کرنی چاہیے، کیونکہ مذہب سیاست سے الگ نہیں ہو سکتا، اور اس کی وجہ بڑی سادہ ہے، یہ کہ اسلام صرف ہماری روحانی ارتقا سے غرض نہیں رکھتا، بلکہ ہماری جسمانی معاشرتی اور اقتصادی زندگی سے بھی پورا پورا تعلق رکھتا ہے۔ اسلام ہمارا مکمل ضابطۂ حیات ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کے لیے، پاکستان کی حمایت میں، پاکستان کی خاطر مسلم عوام سے مسلم رہنما جو پرزور اپیلیں کرتے رہتے ہیں، ان کا پہلا حوالہ پاکستان میں اسلام کا دینی و مذہبی پہلو ہونا چاہیے، اگر اس اندرونی آواز اور مطالبے کو نظر انداز کیا گیا، تو ہماری جدوجہد اپنے تاریخی مشن کو پورا نہ کر سکے گی۔

ہمارے لیڈروں کے لیے اسلامی و نظریاتی قیادت کی ضرورت آج کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اگر سب نہیں تو گنتی کے چند رہنما ایسے ضرور موجود ہیں جو وقت کی اس اہم ضرورت سے پوری طرح باخبر بھی ہیں اور اس ذمہ داری سے پوری طرح عہدہ برآ بھی ہو رہے ہیں، مثال کے طور پر چند ماہ قبل مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے شاندار جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر محمد علی جناح صاحب کے دست راست لیاقت علی خاں صاحب نے خطبۂ صدارت پیش کیا، انہوں نے

بڑے زور دار طریقے سے اس حقیقت کو اجاگر کیا کہ تحریک پاکستان کے محرکات کا اصل سرچشمہ قرآن مجید ہے، لہٰذا ہم جس اسلامی ریاست کے قیام کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں، وہ اپنی سند اختیار و مجاز صرف شریعت سے حاصل کرے گی۔ محمد علی جناح صاحب نے بھی متعدد مواقع پر ایسے ہی انداز فکر میں خطاب کیا ہے۔ ایسے بیانات و خطابات چونکہ مسلم لیگ کی ہائی کمان کی طرف سے آتے ہیں، اس لیے مسلم لیگ کے مقاصد و اغراض کی تشریح و ترجمانی ہو جاتی ہے، لیکن محض تشریح و ترجمانی کافی نہیں[1]۔ اگر مسلم لیگ کے اسلامی اغراض و مقاصد کو ہماری سیاست پر عملاً اثر انداز ہونا ہے تو مسلم لیگ ہائی کمان کو زیادہ ٹھوس بنیاد پر وضاحت و تشریح کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس کام کی خاطر اربابِ دانش کی ایک با اختیار مجلس بنانی چاہیے جو ان اصولوں کی مناسب وضاحت و تشریح کرنے کا فریضہ انجام دے جن پر پاکستان کی بنیاد استوار کی جائے گی۔

چند سال پہلے تک اس کام کی ضرورت اتنی شدید نہ تھی، کیونکہ اس وقت ہماری سیاسی منزلِ مقصود بھی واضح نہ تھی، لیکن جیسا کہ آج کل کے حالات کا تقاضا ہے، ملک میں ایسی زبردست تبدیلیاں پے بہ پے آ رہی ہیں جن کے سبب مستقبل قریب میں پاکستان کا حصول و قیام ممکن نظر آ رہا ہے۔ اب یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ جون ۱۹۴۸ء سے پہلے پہلے پاکستان نام کی ایک نئی آزاد اور خود مختار ریاست کسی نہ کسی شکل میں وجود میں آ جائے گی۔ یہی ہے وہ نکتہ جو میں آپ کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا ہے ''کسی نہ کسی شکل میں'' اب یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام ہے اور یہ ہمارے ہاتھ میں ہے کہ پاکستان کی شکل کیسی ہو۔ اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ یہ سوال کہ ''کیا ہم واقعی اسلام چاہتے ہیں؟'' اب محض نرے غور و فکر کے صاف ستھرے شعبے سے نکل کر فوری نوعیت کی عملی سیاست میں داخل ہو گیا ہے اور پوری شدت سے پوچھ رہا ہے: ''کیا ہم واقعی اسلام چاہتے ہیں؟''۔

یہ عین ممکن ہے کہ اس مضمون کے شائع ہونے سے پہلے ہی محمد علی جناح صاحب نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی قائم کرنے کا مژدہ مسلمانانِ ہند کو دے دیا ہو اور اگر اس وقت تک ایسا نہ بھی ہو سکا تو بہت جلد اس کا اعلان منظر عام پر آ جائے گا۔ لہٰذا مسلمان واضعینِ قانون اور اربابِ دانش کو فوراً ذہنی طور پر خود کو تیار کر لینا چاہیے کہ نئی اسلامی ریاست کا سیاسی نظام کیا ہو گا، کس نوعیت کا معاشرہ استوار کرنا ہو گا، اور قومی مقاصد کیا ہوں گے۔ ان کے سامنے جو مسئلہ درپیش ہے وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل سادہ ہے: ''کیا ہماری ریاست مذہب سے عالمی دوری کی ایک اور علامت ہو گی ان مسلم ریاستوں میں ایک اور مسلم ریاست کا اضافہ، جن میں اسلام کا کوئی اثر اور عمل دخل نہیں ہے نہ سیاسی نظام کی تشکیل میں نہ معاشرتی طرزِ عمل میں، یا پھر یہ جدید تاریخ میں ایک نہایت پر جوش اور انتہائی شاندار تجربہ ہو گا، اس شاہراہ پر پہلا قدم جو انسان کامل ﷺ نے پوری انسانیت کو دکھائی تھی؟ کیا پاکستان برِّ صغیر ہندوستان کے چند خاص علاقوں میں مسلمانوں کی قومی ترقی کا ایک ذریعہ ہو گا، یا پھر پاکستان ایک عملی سیاسی نظریے کے طور پر پوری دنیا میں اسلام کی تجدید و احیا کی علم برداری کرے گا؟

اگر کبھی کسی قوم کے سامنے فیصلے کی گھڑی آیا کرتی ہے کہ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں شعوری فیصلہ کرے، تو مسلمانانِ ہند کے لیے فیصلے کی گھڑی آ گئی ہے۔ اب یہ ذمہ داری ہمارے رہنماؤں کے کندھوں پر ہے کہ وہ فیصلہ کریں اور صحیح فیصلہ کریں۔

اس سے پہلے کبھی مسلم رہنماؤں کو ایسا اختیار تفویض نہیں ہوا کہ وہ ملت کی تقدیر کا فیصلہ صحیح (یا غلط) سمت میں کریں۔ یہ ان کے اختیار و طاقت میں ہے کہ وہ جلد از جلد اپنا فیصلہ سنائیں کہ ہندی مسلمان صحیح معنی میں مسلمان اور حیاتِ نو پانے والے اسلام کے پشت پناہ بن جائیں گے، یا پھر نام نہاد مسلمان گروہوں اور ریاستوں کے ہجوم میں ایک اور مسلمان گروہ اور ریاست کا اضافہ ہو جائے گا، جہاں اسلام کی حیثیت ایک ثقافتی ٹھپے سے زیادہ نہیں، جہاں اسلام اور اس کے اصول و احکام امتِ مسلمہ کے معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی وجود کے لیے ناگزیر خیال نہیں کیے جاتے۔ مسلم لیگ کی موجودہ قیادت، میں پھر دہراتا ہوں، مسلم لیگ کی موجودہ قیادت کے ہاتھ میں ہے فیصلہ کرنا، صحیح فیصلہ کرنا، کیونکہ حصولِ پاکستان کے لیے جوش و خروش کی جو زبردست لہر اٹھی ہے، وہ مسلم لیگ نے اٹھائی ہے، اور اس نے اس ملک کے تمام مسلم عوام کو اٹھا دیا ہے، انہیں متحد کر دیا ہے، اور ایسا متحد کیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی ماضی کی تاریخ میں اتحاد کا ایسا شاندار مظاہرہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ اور جوش و خروش کی اس لاثانی لہر نے ہمارے رہنماؤں کو مسلمانوں کی قیادت کے لیے ایسی باوقار طاقت عطا کی ہے، جو گزشتہ کئی صدیوں کے دوران میں کسی قوم نے اپنے رہنماؤں کو کبھی نہیں دی تھی۔ گویا اسی بااختیار و قار و طاقت کی بنا پر ان کی اخلاقی ذمہ داری بھی بہت زیادہ ہے۔ انہیں یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ان کی ذمہ داری ''سیاسی تدبر'' سے شروع ہو کر ''سیاسی تدبیر'' پر ختم ہو جاتی ہے۔ سیاسی تدبیریں خواہ کتنی بھی ضروری اور ناگزیر ہوں، یہ محض ثانوی نوعیت کی ہوتی ہیں اور لیڈروں کے فرائض میں ایک عبوری اور عارضی مرحلے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیڈروں کا اصل منصب و فریضہ ''قوم سازی'' ہے۔ چونکہ ہماری قومیت کی بنیاد اسلام ہے، اس لیے ہمارے لیڈروں کو فوراً اسلام کی اصطلاحوں میں سوچنا شروع کر دینا چاہیے، کیونکہ مستقبل کے لیے افکارِ تازہ کی نمود کو ملتوی کیے جانا اب کسی اعتبار سے مناسب نہیں (یہ سوچنا اور کہنا اب غلط اندیشی ہے کہ ''ایسے امور و معاملات پر اس وقت غور کیا جائے گا جب پاکستان قائم ہو جائے گا'') ہمارے لیڈروں کو اسلام

---

[1] جیسا کہ علامہ محمد اسد صاحب فرماتے ہیں کہ 'محض تشریح و ترجمانی کافی نہیں......'، یعنی عمل کی ضرورت ہے...... تو قیامِ پاکستان کے بعد عملاً ہوا بھی یہی کہ 'بانئ پاکستان' اور ان کے 'دستِ راست'، سیاست دان، فوج اور افسر شاہی تادمِ تحریرِ حاشیۂ ہٰذا اپنے سب وعدوں وعیدوں سے مکر گئے اور انہوں نے بالجبر یہاں اسلام کا مخالف اور اسلام سے متصادم نظامِ حکومت قائم کر دیا۔ مزید جاننے کے لیے ملاحظہ ہو ادارہ السّحاب برِّ صغیر کی پیش کردہ، چار حصوں پر مبنی دستاویزی فلم 'پیغامِ اسلام' جو علیٰ ہٰذا الوقت (۲۰۲۰ء)، اس لنک پر دیکھی جا سکتی ہے۔ (ادارہ)

کے تقاضوں اور مسلم قوم کے عارضی مفادات کے درمیان خیالی خط نہیں کھینچنا چاہیے کیونکہ اسلام کے تقاضے جامع اور ہمہ گیر ہیں، ان میں مسلمانوں کے روحانی معاملات بھی شامل ہیں اور معاشی مفادات بھی۔ اسلام کے تقاضوں کے آگے مکمل، رضاکارانہ اور باشعور دست برداری واحد حل ہے۔

مختصر یہ کہ اب یہ ہمارے سیاسی رہنماؤں کا فرض ہے کہ وہ عوام کو بار بار تلقین کریں کہ حصول پاکستان کا مقصد ایک سچی اسلامی ہیئتِ حاکمہ کا قیام ہے، اور یہ مقصد کبھی حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک تحریک پاکستان کا ہر کارکن، وہ مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا چھوٹا، دیانت داری سے اپنی زندگی کو ہر گھنٹے اور ہر منٹ اسلام کے قریب سے قریب تر لانے کی کوشش نہ کرے گا، کیونکہ اچھا مسلمان ہی اچھا پاکستانی بن سکتا ہے۔

ہمارا اخلاقی قد و قامت

یہ بات جہاں عامۃ المسلمین پر صادق آتی ہے، وہیں ہمارے لیڈروں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، انہیں اپنے معاشرتی رویے سے یہ ظاہر و ثابت کرنا ہو گا کہ وہ پوری سنجیدگی سے اسلام کو ایک سچا اصول و نظریہ قرار دیتے ہیں اور اسے محض ایک نعرہ نہیں سمجھتے۔ سادہ لفظوں میں یوں کہیے کہ وہ اسلام کے عین تقاضوں کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یقیناً ہمارے لیڈروں میں بہت سے ایسے بھی ہیں جن کی صرف زبان پر اسلام کا نام آتا ہے، اور وہ بھی اس وقت جب وہ کسی عوامی جلسے سے خطاب کر رہے ہوں یا کوئی اخباری بیان ان کی طرف سے جاری ہوتا ہو۔ حالانکہ ان کا شخصی و ظاہری رویہ اسلام سے اسی طرح خارج ہوتا ہے جس طرح یورپ اور امریکہ کے کسی عام سیاسی لیڈر کا شخصی و ظاہری رویہ عیسائیت سے خارج ہوتا ہے۔ اگر حصولِ پاکستان کی خاطر ہماری جدوجہد کو اس مرض ''قومیت'' کی قابلِ رحم حالت میں ضائع ہونا ہے، جس میں پوری دنیائے اسلام مبتلا ہے، تو ہمارے لیڈروں کا رویہ فوراً بدل جانا چاہیے۔

آخر میں ایک اور بات۔ اگر ہمارے لیڈر اسلامی شعور و آگہی کی اعلیٰ ترین بلندیوں پر پہنچ جائیں، تب بھی صرف ان کی مثال ہمارے روحانی مقصد کے حصول و تحفظ کے لیے ناکافی ہو گی۔ ہماری قوم کو اخلاقی و معاشرتی زوال کے اس گڑھے سے نکل کر اٹھنا ہو گا، جس میں وہ گری پڑی ہے۔ ہمارا موجودہ اخلاقی قد و قامت اس معیار سے بھی نیچے ہے جس کا تقاضا اسلام ہم مسلمانوں سے کرتا ہے۔ تہذیب کی روح کا ہم میں فقدان ہے۔ آرام طلبی اور تن آسانی سے ہمیں محبت ہے۔ جب ذاتی مفاد کی کوئی بات سامنے آئے تو ہمیں جھوٹ بولنے سے عار نہیں۔ ہمیں اپنے وعدے وعید توڑنے میں مزا آتا ہے۔ جب بدعنوانی، خود غرضی، چال بازی، فریب کاری واقعات ہماری روزمرہ زندگی کے مشاہدے میں آتے ہیں تو ہم بڑی معنویت سے مسکراتے یا بڑی ڈھٹائی سے ہنستے ہیں۔ ہمارے معاشرے کے بیشتر افراد کو کسی چیز سے کوئی سچی لگن ہے، تو وہ چیز وہ ہے جسے عرفِ عام میں ''سہانا مستقبل''(Career) کہتے ہیں۔ اپنے اور اپنے رشتہ داروں کے لیے چھوٹے سے چھوٹے فائدے کے لیے وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں، جو ان سے ہو سکتا ہے۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے پیٹھ پیچھے غیبت کرنا اور بہتان لگانا ہمارا قومی شعار بن چکا ہے۔ مختصر یہ کہ ہم نے اپنے وجود کے اصل سرچشمے یعنی اسلامی تعلیمات سے فیض یاب نہ ہونے کی قسم کھا رکھی ہے۔

ایسے حالات میں ہم کیوں کر ایک سچے اسلامی ملک پاکستان کے شایانِ شان شہری بن سکتے ہیں؟ ایسے حالات میں ہم کیوں کر ایسا سچا اسلامی ملک پاکستان حاصل کر سکتے ہیں، جس کے حصول کی خاطر ہم اپنی موجودہ اخلاقی پستی سے اوپر اٹھنے کی ذرا بھی کوشش نہ کریں؟ جب ہمارے دل میں حبِ الٰہی اور خوفِ خدا ہی موجود نہ ہو، تو ہم کیوں کر حکمِ الٰہی کو اپنے معاشرتی نظام کے مقتدر بنا سکتے ہیں؟ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان سوالوں کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ اگر مسلمان اپنے طور طریق اور اپنے اخلاقی معیار فوری طور پر تبدیل نہیں کریں گے اور ہر قدم پر شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کی روش ترک نہیں کریں گے، تو یقین جانیے کہ نظریۂ پاکستان میں سے اس کی روح غائب ہو جائے گی اور یوں پاکستان کو اسلام کی جدید تاریخ میں جو منفرد مقام حاصل ہونے والا ہے، وہ حاصل نہ ہو سکے گا۔

جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں، اور اب پھر کہتا ہوں کہ عامۃ المسلمین جبلی طور پر پاکستان کی اسلامی روح کا احساس رکھتے ہیں، اور دل و جان سے چاہتے ہیں کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پاکستانی قوم کی ترقی و تعمیر کے لیے نقطۂ آغاز بن جائے، لیکن ان کے خیالات میں ابہام اور ژولیدگی ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ جانا کدھر کو ہے۔ انہیں رہنمائی کی ضرورت ہے۔ رہنمائی رہنما کا منصب ہے۔ سوال گھوم پھر کر قیادت کے سامنے آ گیا ہے۔

مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ عصرِ حاضر کی مسلم قیادت کا بڑا امتحان یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کی رہنمائی صرف سیاست و معیشت کے میدان میں نہ کریں، بلکہ روحانی اور اخلاقی میدان میں بھی کریں اور مسلمانوں کو باور کرائیں کہ:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۝ (سورۃ الرعد: ۱۱)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی قوم کی سیاسی و معاشی حالت بہتر نہیں ہو سکتی جب تک اس کی مجموعی اخلاقی حالت بھی بلند نہ ہو۔

★★★★★

اپنے آپ کو نیلام کی منڈی میں نہ پیش کیجیے!

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مفکرِ اسلام، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی 'ندوۃ العلماء لکھنؤ' سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کے لیے الوداعیہ کے موقع پر تقریر پیشِ خدمت ہے۔ یہ تقریر ایک ایسے موقع پر فرمائی گئی ہے جب طلبائے علمِ دین کا حصولِ علمِ دین کا تاسیسی مرحلہ طے ہو چکتا ہے اور وہ 'فاضلین' و 'علما' کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر مولانا سید ابوالحسن علی صاحب طلبا و علما کو دراصل اقامتِ دین (ذاتی و اجتماعی، معاشرتی و حکومتی الغرض بہر معنیٰ و اعتبار) کے فریضے کی طرف توجہ دلا رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ کہہ رہے ہیں کہ دنیا کی چمک دمک اور 'کیریئر' کے حصول کے لیے اپنے آپ کو نیلام کی منڈی میں نہ پیش کر دینا۔ جیسا کہ آج کل 'ٹرینڈ' چل پڑا ہے کہ اہلِ مدارسِ دینیہ کو بھی 'پیغامِ پاکستان' کے قومی دھارے میں 'قومیایا' جا رہا ہے اور انہیں مناصب و ہدایا پیش کر کے اور سٹیٹ بینک سے لے کر دیگر بینکوں میں ملازمت کے مواقع فراہم کر کے ان کے اصل فریضے یعنی اصلاح و قیادتِ معاشرہ اور اقامتِ شریعت سے ہٹانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ ایسے میں مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کی یہ تقریر نہایت فکر انگیز ہے۔ (ادارہ)

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین و خاتم النبیین محمد وآلہ و صحبہ اجمعین ومن تبعھم بإحسان و دعا بدعوۃ ربھم الیٰ یوم الدین۔ امابعد

میرے رفقائے کار اساتذۂ دارالعلوم، برادرانِ عزیز اور فرزندانِ عزیز!

مجھے سب سے پہلے اپنے اس تاثر کا اظہار کرنا ہے کہ میں نے رخصت ہونے والے بھائیوں کے اردو اور عربی مضامین سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور میں برملا اعلان کرتا ہوں کہ الحمدللہ جو کوششیں ہو رہی ہیں وہ ضائع نہیں ہو رہی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ○ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ○[1]

میں اپنے عزیز رفقا اور اساتذۂ دارالعلوم کو مبارک باد دیتا ہوں کہ ان کی کوششوں اور دارالعلوم کے فضلا کی تصنیفات کا اثر ان مضامین میں ہے۔ میں سالہا سال سے الوداعی جلسوں میں شریک ہو رہا ہوں اور کبھی کبھی اصلاح کی مجلسوں میں بھی شرکت کا اتفاق ہوا ہے، فکری و علمی لحاظ سے بھی، قوتِ تعبیر اور قوتِ بیان کے لحاظ سے بھی اور قدرتِ تحریر اور اسلوب کے لحاظ سے بھی اور زبان و ادب کے لحاظ سے بھی نمایاں ترقی نظر آتی ہے۔ یہ بات بڑی موجبِ شکر ہے اور میں اپنے عزیز طلبہ کو ان کی ترقی اور ان کی سعادت مندی پر، ان کے تعلق و احترام پر اور ان کے خلوص و محبت پر مبارک باد دیتا ہوں اور اپنے ان عزیز طلبہ سے معذرت کرتا ہوں جو اپنے مضامین نہیں سنا سکے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہوں۔ ان کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ ان کی یہ محنت ضائع نہیں ہوئی، اس لیے کہ انہوں نے مضامین تیار کرنے میں جو وقت صرف کیا ہے وہ ان کے لیے ہر حال میں مفید ہے۔ اس پر زیادہ قلق نہ کریں ان کی یہ چیز زیورِ طباعت سے آراستہ بھی ہو سکتی ہے جو ان کے لیے بطورِ یادگار ہو گی۔

اب میں مختصر وقت میں چند ضروری اور وِداعی باتیں کرنا چاہتا ہوں! یوں تو وقت کا کوئی اعتبار نہیں لیکن چونکہ یہ الوداعی جلسہ ہے اس لیے آپ سے میں وہی باتیں کروں گا جو میرے اپنے عقیدے اور اپنے تجربے اور مطالعے کے لحاظ سے ہیں اور میں جن کو آپ کے لیے مفید سمجھتا ہوں، آپ کی محبت، آپ کے میرے اوپر حق کے سوا کوئی دوسرا محرک نہیں ہے۔

اب میں آپ سے چند باتیں عرض کروں گا جو حالاتِ حاضرہ سے متعلق ہوں گی۔ اور چند باتیں آپ کی ذات سے متعلق عرض کروں گا۔

حالاتِ حاضرہ سے متعلق باتوں میں سے پہلی بات جو اگرچہ بہت بڑی ہے اور میری حقیقت و حیثیت سے بلند ہے مگر اس کے ذکر میں برکت اور حلاوت ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ چند چیدہ اور برگزیدہ صحابۂ کرام کی مخصوص جماعت میں تشریف فرما تھے، حضرت عمرؓ کو ایسا محسوس ہوا کہ یہ میرے لیے دعا کا وقت ہے اور ان کی طبیعت میں بھی تقاضا پیدا ہوا جو عارفین میں پیدا ہوا کرتا ہے اور وہ تو سب عارفین سے بڑھ کر عارف تھے، انہوں نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ آپ سب آزاد ہیں، اپنے لیے دعا کریں اور منہ مانگی مرادمانگیں۔ تو کسی نے کہا کہ 'اے اللہ! اپنے راستے میں نکلنے کی توفیق دے کہ یہ دولت تیرے راستہ میں لٹا دوں اور تیرے بندوں کی خدمت کروں'، کسی نے کہا کہ 'اے اللہ! اپنے راستے میں نکلنے کی توفیق دے کہ میں جہاد کر کے اپنا سر کٹاؤں اور تیرے راستہ میں اپنا خون بہاؤں' اسی طرح تمام صحابۂ کرام کی دعائیں منقول ہیں۔ جب حضرت عمر فاروقؓ کی باری آئی تو انہوں نے فرمایا کہ 'میری دعا ہے کہ میرے پاس ابوعبیدہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، طلحہؓ و خالدؓ ہوں اس کے علاوہ اور کئی نام لیے'، بہر حال یہ سب وہ لوگ تھے جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی فتوحات مقدر کی تھیں اور بڑے بڑے کارنامے تقدیر میں لکھے تھے اور کہا 'ان میں سے کسی کو کسی محاذ پر اور کسی کو کسی محاذ پر بھیجوں اور ساری دنیا میں ان کے ذریعہ اسلام کا پرچم لہرادوں اور پوری دنیا اسلام کے زیرِ نگیں ہو'۔

آج سے پہلے اسلام کے مستقبل کے فیصلہ کن محاذ اتنے متعین اور واضح نہیں تھے، ان پر کُہر تھا، کچھ ایسی تاریکیاں تھیں کہ اس وقت متعین کر کے یہ کہنا مشکل تھا کہ یہ محاذ ہیں جن کے ذریعہ

---

[1] اور یہ کہ انسان کو خود اپنی کوشش کے سوا کسی اور چیز کا (بدلہ لینے کا) حق نہیں پہنچتا۔ اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔ (سورۃ النجم: ۳۹-۴۰)

اسلام اور ملتِ اسلامیہ ہندیہ کے مستقبل کا فیصلہ ہوتا ہے کہ اپنے عقیدے، اپنے پیغام اور اپنے تشخص کے ساتھ باقی رہ سکتی ہے یا نہیں؟ تو میرا مطالعہ ہے کہ آج سے چند سال پہلے اور خاص طور پر ۱۹۴۷ء سے پہلے یہ محاذ متعین اور واضح نہیں تھے لیکن اس میں سیاسی تبدیلیوں، انقلاب سلطنت اور اسلام کے خلاف موجودہ مہم اور علمی تجربوں نے اس کو بالکل ایک حقیقت بنادیا ہے۔ انہی محاذوں کا ذکر آپ سے کروں گا جن کے لیے بلند عزم سپاہیوں اور دینی درسگاہ کے فضلا اور دینی تعلیم کے تربیت یافتہ علما اور مخلصین کی ضرورت ہے اور ان کے لیے اس سے بڑی سعادت نہیں ہوسکتی کہ وہ ان محاذہائے جنگ میں اپنی صلاحیتوں، اپنی توانائیوں اور سرگرمیوں کا اظہار کریں۔

ان میں سب سے بڑا محاذ یہ ہے کہ ہماری ملت اسلامیہ کی آئندہ نسل مسلمان رہ جائے۔ اور وہ صرف ذہنی، فکری، تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے نہیں بلکہ اعتقادی ارتداد سے بچ سکے۔ اس وقت سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ جو لوگ ہمارے مدارس سے فارغ ہوں وہ اس محاذ کو سنبھالیں، اس محاذ کا چارج لیں اور اپنے کو اس محاذ کے لیے وقف کردیں اور یہ کوشش کریں کہ مسلمانوں کی آئندہ نسل جو ابھی آٹھ دس برس کے بچے یا بارہ پندرہ برس کے نوجوان کی شکل میں ہے، اسلام کی اصولی فقہی اور کلامی تعریف پر صادق ہو۔ اس کے لیے ضرورت ہے اس بات کی کہ قصبے قصبے، شہر شہر اور گاؤں گاؤں مدارس و مکاتب اور مساجد کی بنیاد ڈالی جائے اور جہاں ایسا ممکن ہو وہاں صباحی و مسائی درجات (یعنی صبح و شام کی کلاسیں) ہوں اور جو لوگ جدید تعلیم یافتہ ہیں اور اپنے بچوں کو سرکاری اسکولوں میں بھیجنے کے لیے مجبور ہیں ان کو غذا پہنچائیں۔ اگر ان کو ابھی سے بچانے کی کوشش نہیں کی گئی تو ڈر ہے کہ اس نوخیز نسل کو آگے چل کر کلامی اور فقہی اعتبار سے مسلمان کہنا صحیح ہوگا یا نہیں، وہ توحید و شرک اور کفر و ایمان کا فرق کرسکے گی یا نہیں، رسالت، منصب رسالت اور رسول اللہ ﷺ کو نبیٔ آخر الزمان اور آپ ﷺ کی شفاعت کو مانے گی یا نہیں۔ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ [1] اور وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ [2] پر اس کا ایمان ہوگا یا نہیں۔

ہم آپ کے بلند عزائم اور بلند خیالات، آپ کے مطالعے اور پختہ صلاحیتوں پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس پر آپ کو مبارکباد دیتے ہیں، لیکن اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ کون کس محاذ کو سنبھالتا ہے۔ آپ ابھی سے نیت کیجیے کہ ہم اس خطرناک اور نازک محاذ کے لیے سینہ سپر رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا اور اسباب مہیا کرے گا۔ آئندہ نسل جو ہماری اور آپ کی اولاد ہوگی اس کو مسلمان رکھنے کے لیے جو بھی کوشش کی جاسکے کی جائے، جو ہاتھ پیر مارے جاسکیں مارے جائیں اور جو آبِ دیدہ و خونِ جگر بہایا جاسکے بہایا جائے یہ سب سے بڑا محاذ ہے۔

دوسرا محاذ یہ ہے کہ ملت اسلامیہ اپنے ملی تشخص کے ساتھ باقی رہے یعنی اپنے عائلی قوانین، قرآن مجید کے نصوص قطعیہ اور احکام قطعیہ، نکاح و طلاق کے احکام، ترکہ و تعلقات کے احکام پر عمل کرسکے۔ اس پر عمل نہ کرسکنا بعض وقت ناجائز اور حرام ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۝ [3]

بہت سخت الفاظ ہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ وقت آگیا کہ مسلمان یہاں نماز تو پڑھ سکے، کلمہ پڑھ سکے، قرآن شریف کی تلاوت کرسکے لیکن وہ قرآن مجید کے عائلی احکام پر عمل نہ کرسکے... پھر اس وقت علما کو یہ سوچنا پڑے گا کہ وہ ہجرت کا فتویٰ دیں۔ خدا کرے وہ وقت نہ آئے، ہم اس زمین پر اپنا حق سمجھتے ہیں۔ یہاں کے اہلِ بصیرت عارفین مُلہم من اللہ اور اپنے عہد کے مخلص ترین بندوں نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اس ملک سے اسلام مٹنے والا نہیں ہے اور اس ملک کی قسمت میں اسلام لکھ دیا گیا ہے اور اس ملک کے لیے اسلام الاٹ ہوگیا ہے اور تقدیر الٰہی کا فیصلہ ہے کہ اسلام اس ملک میں رہے، اسلام اس کی قیادت بھی کرسکتا ہے اور بچا بھی سکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پھر دوبارہ اس کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ آجائے اس لیے ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہیں۔ مگر ہمیں واقعات و حقائق کو دیکھ کر اپنی کوششوں کا رُخ متعین کرنا چاہیے کیونکہ مسلمانوں کا ملی تشخص روز بروز خطرے میں پڑتا جارہا ہے۔

آخری محاذ علوم دینیہ کے بقاء کی کوشش کرنا اور زمانہ کے ساتھ ان کو تطبیق دینا۔ اس طرح نہیں کہ زمانہ کے تابع ہوں بلکہ زمانہ کے جائز اور واجب تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اور اس کی زبان و ادب کی رعایت کے ساتھ علوم دینیہ کو زندہ رہنے اور اپنا کام کرنے اور زمانہ کا نا صرف ساتھ دینے بلکہ اس کی قیادت کرنے کے قابل بنائیں۔ اس کے لیے عربی مدارس تو ریڑھ کی حیثیت رکھتے ہیں؛ ان کو ترقی دیں اور ان کے لیے اساتذہ تیار ہوں۔ ندوۃ العلماء کے ملحق مدارس کو اپنی پچاس ساٹھ سے متجاوز تعداد کے باوجود اساتذہ نہیں ملتے؛ آپ اس کے لیے بھی تیار ہوں، نئے مدارس قائم کریں، علوم دینیہ میں نئی زندگی اور تازگی پیدا کریں۔ صرف یہ نہیں کہ آپ فرسودہ چیزوں کو فرسودہ اور بوسیدہ چیزیں سمجھ کر پڑھائیں بلکہ ان میں نئی روح و نئی توانائی پیدا کریں۔ تصنیفات نئی ہوں، تشریحات نئی ہوں، نئی ترجمانی ہو، نئی قوتِ تدریس ہو، نیا ذوق تعلیم ہو، نئی ذہنی صلاحیت اور اس کے ساتھ ذکاوت، حافظہ اور مطالعہ کی وسعت ہو۔ یہ چیزیں جو میں نے اختصار سے بیان کی ہیں ان کی طرف توجہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

[1] "اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔" (سورۃ آلِ عمران:۱۹)

[2] "جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا۔" (سورۃ آلِ عمران:۸۵)

[3] "جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور اسی حالت میں فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئے تو بولے: تم کس حالت میں تھے؟ وہ کہنے لگے کہ: ہم تو زمین میں بے بس بنادیے گئے تھے۔ فرشتوں نے کہا: کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرجاتے؟ لہٰذا ایسے لوگوں کو ٹھکانا جہنم ہے۔" (سورۃ النساء:۹۷)

اور اب وہ چیزیں بیان کرتا ہوں جو آپ کی ذات سے متعلق ہیں۔ انہیں آپ سرسری نہ سمجھیے گا، یہ ہزاروں صفحات کے مطالعہ کا نچوڑ ہے۔ اگرچہ خود ستائی ہے اور اس میں کوئی فضیلت نہیں ہے، محض اپنی بات میں اہمیت پیدا کرنے کے لیے کہتا ہوں کہ بہت کم لوگوں کو علمائے سلف اور علمائے معاصرین اور درمیانی دور کے علما خاص طور پر ہندوستان کے علما کے تراجم پڑھنے کا موقع ملا ہوگا جتنا مجھے ملا؛ اور اس کے خاص اسباب تھے، کیونکہ میں ایک تاریخی ماحول اور مورخین کے گھرانے میں پیدا ہوا اور گھر میں سارا خزانہ موجود تھا۔

''نزہۃ الخواطر''، جس میں ساڑھے چار ہزار سے زائد علمائے ہند کے تراجم ہیں، اس کو میں نے کئی بار پڑھا۔ مسودہ کے مرحلہ سے لے کر طباعت کے بعد تک ہر مرحلہ میں کئی بار پڑھتا رہا۔ اسی طرح 'وفیات الاعیان' اور طبقات کی جو کتابیں ہیں، پڑھیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی خدمت میں رہنے کا موقع بھی نصیب فرمایا۔

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست ہو۔ کسی درجہ تقویٰ، دیانت داری اور تعلق مع اللہ ہو یا اس کی فکر ہو۔ یہ ایسی بنیادی بات ہے کہ جس کے بغیر نہ کسی کام میں برکت ہوتی ہے نہ حرکت اور ایسا حقیقی نفع اسی وقت ہوگا جب خدا اور رسول ﷺ کے ساتھ معاملہ درست ہو۔

میں یہ نہیں کہتا کہ آپ سب کے سب شب بیدار بن جائیں، صوفی اور عارف باللہ ہو جائیں یہ ہر شخص کے لیے ضروری نہیں۔ لیکن جو ضروری حصہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک حد تک تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صحیح ہو اور اس کی فکر ہو۔ اپنی نمازوں کی فکر ہو، دعا کا ذوق ہو اور انابت الی اللہ کسی نہ کسی درجہ میں ضرور ہو۔ یہ سب سے اہم اور بنیادی چیز ہے اسے کبھی بھولنا نہیں چاہیے۔ اس کے حصول کے بہت سے ذرائع ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہی ہے کہ کتاب و سنت اور فقہ کا مطالعہ کریں اور اس کے مطابق اپنی نمازوں کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ اس کے علاوہ سب سے مؤثر چیز یہ ہے کہ بزرگانِ دین کے حالات پڑھیں اور اگر اللہ تعالیٰ نصیب کرے تو کسی بزرگ کی صحبت اختیار کریں۔ میں بے تکلف کہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں سب سے بہتر اور مفید حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتابیں، خاص طور سے ان کے ملفوظات و مواعظ ایک اچھا اثر رکھتے ہیں۔ میں نے الحمدللہ ساری ندویت (دار العلوم ندوۃ العلماء میں گزرا وقت)، اپنے تمام ادبی ذوق اور تاریخی بلکہ انتقادی ذوق کے ساتھ ان سے فائدہ اٹھایا ہے اور آپ کو بھی مشورہ دیتا ہوں۔ اس سے آپ کو اپنی جاہ طلبی، حب مال اور معاملات میں کوتاہی کا علم ہوگا اور خاص طور پر اخلاق کی اصلاح اور اجتماعی کاموں کی اہمیت پر ان کے یہاں بڑا زور دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان سے یہ کام لیا ہے۔ آپ اس کی طرف ضرور توجہ دیں آپ کے اندر اس کی کوئی مقدار ضرور ہونی چاہیے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں خاص طور پر اس کی دعوت و عزیمت کی تاریخ اور اس کی اصلاحی تحریکوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ عہدِ نبوی سے لے کر آج تک علم اور نفع خلائق کا، اصلاح و انقلابِ حال کا اور زہد و ایثار کا ساتھ رہا ہے، یہ دونوں بالکل ہم سفر ہیں۔ آپ اسلام کی پوری تاریخ کا جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ ان دونوں کا کہیں ساتھ نہیں چھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے ذریعہ امت کو نفع پہنچایا اور کسی بڑے فتنے سے محفوظ فرمایا، ان میں سب سے بڑا فتنہ ردّت (ارتداد) کا فتنہ تھا اور دوسرا فتنہ خلقِ قرآن کا تھا۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے: نصر الله هذه الامة ......یا......اعان الله هذه الامة بابي بكر الصديق يوم الردة وباحمد بن حنبل يوم الفتنة، اور اس کے بعد جو فلسفے کے حملے تھے جن کے مقابلہ کے لیے جو لوگ آئے، امام غزالی ہوں یا امام ابو الحسن اشعری ہوں، پھر اس کے بعد جو فتنے تھے ان کے مقابلہ کے لیے امام ابن تیمیہ وغیرہ آئے پھر ہندوستان میں صوفیائے کرام، جنہوں نے مادیت و غفلت اور سلطنت کے اثر سے جو جاہ پرستی، طاقت پرستی، دولت پرستی اور نفس پرستی پیدا ہو رہی تھی، اس کو روکا۔ پھر اس کے بعد غیر مسلموں کے اثر سے اسلامی معاشرے میں جو بدعات، مشرکانہ عقائد داخل ہو گئے تھے اور وحدت الوجود کا جو اثر فلاسفہ اور صوفیوں سے لے کر ادبا اور شعرا تک کے دماغوں میں سرایت کر گیا تھا، اس کے مقابلہ کے لیے حضرت مجدد الف ثانی آئے۔ پھر اس کے بعد قرآن مجید کے براہِ راست مطالعہ اور حدیث سے اشتغال نہ ہونے کی وجہ سے جو ایک جاہلیت ہندیہ اور مقامی اثرات تھے اور اتباعِ سنت کا ذوق کم ہو گیا تھا اور عقیدہ میں رخنہ پڑ گیا تھا اس کے سدباب کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے اخلاف و خلفا کو اللہ تعالیٰ نے تیار کیا۔

غرض پوری تاریخ بتاتی ہے کہ اصلاح کا کام، عزیمت کا کام اور سطح سے بلند ہو کر امت کے نفع کا کام اور زہد و ایثار دونوں میں اللہ تعالیٰ نے کوئی فطری اور طبعی رشتہ قائم کر دیا ہے جو اسلام کی پوری تاریخ میں ٹوٹنے نہیں پایا۔ اس لیے میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اس کے لیے بھی آپ اپنے کو تیار کریں۔ کیونکہ دوسری قوموں میں بھی کوئی کام زہد و ایثار کے بغیر نہیں ہوا ہے اگرچہ ان کا مزاج الگ، ان کے نتائج مختلف اور ان کے احکام بھی دوسرے ہیں۔ اس لیے اپنے آپ کو ارزاں فروشی سے بچائیں، صرف دولتِ دنیا کو اور عہدوں کو اپنا مطمحِ نظر نہ بنائیں، جہاں سے مانگ آجائے اور امید ہو جائے بس آپ آنکھ بند کر کے چلے نہ جائیں اور زہد و ایثار سے کام لیں۔ اسی زہد و ایثار کے وعدے سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے اس وقت نہ میں استیعاب کر سکتا ہوں اور نہ آپ کو ضرورت ہے۔

پوری تاریخ شاہد ہے کہ زہد و ایثار سے جو حقیقی آسودگی اور صحیح عزت حاصل ہوتی ہے وہ کہیں نہیں حاصل ہوتی ہے اور یہی اصل مقصد ہے جو لاکھوں کروڑوں روپے کے مالک کو بھی حاصل نہیں ہے، وہ ایک لقمے کو حلق سے اتارنے کے لیے بعض اوقات ترستے ہیں۔ ہنری فورڈ (Henry Ford) کہتا تھا کہ میری ساری دولت لے لو اور میرا ہاضمہ درست کر دو اور اس قابل بنا دو کہ میں کچھ کھا پی سکوں۔ حقیقی ضرورت کا سہولتوں اور عزت کے ساتھ پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوتا ہے۔

اگر غیر مناسب بات نہ ہوتی تو میں بتاتا کہ میں اور میرے بعض رفقا کو محض بزرگوں اور اپنے مربّیوں کے فیض سے اور جو کتابوں میں پڑھا تھا اس کے اثر سے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا تو آج ہم اس

قابل ہیں، ورنہ معلوم نہیں کسی یونیورسٹی یا کسی کالج میں ریٹائر ہو چکے ہوتے اور تھوڑی بہت پنشن وغیرہ جو ملتی ہے ملتی ہوتی اور اپنے قصبہ میں بیٹھے زندگی کے دن گزار رہے ہوتے۔ لیکن ہمیشہ ایسے موقعوں پر بزرگوں کے واقعات سامنے ہوتے ہیں، ان میں سے مولانا عبدالرحیم صاحب کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں جس کی نظیر شاید مشکل سے ملے گی۔

والد صاحب مرحوم نے "نزہۃ الخواطر" کی آخری جلد میں مولانا نجم الغنی صاحب رامپوری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مولانا عبدالرحیم صاحب معقولات کے اور ریاضیات کے بہت بڑے ماہر تھے۔ وہ قدیم درس پڑھاتے تھے اور انہیں ریاست رامپور سے دس روپے ماہانہ ملتے تھے۔ ان کی اپنے فن میں قابلیت کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ جب بریلی میں پہلی مرتبہ کالج قائم ہوا تو اس کے پرنسپل مسٹر ہاکنز (Hawkins) نے ان کو آفر (پیش کش) کی کہ آپ بریلی کالج میں آیئے اور دو سو روپے آپ کی تنخواہ ہوگی تو انہوں نے بڑی سادگی سے جواب دیا کہ میرے پندرہ روپے بند ہو جائیں گے۔ مسٹر ہاکنز نے کہا کہ آپ ریاضیات کے اتنے بڑے ماہر ہیں لیکن پندرہ اور دو سو روپے میں فرق نہیں سمجھتے، پھر انہوں نے جواب دیا کہ جن لڑکوں کو میں پڑھاتا ہوں ان کی تعلیم ادھوری رہ جائیگی پھر اس نے کہا کہ وہ سب لڑکے یہاں آجائیں گے اور سبھوں کا اسکالرشپ مقرر کر دیا جائے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک بڑی دقت یہ ہے کہ میرے گھر کے سامنے بیری کا ایک درخت ہے جس کے تازہ پھل سے صبح صبح ناشتہ کرتا ہوں وہاں جانے کے بعد اس کا پھل نہیں ملے گا جس کی وجہ سے صحت پر اثر پڑ سکتا ہے پھر اس انگریز نے کہا کہ وہ پھل بھی صبح صبح ڈاک کی گاڑی سے آپ کو مل جائے گا تو پھر انہوں نے جواب دیا کہ یہ سب ٹھیک ہے لیکن آپ یہ بتایئے کہ کل قیامت میں جب خدا یہ سوال کرے گا کہ تم رامپور چھوڑ کر بریلی اس لیے گئے تھے کہ یہاں پندرہ روپے ملتے تھے اور وہاں دو سو روپے ملیں گے تو میں اس کا کیا جواب دوں گا؟ انگریز بہر حال انگریز تھا اس نے کہا کہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

میرے عزیزو! میں تم سے صاف کہتا ہوں کہ ایسی مثالیں پھر زندہ ہونی چاہئیں، اللہ کا فیصلہ ہے اور اس کی سنت ہے، سارے آسمانی صحیفے بتاتے ہیں انبیا علیہم السلام کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے اور مصلحین کی تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو عزت، سکونِ قلب اور روحانی سرور عطا فرماتا ہے اور اس کے ساتھ جو برکت ہوتی ہے وہ سب زہد و ایثار پر موقوف ہے۔ اور اب پھر وہ دور آگیا ہے، خاص طور سے ہندوستان کے حالات اس زہد و ایثار کے طالب ہیں۔ یہ بری روایت شروع ہوگئی ہے کہ جہاں زیادہ پیسے ملیں جہاں زیادہ آسودگی حاصل ہو اور جہاں اپنے خاندان کی آسانی سے پرورش کر سکیں وہیں جانا چاہیے، یہ بہت بڑی آزمائش ہے اس سے بچنے کی دعا مانگنی چاہیے۔

تیسری بات جو بہت تجربہ کی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے بھی کتابیں پڑھی ہیں، اسلام کے مذاہبِ اربعہ اور ان سے باہر نکل کر تقابلی مطالعہ کیا ہے، شاید کم ہی لوگوں نے اس طرح کا مطالعہ کیا ہو، ان تمام کے مطالعے کے نچوڑ میں ایک گُر کی بات بتاتا ہوں کہ جمہور اہل سنت کے مسلک سے کبھی نہ ہٹیے گا۔ اس کو لکھ لیجیے۔ چاہے آپ کا دماغ کچھ بھی بتائے، آپ کی ذہنیت آپ کو کہیں بھی لے جائے، کیسی ہی قوی دلیل پائیں، جمہور کے مسلک سے نہ ہٹیے۔ اللہ تعالیٰ کی جو تائید اس کے ساتھ رہی ہے، جس کے شواہد و قرائن ساری تاریخ میں موجود ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس دین کو باقی رکھنا تھا، اور باقی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہے ورنہ بدھ مذہب کیا باقی ہے؟ عیسائیت کیا باقی ہے ؟ عیسائیت کے بارے میں قرآن کا ولا الضالین کہنا ایک معجزہ ہی ہے یعنی وہ پٹڑی سے بالکل ہٹ چکی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس دین اسلام کے بارے میں فرمادیا ہے إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ[1]، اور اس کے ساتھ جو تائید ہے، جو قوی دلائل ہیں، جو سلامتِ فکر اور سلامتِ قلب ہے، اس کے ساتھ جو ذہین ترین انسانوں کی محنتیں اور غوروخوض کے نتائج ہیں اور ان کا جو اخلاص ہے اور ذہن سوزی ہے وہ کسی مذہب کو حاصل نہیں ہے۔ یہ وہ بات ہے جو ہمارے اور آپ کے استاد مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اپنے بعض شاگردوں سے کہی جیسا کہ مولانا اویس نگرامی صاحبؒ نقل کرتے تھے اور سید صاحبؒ سے ان کے استاذ مولانا شبلیؒ نے کہی تھی، بعض لوگ چمک دمک والی تحریر پڑھ کر دھوکہ کھا جاتے ہیں، "وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ"[2] اور شہیدوں کا مذاق اڑاتے ہیں، اور کہیں علمائے سلف کا مذاق اڑاتے ہیں، کہیں مفسرین ان کے تیر کا نشانہ بنتے ہیں... لہٰذا مسلک جمہور سے اپنے کو وابستہ رکھیے، اس کا بڑا فائدہ ہوگا، اللہ کی خاص عنایت ہوگی اس کی نصرت و برکت ہوگی اور حسنِ خاتمہ بھی ہوگا۔

یہ باتیں ہیں جن کو میں شاید زیادہ مؤثر طریقہ سے نہ کہہ سکا لیکن آپ انہیں حقائق سمجھیں اور یہ مطالعہ اور تجربہ کا ماحصل ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں ان باتوں تک پہنچا ہوں اور آپ تک بطور امانت اور وصیت منتقل کرتا ہوں۔

اور آخری بات یہ ہے کہ علم سے اپنا اشتغال رکھیے، اپنے کو کبھی فارغ التحصیل نہ سمجھیے، ہمیشہ نئی اور پرانی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہیے خواہ آپ کہیں رہیں، قرآن مجید کی تفسیریں، حدیث شریف کی شرحیں، تاریخ کی کتابیں اور جو کتابیں علم کلام پر اور صحیح عقائد کو پیش کرنے کے لیے صحیح طریقہ پر لکھی گئی ہیں ان سب سے آپ کا ربط رہے اور ان کا ہمیشہ مطالعہ کرتے رہیں اور اپنے مرکز سے برابر تعلق قائم رکھیے...... ع پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ!

[1] "حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" (سورۃ الحجر: ۹)

[2] "اور لوگوں میں ایک وہ شخص بھی ہے کہ دنیوی زندگی کے بارے میں اس کی باتیں تمہیں بڑی اچھی لگتی ہیں اور جو کچھ اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ کو گواہ بھی بناتا ہے۔" (سورۃ البقرۃ: ۲۰۴)

قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِي الَّذِينَ يَعۡلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعۡلَمُونَ

''کہو کہ: کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے سب برابر ہیں؟''

(تعلیم، حکمِ تعلیم اور نظامِ تعلیم پر بحث کرتا ایک مقالہ)

مولانا ڈاکٹر عبید الرحمٰن المرابط حفظہ اللہ

باب چہارم: نظامِ تعلیم کی اقسام

مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہندوستان میں 1857ء کے بعد کئی قسم کے مدرسے قائم ہوئے۔ [خیال رہے کہ جنگ آزادی کے بعد کی تقسیم کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے جو کہ استعماری دور کے تحت وجود میں آئے۔ اور جو حالات جنگ آزادی کے بعد تھے وہ اب بھی موجود ہیں]۔

قسم اول: دینی مدارس

ان مدارس کا مقصد فقط علوم دینیہ کی بقا اور تحفظ تھا۔ اس سلسلہ کا سب سے پہلا مدرسہ دارالعلوم دیوبند ہے جس کی بنیاد مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے رکھی۔ 1857ء میں جب اسلامی حکومت کا چراغ گل ہوا تو علمائے ربانیین کو یہ فکر ہوئی کہ ہماری بداعمالی اور عیش پرستی کی وجہ سے اور بدقسمتی اور غفلت سے اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا اور نصرانی پنجے کا ہم شکار ہو گئے، مگر ایسا نہ ہو کہ اسلامی حکومت کے خاتمے کے ساتھ خدانخواستہ مسلمانوں کے اسلام کا بھی خاتمہ ہو جائے اور فرزندان اسلام اپنی جہالت اور علم دین سے بیگانگی کی وجہ سے نصرانیت کا شکار نہ بن جائیں۔ خصوصاً جب کہ نصرانیت کے صیاد ہر طرف سے زن اور زر کا جال بچھائے شکار کی تاک میں کھڑے ہوئے ہیں۔ اس وقت کے علمائے ربانیین نے اس ضرورت کو محسوس کر کے مدارس اسلامیہ اور عربیہ کی بنیاد ڈالی اور مسیحیت کے مقابلہ کے لیے میدان میں نکل کھڑے ہوئے۔ مدارس اسلامیہ اور عربیہ کا مقصد فقط اتنا تھا کہ ہندوستان میں اسلام اور علومِ اسلامیہ کا تحفظ ہو جائے۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ انقلابِ حکومت کی وجہ سے مسلمان مسیحیت کے سیلاب میں بہہ جائیں۔ اسلام اور اسلامی تمدن کی حفاظت کے لیے یہ مدارس قائم کیے گئے۔ چونکہ علم دین حضرات انبیائے کرام علیہ الصلاۃ والسلام کی میراث ہے اور علمائے کرام حضرات انبیاء اللہ کے وارث ہیں، اس لیے ان حضرات نے اپنی تعلیم و تلقین میں اس کا پورا پورا لحاظ رکھا کہ جس نبی امّی صلی اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی وابی وامی کے علم کی تعلیم دی جائے اس کے اساتذہ اور تلامذہ کا تمدن اور طرزِ معاشرت بھی اسی کملی والے نبی ﷺ کا سا ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ دعویٰ تو ہو موسیٰ بن عمران کے تعلق اور محبت کا اور تمدن اور طرز ہو فرعون اور ہامان کا۔

مدارس دینیہ کے قیام سے فقط آخرت مقصود ہے تاکہ علوم دینیہ کا احیا اور صحابہ و تابعین اور ائمۂ مجتہدین اور سلفِ صالحین کے علم اور عقائد اور طرزِ عمل کی تعلیم دی جائے۔ تاکہ علمِ دین محفوظ ہو جائے۔ علم کی حفاظت کا ذریعہ تعلیم ہے۔ جس علم کی تعلیم نہ ہو وہ علم ختم ہو جاتا ہے۔ غرض یہ کہ دینی مدارس کی غرض وغایت علم دین کا تحفظ ہے۔

اس لیے علما نے یہ خیال کیا کہ جسے دارِ آخرت کی فکر ہو وہ تھوڑی مدت میں بقدرِ ضرورت علمِ آخرت حاصل کر لے اور مسلمان کا اصل مقصود آخرت ہے اور کافر سے ہمیں بحث نہیں۔ اور پھر جس کو دنیاوی علم کی ضرورت ہو وہ اس کو حاصل کرے۔ مسلمان کے لیے دارِ باقی کا علم حاصل کرنا دارِ فانی کے علم سے مقدم ہے۔ امیر و فقیر سب کو وہیں جانا ہے۔

خدانخواستہ اگر قدیم طرز کی درس گاہیں نہ ہوتیں تو اس وقت قرآن و حدیث کا صحیح مطلب بتلانے والا اور حلال و حرام کا صحیح فتویٰ دینے والا بھی کوئی نہ ملتا۔ علم دین کو اپنی اصلی ہیئت اور رنگ میں باقی رکھنا اور کفر و شرک کے رنگ اور دھبے سے اس کو پاک رکھنا تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔

قسم دوم: دنیاوی (مغربی) مدارس

ان مدارس کے قیام کا مقصد فقط دنیوی ترقی اور موجودہ حکومت میں دخیل ہونا ہے، اور اس کے چھوٹے بڑے عہدوں پر علیٰ حسب القابلیت فائز اور ممتاز ہونا ہے۔ اس سلسلے کا سب سے پہلا مدرسہ علی گڑھ کالج ہے جس کی بنیاد سرسید نے رکھی۔ اس کا بانی اپنے مقصد میں بہت کچھ کامیاب رہا۔ ہزاروں مسلمانوں نے انگریزی تعلیم حاصل کی اور اس میں بڑے بڑے قابل ہوئے اور حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔

اس قسم کے مدارس وَلَمۡ يُرِدۡ إِلَّا الۡحَيَوٰةَ الدُّنۡيَا ○ ذَٰلِكَ مَبۡلَغُهُم مِّنَ الۡعِلۡمِ ترجمہ: اور صرف دنیا ہی کی زندگی کا خواہاں ہو، ان کے علم کی یہی انتہا ہے (سورۃ النجم) کا مصداق ہوئے، اور حسب ارشادِ باری مَّن كَانَ يُرِيدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَآءُ لِمَن نُّرِيدُ ترجمہ: جو شخص دنیا (کی آسودگی) کا خواہشمند ہو تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں (سورۃ الاسراء: 18)۔ دنیا میں اس کا ثمرہ ان لوگوں کو مل گیا جتنا اللہ نے چاہا۔

دونوں مدارس میں فرق

ایک فرق تو پہلے واضح ہو چکا کہ علی گڑھ کالج کا مقصد فقط دنیا تھی، اور دارالعلوم کا مقصد صرف آخرت۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ علی گڑھ کالج کی تعلیم کا دائرہ فقط ہندوستان تک محدود رہا اور دارالعلوم کی تعلیم کا افادہ فقط ہندوستان تک محدود نہیں رہا۔ [افغانستان]، چین، بخارا، سمرقند،

روس، ترکستان حتیٰ کہ مکہ و مدینہ کے طالب علم بھی دار العلوم دیوبند آئے۔ لیکن علی گڑھ میں یورپ سے انگریزی کا علم حاصل کرنے کے لیے کوئی طالب علم نہیں آیا۔

دنیاوی علوم کے مدارس کی ملک میں کوئی قلت نہیں۔ چپہ چپہ پر کالج اور اسکول کھلے ہوئے ہیں۔ جسے دنیاوی علم حاصل کرنا مقصود ہو وہ جس کالج اور اسکول میں چاہے داخل ہو جائے۔ لیکن کالجوں اور یونیورسٹیوں سے دین رخصت ہو چکا ہے۔

قسم سوم: مشن کالج

اسلامی حکومتوں میں مشن کالجوں کا وجود اسلام کے لیے سم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ اہل ثروت مسلمان اپنے کم عمر بچوں کو مشن کالج یا اسکول میں ایسے سن میں داخل کر دیتے ہیں کہ اس مسلمان بچے کو کسی بات کی خبر نہیں ہوتی۔ اس کی لوحِ دل بالکل خالی ہوتی ہے۔

1. عیسائی مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد اس سادہ لوح پر عیسائیت کے مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی نقش و نگار بننا شروع ہو جاتے ہیں۔
2. سات آٹھ سال کی زندگی میں جو دیکھتے ہیں اور جو سنتے ہیں وہ سب اسلام کے خلاف ہوتا ہے۔
3. غیر شعوری طور پہ نصرانیت اور مغربیت کے نقش و نگار ایسے کندہ ہو جاتے ہیں کہ اب اس لوحِ دل میں اسلام کے کسی نقش و نگار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔
4. جب کالج سے ڈگری لے کر گھر واپس آتے ہیں تو صرف نام اسلامی واپس آ جاتا ہے اور ظاہر و باطن اسلامی عقائد سے یکسر خالی ہوتا ہے، اور اسلام کے بارہ میں شکوک اور شبہات سے دل لبریز ہوتا ہے۔
5. سر سے پیر تک مغربیت کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔
6. سینما اور کلب ان کو محبوب ہوتا ہے۔ جو اہل نظر کے نزدیک آوارگی کی درس گاہ اور فحاشی کی تماش گاہ ہے۔
7. ظاہری جنسیت اور قومیت کے لحاظ سے مسلمان کہلاتے ہیں مگر مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے مغربی ہوتے ہیں۔
8. علم دین اور علمائے دین کو خاص طور پہ نظر حقارت سے دیکھتے ہیں۔
9. حتیٰ کہ جن والدین کے خرچ سے انہوں نے یہ تعلیم پائی ہے وہ اگر اسلامی رنگ میں ہوتے ہیں تو یہ صاحب زادے ان کو بھی حقیر سمجھتے ہیں، اور ان کے ساتھ رہنا اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ علیحدہ بنگلہ چاہتے ہیں۔
10. اپنے خویش و اقارب میں نکاح کرنے کو معیوب سمجھتے ہیں، اور میم سے شادی کو باعثِ فخر جانتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خاندان کی لڑکیاں ان کی آمدنی اور مال و دولت سے محروم ہو جاتی ہیں۔

مغربی حکومتیں جو اربہا روپیہ اسلامی ممالک میں قائم کردہ مشن کالجوں پر خرچ کر رہی ہیں وہ بے فائدہ نہیں خرچ کر رہیں۔ ان کی غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچے عیش و عشرت کے ساتھ ہماری آغوش تربیت میں ایک عرصہ تک پرورش پائیں۔ وہ اس عرصے میں اگر عیسائی نہ بن سکیں تو کم از کم مسلمان بھی نہ رہیں۔ صورت اور سیرت کے اعتبار سے ہمارے ہم رنگ ہو جائیں۔ یہی کافروں کی دلی تمنا اور آرزو ہے۔ کما قال اللہ: وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ ترجمہ: وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں (اسی طرح) تم بھی کافر ہو کر (سب) برابر ہو جاؤ، پس ان میں سے کسی کو دوست نہ بنانا (سورۃ النساء: 89)۔

اس وقت جو چند حروف لکھے ہیں حقیقت حال اس سے کہیں زائد ہے جو تم پر روشن ہے، زیادہ لکھتے ہوئے شرم معلوم ہوئی۔ اب قلم کو روکتا ہوں۔ [جبکہ آج کل پاکستان میں ایسے مغرب زدہ سکولوں کی بھرمار ہے جو مشنری تو نہیں کہلاتے لیکن کام یہی کرتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ پہلے مشنری سے مراد عیسائی مشنری تھی۔ اب اس سے مراد لادینی مشنری ہے۔]

قسم چہارم: دینی و دنیاوی کے مرکب

یہ مدارس دینی اور دنیاوی، عربی اور انگریزی تعلیم کے مرکب ہیں۔ مولوی فاضل اور مولوی عالم کے کالج اسی قسم ثالث کے افراد ہیں۔ اس قسم کے مدارس کے بانیوں کا مقصد یہ تھا کہ دینی تعلیم کے ساتھ دنیوی تعلیم بھی جمع کر دی جائے۔ چنانچہ لکھنؤ میں ندوۃ العلماء اسی مقصد کے لیے قائم کیا گیا۔ نصاب تعلیم میں علوم عربیہ اور دینیہ کی کتابیں زائد اور انگریزی فنون کی کتابیں کم رکھی گئیں تا کہ دین غالب رہے اور دنیا دین کی خادم اور تابع بن کر رہے۔ مگر اس قسم کے مدارس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ دین ہی حاصل ہوا اور نہ دنیا ہی ملی۔ اور سب محنت اور خون پسینے کی کمائی ضائع ہو گئی۔ ان مدارس سے کوئی دین کا عالم مستند نکلا اور نہ کوئی انگریزی علوم و فنون کا قابل اور ماہر نکلا۔ اکثر و بیشتر کا یہ حال ہے کہ عربی کی عبارت بلکہ بسا اوقات اپنی سند بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ اب آپ انصاف فرمائیے کہ یہ حضرات مسلمانوں کے بچوں کو علوم دینیہ کی کیسے تعلیم دے سکتے ہیں۔

اسی قسم کا ایک مدرسہ جامعہ ملیہ دہلی اور مدرسہ الہیات کانپور ہے۔ جامعہ ملیہ کے تجویز کنندہ ڈاکٹر ذاکر حسین کا حال سب کے سامنے ہے۔ اور جامعہ ملیہ کا بانی بھارت حکومت کا نائب صدر ہے اور داروھا اسکیم کا مصنف۔ دو تین سال ہوئے کہ بہاولپور میں جامعہ اسلامیہ اسی نظریۂ امتزاج کے تحت قائم کیا گیا ہے اور مثال میں جامعہ ازہر مصر کو پیش کیا جاتا ہے۔

اس نظریۂ امتزاج کی جو بہترین مثال پیش کی جاتی ہے وہ جامعہ ازہر کی مثال ہے۔ جامعہ ازہر ایک قدیم دینی درس گاہ ہے۔ جو اب سے صدہا سال پیشتر خالص علوم دینیہ کے لیے قائم ہوئی۔ جس سے صدہا اور ہزارہا عالم دین پیدا ہوئے۔ اس وقت انگریز اور اس کے فنون جدیدہ کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ اس میں اب سے تیس پینتیس سال پہلے تک خالص دینی تعلیم ہوتی تھی۔

اب کچھ عرصہ سے اس میں علومِ جدیدہ کی تعلیم کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اب جامعہ ازہر وہ دینی جامعہ ازہر نہیں رہا جو اب سے تیس سال قبل تھا[مولانا کاندھلوی نے یہ رسالہ بھی تیس چالیس سال قبل تحریر فرمایا تھا]۔ اب اس کا رنگ ہی دوسرا ہو چکا ہے۔ اس قدیم دینی درس گاہ سے دین کا رنگ رخصت ہو گیا ہے اور اس کے فضلا کی وضع قطع اور معاشرت سب مغربی ہو گئی ہے۔ یہ سب نظریۂ امتزاج کا کرشمہ ہے۔ جب اور جہاں یہ امتزاج اپنا قدم رکھتا ہے دین وہاں سے رخصت ہو جاتا ہے، اور اگر برائے نام کچھ دین رہتا ہے تو غلبہ مغربیت اور نصرانیت ہی کا ہوتا ہے، اور اس کلیہ کے احاطے میں دین فقیرانہ زندگی گزارتا ہے۔ چنانچہ چند سال پیشتر کلوکیم ہوا، اس میں مصر اور شام کے فضلا آئے وہ سب مغربی رنگ میں تھے۔ نظریۂ امتزاج سے دین اور دین کا رنگ اگر کچھ باقی رہتا ہے تو وہ ایسا ہی باقی رہتا ہے جیسا کہ اس وقت جامعہ ازہر میں نظر آتا ہے۔ غرض یہ کہ اس نصف صدی میں جس قدر مدارس بھی اس نظریۂ امتزاج کے ماتحت قائم ہوئے تجربہ سے وہ سب بے کار ثابت ہوئے ان سے فارغ التحصیل نہ عالمِ دین بن سکا نہ انگریزی کا گریجویٹ ہو سکا۔

عربی انگریزی مخلوط تعلیم کے مفاسد

عربی تعلیم کو انگریزی تعلیم کے ساتھ مشروط اور مخلوط نہ کیا جائے۔ عربی علیحدہ پڑھی جائے اور انگریزی علیحدہ۔ عربی [یعنی کہ دین] اور انگریزی [یعنی کہ مغرب] کی مخلوط تعلیم سے دین کا رنگ باقی نہیں رہتا۔ الذین أنعمت علیھم کا صراط ،مغضوب علیھم اور ضالین کے راستہ سے بالکل مغایر اور مباین ہے۔ جو لوگ نظریے کے امتزاج کے قائل ہیں وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ ضدین کا امتزاج عقلاً محال ہے۔

عربی مدارس میں طلبہ کے ساتھ جو رعایتیں ہوتی ہیں وہ انگریزی مدارس میں نہیں ہوتیں۔ مثلاً امدادی وظائف اور قیام وطعام کا تکفل، بلا کسی معاوضہ کے، اور تعلیم کے لیے کتابوں کا مدرسہ سے مفت یا مستعار دیا جانا وغیر ذلک۔ اس لیے جو انگریزی تعلیم کے مصارف برداشت نہیں کر سکتے وہ عربی کا بہانہ بنا کر مدرسے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ تاکہ مدرسہ عربیہ کی سہولتوں سے متمتع ہو کر انگریزی کی تیاری کریں۔ عربی کتابوں کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ اسباق میں حاضری برائے نام ہوتی ہے۔ مطالعہ اور تکرار کا تو نام بھی نہیں رہتا۔ انگریزی تمدن ان پر غالب آ جاتا ہے۔ اسلامی تمدن ان کی نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے۔ صلحا اور اتقیا سے علیحدہ اور بے گانہ رہنے اور اہلِ دنیا اور امرا کی صحبت کو پسند کرتے ہیں۔ داڑھی منڈوانا اور کترانا اور سر پر انگریزی بال رکھنا ایک معمولی بات ہے۔ ان کے اختلاط سے شوقین طلبہ بھی بدشوق بن جاتے ہیں۔ استاذ کی وقعت ان کی نظر میں نہیں رہتی۔ مدرّس کو اپنا خادم اور ملازم سمجھتے ہیں۔ داخلہ تو کسی درجہ میں ہے اور تیاری کسی دوسرے درجہ کے امتحان کی ہے۔ نام تو ایک درجے کا اور کام دوسرے درجے کا۔ پھر واسطہ در واسطہ۔ سفارشوں سے کامیابی کی سند حاصل کرتے ہیں۔ جب مدرسہ سے سند فراغت لے کر نکلتے ہیں تو عربی کی کوئی قابلیت اور استعداد ان میں نہیں ہوتی۔ اس لیے زمانۂ تعلیم میں ان کی تمام تر توجہ انگریزی پر رہی اور عربی کی طرف برائے نام اور اسی وجہ سے:

1. سر سے پیر تک انگریزی رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔
2. مدرّس کے بجائے پروفیسر اور واعظ کے بجائے لیکچرار کا لقب ان کو محبوب اور مرغوب ہوتا ہے۔
3. مولوی فاضل کی جماعتوں کی وجہ سے تعلیم میں ایک نقصان یہ پیش آتا ہے کہ طلبہ کتابوں پر جلد از جلد عبور حاصل کرنے کے لیے مدرسین سے اصرار کرتے ہیں کہ امتحان سے تین چار ماہ قبل ان کو تعلیم سے فارغ کر دیا جائے۔ طلبہ نے مدرسے سے تو تعلیم کی چھٹی لے لی اور جو وقت فارغ ملا وہ کھیل اور تماشوں میں خرچ کیا۔ علم اور نماز سے آزاد ہو گئے۔
4. چونکہ ان طالب علموں میں عربی اور دینی تعلیم کی قابلیت نہیں ہوتی اس لیے بجائے اسلامی مدارس کے سرکاری دفاتر کی خدمت کو اپنے لیے باعث عزت و فخر سمجھتے ہیں۔

[یہ اثرات تو تب تھے جب ایسے مدارس کے بانیان نے اسلامی مضامین زیادہ رکھے تھے۔ آج کل ہمارے ہاں جو اسلامی اسکول کھلے ہیں ان کا حال کم و بیش یہی ہے۔ جبکہ سرکاری و جدید نجی اسکولوں میں تو پہلے ہی اسلامی مضامین نہ ہونے کے برابر ہیں اور نہ ہی ان کی قدر و قیمت ہے۔ تو ایسے اسکولوں کے طالب علموں کا کیا حال ہو گا! اگر اسلامی اسکولوں کا اسی انداز میں واقعاتی تجزیہ کریں جیسا کہ مولانا نے کیا ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ امتزاج کی جتنی بھی کاوشیں ہوئی ہیں ناکام ہی رہی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ کہیں اسلامی مضامین غالب ہیں اور کہیں دنیاوی۔ حالانکہ کہیں بھی اسلامی مضامین اتنے غالب نہ ہوں گے جتنے ندوۃ العلماء میں تھے۔]

خلاصہ یہ کہ دو مختلف نوع کی تعلیم کو یکجا کرنا دونوں کو بے سود اور بے کار بنانا ہے۔ انگریزی میں جب کمال حاصل کرنا ہوتا ہے تو لندن اور پیرس جاتے ہیں تاکہ انگریزی کے سوا کوئی دوسرا ماحول ہی نہ ہو۔ اسی طرح اگر علما یہ خواہش کریں کہ عربی کی تعلیم کو غیر عربی کے ساتھ مخلوط نہ کیا جائے تو کیا بے جا ہے؟ بعض لوگوں کو بلحاظ ضرورتِ زمانہ یہ خیال آتا ہے کہ اگر عربی تعلیم کے ساتھ انگریزی تعلیم بھی شامل کر لی جائے تو قدیم اور جدید کے امتزاج سے مؤثر نتائج پیدا ہوں گے۔ [حالانکہ امتزاج کی ناکامی کے لیے مندرجہ ذیل ثبوت کافی ہیں]:

1. ایک وقت میں علوم دینیہ اور علوم دنیویہ کی تحصیل کی فکر میں پڑنا۔ طلب الکل فوت الکل کا مصداق ہے نہ دین نہ دنیا۔ کچھ بھی نہ ہو گا۔
2. دونوں قسم کی تعلیم کے ملانے سے وقت تعلیم بڑھے گا اور مدت تعلیم زیادہ ہو جائے گی۔ دوچند اور دگنا وقت نہ ہو تو اس کے قریب تو ضرور ہو جائے گا۔ جو طلبہ پر اور ان کے والدین پر موجب گرانی ہے۔ [آج کل کے دور میں اس قسم کے اسلامی اسکولوں میں یہی دیکھا گیا ہے]۔

(باقی صفحہ نمبر 100 پر)

نظامِ طاغوت سے برأت

حضرت مولانا صدر الدین اصلاحی رحمہ اللہ

واقعے کی صحیح تصویر دلائل کی روشنی میں

لیکن میں نہیں چاہتا کہ آپ صرف اصولوں کی بنیاد پر ہی واقعے کی یہ تصویر مانیں، اس لیے مزید اطمینان قلب کے لیے یہ بھی سن لیجیے کہ قرآن کے واضح اشارات اور تورات کی بعض تصریحات اور اس کے بعض کنایات سے واقعے کی روح یہی بنتی ہے، جیسا کہ بنا چاہیے۔ کیونکہ کتابِ الٰہی کی ممتاز ترین صفت ہی یہی ہے کہ اس کے مطالب میں شمہ برابر بھی اختلاف و تضاد نہیں، یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی مسئلے کی بابت وہ کچھ نہ کہے، دور و نزدیک کا کوئی اشارہ بھی نہ کرے، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کوئی بات کہے یا ضمناً کوئی اشارہ بھی کرے اور وہ اس کے دوسرے نصوص و مضامین میں سے ہم آہنگ نہ ہو۔ پس جب اس نے نبوت کا خاص معیار قائم کیا تو ممکن نہ تھا کہ کسی نبی کے احوال میں وہ بات کہی جائے جو اس معیار پر پوری نہ اترتی ہو۔ حضرت یوسفؑ بھی ایک نبی تھے، اس لیے ان کے بارے میں بھی اس اصول سے صرفِ نظر ممکن نہ تھا۔ چنانچہ ان کے حالات میں جن امور کے ہونے کو ہم نے تقاضائے اصول بتایا وہ قرآن اور تورات دونوں کے الفاظ اور بین السطور سے بالوضاحت مترشح ہوتے ہیں۔ جن کی مختصر تفصیل یہ ہے:

(۱) حضرت یوسفؑ نے اقتدار حکومت کے لیے درخواست نہیں دی تھی بلکہ مطالبہ کیا تھا، اس کا ثبوت قرآن کے ان لفظوں سے ملتا ہے:

> وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مِكِينٌ أَمِينٌ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَآئِنِ الأَرْضِ ......الخ (سورۃ یوسف:۵۵)
>
> ”اور بادشاہ نے کہا: ’اسے میرے پاس لاؤ اس کو میں اپنا مقرب خاص بناؤں گا‘ پس جب (وہ آیا اور) اس نے اس سے گفتگو کی تو کہا آج سے تم میرے حضور صاحب مرتبت اور میرے معتمد ہو۔ تب یوسفؑ نے کہا کہ مجھے ’خزائن ارض‘ پر مقرر فرما دیجیے۔“

صاف بات ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اِجْعَلْنِي عَلَى خَزَآئِنِ الأَرْضِ اس وقت فرمایا جب شاہِ مصر آپ کو اپنا مقرب خاص، اپنا معتمد اور اپنی نگاہوں میں ذی وجاہت ٹھہرانے کا آپ کے روبرو اعلان کر چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ ”مکین امین“ ٹھہرانے کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ انہیں اس نے اپنے دربار کا ایک ”رتن“ بنا کر رکھنا چاہا تھا، بلکہ اس کا صریح مدعا یہ ہے کہ اس نے کاروبارِ حکومت کے ضمن میں ان کو اپنا معتمد مقرر کرنے کی پیشکش کی تھی۔ اب جو اس کے جواب میں حضرت موصوف نے اِجْعَلْنِي عَلَى خَزَآئِنِ الأَرْضِ کہا تو اس کی نوعیت درخواست کی کیوں کر ہو سکتی ہے؟ یہ تو ایک کھلا ہوا مطالبہ تھا، جو حضرت کی فراستِ ایمانی کا ایک غیر معمولی ثبوت ہے۔ ورنہ اگر بیسویں صدی کا کوئی خان بہادر ہوتا تو کُلبۂ زنداں سے آتے ہی تختِ اقتدار کی اس غیر معمولی پیش کش کو سن کر فرعون کے روبرو فرش ہو جاتا، اور اگر کوئی کامریڈ ہوتا تو وہ بھی اس کے سامنے ادب و تشکر کا سراپائے خاموش ضرور ہی بن جاتا، اور پھر انتظار میں ہوتا کہ دیکھیں اس ”مکین امین“ ہونے کی عملی تعبیر کیا ہوتی ہے۔ مگر حضرت کی فراستِ ایمانی نے، جس پر پیچھے سے نورِ نبوت بھی پڑ رہا تھا، معاً موقع کی نزاکت محسوس کر لی، اور اظہار شکر و امتنان کا تصور کیے بغیر اس کے سامنے آپ نے یہ مطالبہ رکھ دیا کہ مجھے سارے ”خزائن ارض“ پر متصرف کر دیجیے، تب تو میں اس تمکن کو قبول کرتا ہوں، ورنہ آپ کے اقتدار کا رتھ کھینچنے کے لیے ہر گز تیار نہیں ہوں، کہ بندۂ حق اس لیے دنیا میں آتا ہی نہیں۔

(۲) مطالبہ بھی جزوِ اقتدار سرانجام دینے کے لیے ضروری ہے۔ مَلِک اور فرعون ہونے کا لفظی خطاب، چند موتیوں کا کھلونا جسے تاج کہتے ہیں، اور سرخ و سیاہ آبنوس کے چند تختے جسے تخت کہا جاتا ہے، یہ چیزیں خواہ عرف عام میں کتنی ہی اہمیت اور عظمت کیوں نہ رکھتی ہوں، مگر عملاً نظام حکومت میں یہ کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ پس یہ چیزیں تو فرعون مصر کی اپنے پاس رہنے دیں اور باقی کے بارے میں آپ کا مطالبہ ہوا کہ سب میرے حوالے کر دی جائیں۔ قرآن میں اس کلی اقتدار کی طرف کھلے اشارے اور تورات کی واضح تصریحات موجود ہیں۔

بقولِ قرآن:...... آپ[1] نے سارے خزائن ارض کا مطالبہ کیا تھا، جس کا مطلب سارے ہی ذرائع حکومت ہے، خزائن لفظ اصطلاحِ قرآنی میں غلے کے انبار اور سیم و زر کے ڈھیر کے معنٰی میں نہیں آتا، جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے قرآنی اصطلاح ”کنز“ ”مال“ اور ”ثمرات“ وغیرہ کی ہے۔

آپ کے ہاتھ میں وزارتِ داخلہ (ہوم منسٹری) بھی تھی۔ آپ کے بھائی بنیامین کو قدرت نے ایک خاص حکمت سے آپ کے پاس رکھوا دیا، اس کی بابت قرآن فرماتا ہے کہ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ (یوسف کے لیے یہ صحیح نہ تھا کہ وہ اپنے بھائی کو شاہی قانون کے تحت پکڑ تا (معلوم ہوا کہ پولیس کے اختیارات بھی آپ ہی کے ہاتھ میں تھے۔ بلکہ یوں کہیے کہ صاحبِ قضا (جج) بھی خود آپ ہی تھے، اور حکومت کی عدلیہ نام تھا آپ ہی کی ذات مبارک کا۔

---

[1] خزائن کی قرآنی اصطلاح کا مطلب علمائے ادب و قرآن نے بیان کیا ہے: خزائن اللہ ای مقدوراتہ الخ یعنی خزائن اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرتِ خاص کی تمام چیزیں اور باتیں ہیں۔ (مفردات امام راغب)

اگر صرف وزیرِ غذا یا وزیرِ مال ہوتے تو مقدمہ آپ کے حضور پیش نہ ہوتا، نہ آپ کے بھائی آپ سے بنیامین کی رہائی کی التجا کرتے۔

عملاً تختِ سلطنت پر جلوہ افروز بھی آپ ہی ہوتے تھے۔ چنانچہ جب آپ کے والدین سرزمین کنعان سے مصر پہنچے تو:

وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ (سورۃ یوسف:۱۰۰)

"اور آپ نے اپنے والدین کو اٹھا کر تخت پر بٹھالیا۔"

اور ان کے سامنے اپنے اقتدار کا حال شکر و سپاس کے ساتھ یوں بیان فرمایا:

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ (سورۃ یوسف:۱۰۱)

"پروردگار! تُو نے مجھے حکومت بخشی ہے۔"

یاد رہے کہ جس وقت آپ یہ سب کچھ کہہ رہے تھے، فرعونِ مصر بقیدِ حیات تھا۔ (پیدائش، باب ۴۷) کیا یہ کارنامے اور اقوال کسی وزیرِ غذا اور افسرِ مال کے ہوسکتے ہیں، یا ایک حاکمِ مطلق ہی سے ممکن ہیں؟

بقولِ تورات: فرعون حضرت یوسفؑ سے پہلی ملاقات اور گفتگو کے بعد ہی آپ کی فراست کا گرویدہ ہوجاتا ہے اور اسی آن اپنے خدام کو خطاب کرکے کہتا ہے:

"کیا ہم کو ایسا آدمی جیسا یہ ہے، جس میں خدا کی روح ہے، مل سکتا ہے؟ اور فرعون نے یوسف سے کہا 'چونکہ خدا نے تجھے یہ سب کچھ سمجھا دیا ہے اس لیے تیری مانند دانش مند اور عقل مند کوئی نہیں۔ سو تو میرے گھر کا مختار ہوگا اور میری ساری رعایا تیرے حکم پر چلے گی۔ فقط تخت کا مالک ہونے کے سبب سے میں بزرگ تر ہوں گا۔' اور فرعون نے یوسف سے کہا 'دیکھ میں تجھے سارے ملکِ مصر کا حاکم بناتا ہوں، اور فرعون نے اپنی انگشتری اپنے ہاتھ سے نکال کر یوسف کے ہاتھ میں پہنادی، اور اسے باریک کتان کے لباس میں آراستہ کروا کر سونے کا طوق اس کے گلے میں پہنایا اور اس نے اسے اپنے دوسرے رتھ میں سوار کرا کر اس کے آگے آگے یہ منادی کرادی کہ گھٹنے ٹیکو اور اس نے اسے سارے ملکِ مصر کا حاکم بنادیا۔ اور فرعون نے یوسف سے کہا میں فرعون ہوں اور تیرے حکم کے بغیر کوئی آدمی اس سارے ملکِ مصر میں اپنا ہاتھ پاؤں ہلانے نہ پائے گا۔'

اور فرعون نے یوسف کا نام "جہاں پناہ" رکھا (کتاب پیدائش:۳۸۔۳۵)

ان روز روشن سے زیادہ تصریحات کو پڑھیے اور ان لوگوں کے حسنِ فکر کی داد دیجیے جو حضرت یوسفؑ کو فرعون کا بس ایک افسرِ مال گمان کرتے ہیں، اور انہیں جیسے یہ کچھ ناگوار سا ہے کہ حضرتِ ممدوح کو کلّی اختیارات کا مالک سمجھیں۔

(۳) گمانِ غالب یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ اس وقت منصبِ نبوت پر سرفراز بھی نہیں ہوئے تھے جب شاہِ مصر نے انہیں یہ اختیارات سونپے۔ قرائن حسبِ ذیل ہیں:

(الف) تورات کا بیان ہے کہ اس وقت حضرتِ موصوف کی عمر صرف تیس سال تھی (پیدائش:۴۶) قرآن نے اگرچہ ان کی عمر کی کوئی صراحت نہیں کی ہے، مگر اس کے اشارات تورات کے بیان کی تائید ہی میں ہیں۔ قرآنی بیان یہ ہے کہ جب وہ مصر میں بکے ہیں تو ابھی ان کا دورِ شباب شروع بھی نہیں ہوا تھا، بلکہ یہ دور اس وقت شروع ہوا جب آپ عزیزِ مصر کے یہاں چند سال گزار چکے (وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ) پھر جلد ہی جیل جانا ہوتا ہے، اور کچھ سال قید و بند کی زندگی گزارنے کے بعد رہا ہوتے ہیں۔ اندازہ کیجیے تو قرآن سے بھی یہی کوئی تیس بتیس برس کی عمر معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس باب میں تورات کے بیان کو صحیح نہ سمجھیں۔ اب غور کیجیے کہ یہ پختگی فہم و عقل کی عمر ہے یا نہیں؟ اور عموماً نبوت کے لیے سنت الٰہی کس سن و سال کا انتخاب کرتی رہی ہے؟ جہاں تک اندازہ کام کرتا ہے چالیس ہی سال کی عمر میں بالعموم حضراتِ انبیا کو بارِ رسالت اٹھانے پر مامور کیا گیا ہے۔ اس لیے اگر یہ قیاس کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ حضرت یوسفؑ حکومت سنبھالتے وقت نبی نہ تھے، اور اب تک آپ نے دعوتِ توحید کا جو کام کیا تھا وہ بحیثیت امتِ یعقوبی کے ایک فرد کے تھا۔ اور یہ رازِ حق آپ والد بزرگوار کی آغوشِ تربیت سے سیکھ کر آئے تھے اور ارتقائے فہم و شعور کے ساتھ اور بھی پختہ ہوگیا تھا۔

(ب) نظامِ سلطنت سنبھالنے کے کوئی آٹھ نو سال بعد آپ کے بھائی غلہ لینے آپ کے پاس آئے تو ایک موقع پر آپ کو اس طرح خطاب کرتے ہیں:

أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا...... الخ (سورۃ یوسف:۷۸)

"اے عزیز! اس بچے کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے۔" الخ

نبوت کا شرف و امتیاز ایسا نہیں ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی شخص کو کسی اور خطاب سے مخاطب کیا جائے۔ اگر اس وقت حضرت یوسفؑ نبی ہوتے تو ان کے بھائی انہیں عزیز کہنے کے بجائے یقیناً اللہ کا رسول ہی کہہ کر مخاطب کرتے۔ نہ صرف اس لحاظ سے کہ نبی کا خطاب عزیز کے مقابلے میں کہیں محترم و مکرم ہے، بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ موقع اسی کا متقاضی تھا۔ وہ اپنے بھائی بنیامین کو چھوڑ دینے کے لیے رحم کی التجا کررہے تھے، اور اس راز سے ناواقف نہ تھے کہ "نبی" یوسف کے ہوتے ہوئے "عزیز" یوسف سے رحم کی درخواست کرنا حماقت ہے۔ "عزیز" تو نام ہے پیکرِ جاہ و اقتدار کا، جو پسیجنا شاذ و نادر ہی جانتا ہے، جبکہ نبوت رحم و شفقت کا مجسمہ ہوتی ہے، اور نہیں جانتی کہ سائل کو ٹھکرایا کس طرح جاتا ہے۔

(۴) فرعونِ مصر حضرت یوسفؑ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوچکا تھا۔ قرائن و دلائل یہ ہیں:

(الف) تورات کی عبارت ہم ابھی نقل کر آئے ہیں اس کے ان لفظوں پر دوبارہ نظر ڈالیے "کیا ہم کو ایسا آدمی جیسا یہ ہے، جس میں خدا کی روح ہے۔ الخ"

"فرعون نے یوسف سے کہا چونکہ خدا نے تجھے یہ سب کچھ سمجھا دیا ہے۔"

کیا یہ الفاظ کسی کافر، کسی مشرک، کسی باغیٔ خدا کے ہوسکتے ہیں؟ فرعون "خدا کی روح" اور "خدا کے سمجھا دینے" کے الفاظ اس طرح بول رہا ہے گویا توحید کا کوئی بڑا رمز شناس ہے۔

(ب)عقلاً یہ بات ایک عجوبے سے کم نہیں کہ فرعون کفر و شرک کا دلدادہ ہوتے ہوئے بھی ایک ایسے شخص کو اپنا مختار کل بنادے جو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھی کفر و شرک کے خلاف تیغ بے نیام تھا، اور باہر نکلنے کے بعد نہ جانے کیا کچھ ہو گیا ہو گا۔ پورا فلسفۂ تاریخ اس امر کی توجیہ نہیں ہو سکتا کہ باہم فطری مخالفت رکھنے والے دو حقائق یوں ہم آہنگ ہو گئے ہوں گے۔ یہ تو قطعی بات ہے کہ حضرتِ یوسفؑ نے فرعون کے سامنے دعوتِ توحید پیش کی ہو گی، بلکہ یہ بھی اغلب سے بھی کچھ زائد ہے کہ فرعون نے "خدائی روح رکھنے والے" اس پاک انسان کی بات مان لی ہو گی۔ ورنہ ایک کافر، ایک مشرک، ایک "فرعون" (اپنے معروف معنوں میں) کافر، مشرک اور "فرعون" رہتے ہوئے بھی ایک خاموش مومن اور ایک موحد ہی نہیں، ایمان و توحید کے پرجوش داعی سے اتنا خوش اور راضی کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنا سب کچھ اس کے حوالے کر دے؟ یقیناً اگر ہو سکتا ہے تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب کفر و ایمان دونوں ہی کچھ کچھ اپنی جگہیں چھوڑ دیں، اور اگر ان میں سے ایک بھی اپنی خودی پر قائم رہا تو یہ اتحاد و اختلاف ممکن نہیں۔ بیسویں صدی کے کفر و ایمان تو اتنے "فراخ دل اور روادار" ضرور ہیں، مگر بیسویں صدی قبل مسیح میں اس رواداری کا پتہ لگانا بسا دشوار ہے۔ خیر کفر کی حد تک دشوار نہ سہی مگر ایمان (اور ایمان بھی ایمان یوسفی) کے بارے میں یہ سوئے ظن دل کو کس طرح گوارا ہو؟ چنانچہ علمائے اسلام میں ایسے لوگ موجود ہیں جو فرعون کے بارے میں یہی رائے رکھتے ہیں۔ مشہور مفسر مجاہد فرماتے ہیں کہ شاہِ مصر مسلمان ہو گیا تھا (ابن جریر، کشاف)۔

ان حقائق اور امکاناتِ قریبہ کا جائزہ لیجیے اور پھر دیکھیے کہ حضرتِ یوسفؑ کی تاریخ کا صحیح مرقع کیا ہو سکتا ہے، کیا ان قرائن اور حقائق کی موجودگی میں واقعۂ زیر بحث کی ایسی صورت گری پر اصرار کرنا کوئی مناسب بات ہو گی جو اپنے دامن میں ایک جلیل القدر پیغمبر کی ذات سے متعلق بڑی پستیاں بھی رکھتی ہے، اور اس کے لیے کوئی دلیل اور قرینہ بھی موجود نہیں؟ سوائے اس کے کہ ہم نے خزائن کا ترجمہ مال و دولت پڑھ رکھا ہے، فرعون کے معنٰی ازلی و ابدی کافر کے جانتے ہیں، جو کبھی مسلمان ہو ہی نہیں سکتا، اور حضرت یوسفؑ کو قرآن نے پیغمبر کہا ہے، اس لیے ان کے نام سے جو بات بھی کہی جائے گی وہ لازماً ان کے پیغمبر ہونے کے بعد ہی کی ہو گی، یہ دوسری بات ہے کہ اس سے ہماری اپنی مطلب براری ہوئی جاتی ہے، لیکن شاید اس میں دورائیں نہیں ہو سکتیں کہ گروہِ پاک کی حرمت کو دانستہ یا نادانستہ یوں استعمال کرنا منافیِ ایمان ہو۔

تمّـــت بالخـــیر

بقیہ: مقالہ نظامِ تعلیم

3. اس لیے علمانے یہ خیال کیا کہ جسے دار آخرت کی فکر ہو وہ تھوڑی مدت میں بقدر ضرورت علم آخرت حاصل کر لے اور مسلمان کا اصل مقصود تو آخرت ہی ہے اور کافر سے ہمیں بحث نہیں۔ پھر جس کو دنیاوی علم کی ضرورت ہو وہ اس کو حاصل کرے۔ مسلمان کے لیے دار باقی کا علم حاصل کرنا دار فانی کے علم سے مقدم ہے۔ امیر و فقیر سب کو وہیں جانا ہے۔
4. نیز دنیوی علوم بہت ہیں۔ ہر ایک علم کے لیے علیحدہ علیحدہ کالج ہیں۔ انجنیئری اور ڈاکٹری، بحری و بری اور فضائی تربیت گاہیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ دنیا میں کوئی ایسی درس گاہ نہیں جہاں سب علوم کی بیک وقت تعلیم دی جاتی ہے۔
5. پھر ان مفکرین امتزاج کو یہ تو فکر ہے کہ علوم دینیہ کے ساتھ انگریزی تعلیم کو لازم قرار دیا جائے مگر یہ فکر نہیں کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں علوم دینیہ اور اعمال دینیہ کو لازم قرار دیا جائے۔ جس کا مطلب یہ نکلا کہ ان مفکرین امتزاج کے نزدیک خالص دین کا علم تو مسلمان کے لیے ضروری نہ رہا اور نصرانیوں کا علم اور ان کی زبان کا سیکھنا اتنا فرض ہو گیا کہ خالص دین کی تعلیم بھی بغیر انگریزی کے امتزاج کے غیر مؤثر اور غیر مفید نظر آنے لگے۔ یہ نظریۂ امتزاج انگریزی علم کے ساتھ عشق کی آخری منزل ہے۔ خوب سمجھ لو یہ نظریۂ امتزاج مغربیت سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔
6. مدارس دینیہ کی تاسیس سے دو غرض ہیں۔ ایک تو علوم دینیہ کا احیا اور بقا۔ اور دوسری غرض صبغۃ اللہ ہے یعنی دینی اور اسلامی رنگ کا تحفظ اور بقا۔ اس لیے علمائے کرام نے دینی مدارس کو انگریزی تعلیم سے محفوظ رکھا تاکہ انگریزی تعلیم کی وجہ سے مدارس میں نصرانیت کا کوئی اثر نہ آنے پائے۔ [اور آج کل بات نصرانیت سے آگے لادینیت کی طرف نکل چکی ہے]۔
7. جب علوم جدیدہ کا علوم قدیمہ کے ساتھ امتزاج ہو گا تو جس قدر اور جس درجے کا امتزاج ہو گا اسی قدر اور اسی درجہ وہاں سے دین رخصت ہو تا جائے گا۔
8. گزشتہ نصف صدی میں نظریۂ امتزاج کے تمام تجربے ناکام ثابت ہو چکے ہیں۔ پچاس سال کی مدت میں ان درس گاہوں سے ایک بھی عالم دین پیدا نہیں ہوا جس سے مسلمانوں کو کوئی دین کا فائدہ پہنچتا ہو۔
9. جس طرح لڑکوں اور لڑکیوں کا مخلوط کالج موجب فتنہ ہے، اسی طرح علوم دینیہ اور علوم دنیویہ کی مخلوط درس گاہ دین کے لیے موجب فتنہ ہے۔
10. علوم دینیہ کا نصاب تعلیم علیحدہ ہے اور علوم عصریہ اور انگریزی علوم کا نصاب تعلیم علیحدہ ہے۔ ہر ایک کی نوعیت علیحدہ ہے۔ اور دو مختلف النوع نصابوں کو بیک وقت تعلیم میں جمع کرنا گویا اجتماعِ ضدین کی درس گاہ کھولنا ہے۔
11. دینی اور دنیوی تعلیم کی مخلوط درس گاہ کا وقف کی آمدنی سے قائم کرنا شرائط وقف کے منافی ہے۔ وقف کی آمدنی خالص دینی کاموں پر خرچ ہو سکتی ہے۔ دنیوی تعلیم پر اس کا کلاً یا جزواً خرچ کرنا جائز نہیں۔ واقف کا وقف سے مقصود فقط آخرت ہے، اور یہ غرض جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ جب وہ آمدنی کلیۃً فقط دینی مقاصد پر خرچ کی جائے جس میں دنیوی مقاصد کا امتزاج نہ ہو۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

ہیومن ازم کیا ہے؟

ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان شہید رحمہ اللہ

زیرِ نظر تحریر نابغۂ روزگار مفکر و داعی الی اللہ، مجاہد فی سبیل اللہ ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جنہیں وابستگانِ جہاد 'ڈاکٹر ابو خالد' کے نام سے جانتے ہیں۔ تحقیق و تاریخ، علمیت و ادارت (مینجمنٹ) ڈاکٹر صاحب کا ذوق تھا، جبکہ باعتبارِ فن آپ ایک میڈیکل ڈاکٹر تھے اور اسی فن میں تخصص کے لحاظ سے سرجن۔ مجاہدین اور مسلمان عوام نے آپ کی ان دونوں نمایاں خوبیوں سے خوب فائدہ اٹھایا۔ بلا مبالغہ سیکڑوں جراحی کے آپریشنز آپ نے ایسی جگہوں پر سرانجام دیے جہاں بنیادی طبی سہولیات بھی موجود نہ ہوتی تھیں۔ اپنی ساری زندگی اقامتِ دین اور نفاذِ شریعت کی محنت میں کھپانے کے بعد بالآخر آپ ۲۰۱۴ء کے نصفِ آخر میں پاکستان اور افغانستان کے بارڈر کے علاقے میں امریکی و افغان فوج کے مشترکہ فوجی آپریشن میں اپنے بہنوئی اور دوست و ساتھی میجر عادل عبد القدوس اور اپنے دو قریب از سنِ بلوغ بیٹوں سمیت خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ اس تحریر میں مولانا محمد مثنیٰ حسّان صاحب حفظہ اللہ نے بعض جگہ حاشیے کا اضافہ کیا ہے، جس کے آگے (م ح) کے دستخط درج ہیں۔ (ادارہ)

یورپ کی نشاۃ ثانیہ

یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے دور کا آغاز ۱۴۵۳ء میں ہوا۔ اس دور کا آغاز عثمانی خلیفہ سلطان محمد فاتح کے قسطنطنیہ پر قبضے سے ہوا۔ اس قبضے کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی۔ قسطنطنیہ کی اس فتح کے ساتھ ہی بازنطینی حکومت ختم ہوگئی تھی۔ اس فتح کے اثرات اسلامی دنیا میں جو آئے سو آئے مگر یورپ میں اس فتح کے بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ یونانی فلسفے کے بہت سے ماہرین اور مسلم دنیا میں مختلف مدرسوں میں عصری تعلیم حاصل کرنے والے عیسائیوں کی بہت بڑی تعداد نے اس حملے کے بعد وسطی اور مغربی یورپ کی طرف ہجرت کی۔ یہ ماہرین پہلے اٹلی میں جمع ہوئے اور اس کے بعد رفتہ رفتہ پورے یورپ میں پھیل گئے۔ اس لیے نشاۃ ثانیہ کے اس دور کا آغاز اٹلی سے ہوا۔ دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ ان ماہرین نے عصری تعلیم تو مسلمانوں سے حاصل کی تھی مگر انہوں نے اس کو لادین اندازِ فکر کے ساتھ پیش کرنا شروع کر دیا۔ اس کا ذکر ہم ان شاء اللہ بعد میں کریں گے۔ امتِ مسلمہ کا درد رکھنے والے مسلمانوں اور مجاہدینِ اسلام کے لیے یورپ کی تاریخ کے اس دور کو سمجھنا بہت ضروری ہے، کیونکہ مسلمان دنیا میں لادین طبقے کے خاص دلائل میں سے ایک دلیل یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا دور ہے۔ ہمارے یہاں کا لادین طبقہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ یورپ کی اصل ترقی کا راز نشاۃ ثانیہ کے دور میں لادین نظریات کو قبول کرنا اور سائنس کے علم میں ترقی کرنا تھا، حالانکہ حقیقت اس سے بالکل الٹ ہے۔ مسلمانوں کے زوال کی وجہ اپنے نظامِ تعلیم کو چھوڑ کر مغرب کے اس نظامِ تعلیم کو اپنانا تھا جو مغرب نے نشاۃ ثانیہ کے دور میں مذہب بیزاری کی آمیزش کے ساتھ اپنایا تھا۔

نشاۃ ثانیہ کے اس دور میں جو فکری تبدیلیاں رونما ہوئیں، ان میں ایک یونان کا وہ قدیم فلسفہ ہے جس میں انسانی عقل کو علمِ وحی پر مقدم ثابت کیا گیا تھا۔ انسانی عقل کی بنیاد پر قائم ہونے والے اس نظریے کو آج کے جدید دور میں 'ہیومن ازم' (Humanism) کہا جاتا ہے۔ دوسری فکری تبدیلی جو اس دور میں عام یورپی ذہن نے قبول کی، وہ مذہبی نظامِ تعلیم کی جگہ لادین عصری تعلیم تھی۔ عصری تعلیم کا بیشتر حصہ مسلم دنیا سے آیا تھا، لیکن انھوں نے اسے لادین انداز میں پڑھانا شروع کر دیا، حالانکہ مسلم دنیا میں یہی عصری نصاب دینی مدارس میں علم فن کے طور پر پڑھایا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ دراصل قرونِ وسطیٰ کے اس کلیسا اور بادشاہت کے نظام کے ردِ عمل میں ہو رہا تھا جس سے یورپ کے عوام تنگ تھے۔

سیکولرازم کی تعریف

اردو لغات کے مطابق سیکولرازم کا مطلب 'لادینیت' ہے۔

۱۹۹۵ آکسفورڈ ڈکشنری نے سیکولرازم کی تعریف اس طرح ہے کہ 'اس بات پر ایمان رکھنا کہ قوانین اور نظامِ تعلیم کی بنیاد مذہب کی بجائے حقائق، سائنس، وغیرہ وغیرہ پر ہے'۔

انکارٹا ۲۰۰۹ سیکولرازم کی تعریف کچھ یوں کرتا ہے: 'اس بات پر ایمان رکھنا کہ مذہب اور مذہبی اداروں کا سیاست یا شہری معاملات یا پھر عوامی ادارے خصوصاً سکول چلانے میں کوئی کردار نہ ہو۔ اور پھر مذہب کا انکار یا اس کا فلسفیانہ اور اخلاقی نظام سے اخراج ہو'۔

یورپ میں سیکولرازم (لادینیت)

بظاہر آسان نظر آنے والے اس لفظ نے اپنے اندر انتہائی پیچیدہ فلسفہ سمو رکھا ہے جسے مغربی علمائے ادیان خود ایک مستقل ''دین'' کا درجہ دیتے ہیں۔ **گویا یہ دینِ لادینیت ہے۔** یہ پیچیدگی ہی اس کی خامیوں میں سے ایک بڑی خامی ہے۔ اس پیچیدگی کی وجہ اول تو یہ ہے کہ یہ انسان کی اس ناقص عقل کا شاہکار ہے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ خدا سے بڑھ کر علم و فہم کی مالک ہے یعنی نعوذ باللہ خود خدا ہے۔ اس لحاظ سے آپ الہامی دین کے بجائے اسے ''انسانی'' دین کہہ سکتے ہیں۔ دوم یہ کہ یہ صرف ایک ناقص عقل ہی نہیں بلکہ مختلف زمانوں کی مختلف عقولِ ناقصہ کا مجموعہ ہے۔ سوم یہ کہ اس دین کے 'فلسفی پیشوا' محض ناقص العقل ہی نہ تھے بلکہ اخلاق سے بھی عاری تھے جس کا اعتراف وہ خود کرتے آرہے ہیں اور جس پر تاریخ گواہ ہے۔ چہارم یہ کہ یہ ایک زمانے میں نہیں تشکیل پایا بلکہ پانچ سو سال قبل از مسیح کے رومی و یونانی مشرک معاشرے کی کوکھ سے نکل کر دو ہزار سال بعد از مسیح تک کے طویل عرصے میں بہت سی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے موجودہ شکل میں ڈھلا ہے اور اب بھی مسلسل ارتقا کے مراحل سے گزرتا چلا جارہا ہے۔ اس اعتبار سے یہ ''مستقل ارتقاپذیر'' دین ہے۔ پنجم یہ کہ اس

کے ارتقا کا سب سے بڑا سبب عیسائی مذہب اور معاشرے کے خلاف ردِ عمل تھا۔ اس لحاظ سے آپ اسے ردِ عمل کا دین بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس حقیقت کی کھوج لگانے کے لیے لمبی تاریخیں، مختلف تہذیبیں، قدیم ادیان، مشکل فلسفے اور لاتعداد شخصیات کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ یہاں ہم انہی پیچیدگیوں کو دور کرتے ہوئے سیکولرازم کو آسان انداز میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس کوشش میں کامیابی عطا فرمائے، آمین۔

'سیکولرازم' ایک سوچ اور اندازِ فکر کا نام ہے جو ایسے مضامین سے بحث کرتا ہے جن میں راہنمائی اس سے قبل انسانوں کو صرف اور صرف انبیا علیہم السلام کی تعلیمات سے ہی ملتی تھی۔ مثال کے طور پر انسان کون ہے؟ انسان کیوں پیدا کیا گیا؟ انسان کیسے پیدا ہوا؟ کیا دنیا میں انسان کے پاس اپنی مرضی سے کام کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اور اگر اختیار ہے تو کتنا؟ اس کائنات کو کس لیے پیدا کیا گیا؟ اس کائنات کا خالق کون ہے؟ اس کائنات کے مالک کی مرضی کیا ہے؟ انسان مرتا کیوں ہے؟ مرنے کے بعد انسان کہاں جاتا ہے؟ کیا انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو گا یا ختم ہو جائے گا؟ ان سوالات کے جوابات صرف انبیا علیہم السلام وحی کی بنیاد پر دیتے تھے۔ یہ وحی خود خالقِ کائنات کی جانب سے ان سوالات کا جواب ہوتی تھی۔

لیکن جب ان سوالات کے جواب کی تلاش میں انسان انبیا کی جگہ اپنے ہی جیسے انسان پر انحصار کرنا شروع کر دے تو اس سے لادینیت جنم لیتی ہے۔ یہاں علمِ وحی کی جگہ انسان کی عقل لے لیتی ہے اور ان سوالات کا جواب دینے کے لیے انبیا کی جگہ فلسفی لے لیتے ہیں۔ 'سیکولرازم' کی کئی اقسام ہیں مگر اس میں سے سب سے زیادہ مقبول قسم جس نے اس دور میں یورپ میں اپنی جگہ بنائی، وہ 'ہیومن ازم' (Humanism) یا 'دینِ انسانی'[1] ہے۔ یہی آج کی لادینیت کی بنیاد ہے اور یہی وہ فکر ہے جس نے یورپ کے عوام، خواص اور یونیورسٹیوں میں جنم لیا اور یہی یورپ کی نشاۃ ثانیہ ہے۔ اگر ہم یہودیت اور عیسائیت کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں واضح طور پر یہ نظر آتا ہے کہ ان کی گمراہی کی اصل وجہ انبیا کی بتائی ہوئی باتوں کو چھوڑ کر علمائے سُو کی باتوں پر ایمان لانا تھا۔ علمائے سُو کی باتیں سوائے ان کی اپنی عقل اور انٹکل پچو کے اور کچھ بھی نہ تھیں۔ سیکولرازم بھی انسان کو بعینہٖ اسی بات کی دعوت دیتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں علمائے سو تھے اور یہاں عقل پرست فلسفی ہیں۔ دونوں میں ناقص انسان ہی انسانوں کو اپنا فکری غلام بناتا ہے اور دونوں باتیں ایک ہی راستے پر لے کر جاتی ہیں اور وہ راستہ گمراہی کا راستہ ہے۔

ہیومن ازم (دینِ انسانی)

چار سو سال قبل مسیح سے لے کر آج تک یونانی سیکولرازم مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا رہا ہے۔ مگر جس شکل میں اسے مغرب میں مقبولیت حاصل ہوئی، وہ 'ہیومنزم' کی شکل تھی، یہاں تک کہ سیکولرازم اور ہیومنزم مترادف سمجھے جانے لگے۔ تقریباً تین سو سال قبلِ مسیح میں یونانی فلسفیوں نے مادی دنیا کے بارے میں عقل اور منطق کی بنیاد پر تحقیقات کا آغاز کیا تھا۔ یہ فلسفی 'کوسمولوجسٹ' (Cosmologist) کہلاتے تھے۔ کوسمولوجسٹ فلسفیوں کا دائرہ کار صرف سورج چاند ستاروں کے مطالعہ تک محدود تھا۔ کچھ ہی عرصہ بعد فلسفیوں کا ایک اور گروہ پیدا ہوا جس کا نظریہ تھا کہ جس طرح سورج، چاند اور ستاروں کی گردش کے قوانین معلوم کیے جا سکتے ہیں، اسی طرح انسانی عقل کی بنیاد پر سیاسی اور معاشرتی قوانین وضع کیے جاسکتے ہیں۔ فلسفیوں کے اس گروہ نے معاشرے کے بارے میں اپنی عقل کے سہارے نظریات کا اختراع شروع کر دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہیں 'ہیومنسٹ' (Humanist) کہا جانے لگا۔ اس زمانے میں 'ہیومنسٹ' اس شخص کو کہا جاتا تھا جو انسانی مسائل کو مذہب اور علمِ وحی کے بجائے محض عقلِ انسانی سے حل کرنے کی کوشش کرتا ہو۔ چوتھی صدی عیسوی میں مشہور عیسائی پادری 'سینٹ آگسٹین' نے اس نظریے کو شکست دی اور ایک ہزار سال تک عقلیت کا یہ منہج دبا رہا، یہاں تک کہ قرونِ وسطیٰ میں اس مسئلے نے دوبارہ سر اٹھایا اور نشاۃ ثانیہ کے دوران عقل پرستی دوبارہ پوری قوت سے سامنے آئی۔

آخری ادوار میں ہیومنسٹ اس شخص کو کہا جاتا تھا جو یہ یقین رکھتا ہو کہ اب انسان کو دنیا میں اپنی منزل پانے کے لیے کسی دیوی، دیوتا یا اللہ کی ضرورت نہیں ہے۔ نعوذ باللہ خدا ہو بھی تو اس کی اب ضرورت نہیں بلکہ وہ اپنی عقل کے بھروسے پر اپنی منزل حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ دورِ جدید میں 'ہیومنزم' کے پیشوا جان لاک (John Locke)، ہیوم (David Hume)، نطشے (Nietzsche)، والٹیئر (Voltaire) اور روسو (Rousseau) جیسے فلسفی تھے۔ یہاں ہم اس فکر کے نمایاں خدوخال بیان کرتے ہوئے اس فکر اور شرک کا موازنہ خود قاری پر چھوڑتے ہیں۔

ہیومن ازم کا خلاصہ

ہم یہاں نکات کی صورت میں ہیومن ازم کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں جو اس کے پیشوا فلسفیوں کی تعلیمات سے اخذ کردہ ہیں۔ ہیومن ازم کا خلاصہ ہے کہ:

- انسان جب پیدا ہوا تو وہ ناتجربہ کار تھا اور بیرونی دنیا سے خوف کھاتے ہوئے وہ کسی جائے پناہ کا متلاشی تھا۔ اس حالت میں اس نے اپنے ذہن میں فوق الفطرت ہستی کو تخلیق کیا جس کے تصور سے وہ اپنے آپ کو امن وراحت دلا سکے۔ اس فرضی ہستی کو وہ اپنا خالق سمجھ بیٹھا اور رفتہ رفتہ انسانی گروہوں نے مختلف صورتوں کے خالق بنا کر انہیں پوجنا شروع کر دیا۔ اس طرح مختلف مذاہب وجود میں آئے۔ لیکن قبل از انقلابِ فرانس کے طویل تجربات کے بعد انسان اپنے بارے میں اتنا تجربہ کار ہو گیا

[1] یہاں ہیومن ازم کا اردو ترجمہ دینِ انسانی اور ہیومن کا ترجمہ انسان صرف اس لیے کیا جا رہا ہے کہ اس کے علاوہ اردو میں قارئین کو سمجھانے کے لیے کوئی لفظ دستیاب نہیں۔ ورنہ ہیومن کا لفظی مطلب انسان قطعاً نہیں ہے، بلکہ اس کا خاص مفہوم ہے (جو آپ اگلی سطور میں تفصیل سے پڑھ لیں گے) اور وہ خاص مفہوم عام لفظِ انسان میں ہرگز داخل نہیں۔ یہ وضاحت ذہن میں رکھنا ضروری ہے! (م ح)

ہے کہ اسے راہنمائی کے لیے اب نہ کسی مذہب کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی خدا کی ضرورت ہے۔

- انسان اگرچہ آزاد پیدا ہوا تھا مگر مذہب کی تخلیق کے بعد وہ اسی کا غلام بن کر رہ گیا اور خود ہی اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو مخلوق بنا دیا۔ حالانکہ در حقیقت انسان کا نہ تو کوئی خالق ہے اور نہ ہی وہ مخلوق ہے۔ وہ تو در اصل ایک 'ہیومن' (human) ہے جو اپنے جیسے دیگر ہیومنز کے ساتھ مل کر 'ہیومینٹی' یعنی 'انسانیت' (humanity) کو تشکیل دیتا ہے۔ (یہیں سے اس فکر کو 'ہیومنزم' کہا جانے لگا۔)
- اب چونکہ انسان سے بڑھ کر کوئی ہستی نہیں، لہٰذا وہ کسی کے زیرِ تسلط اور تابع نہیں بلکہ آزاد اور خود اپنے ارادے کا مالک اور خود مختار ہے۔ خود مختاری سے مراد یہ ہے کہ انسان کو ہیومن کے طور پہ اپنی زندگی میں آزادی حاصل ہے۔ وہ نہ کسی دین کا پیروکار ہے اور نہ کسی شاہ کا وفادار ہے۔ آزادی کے اس حق کو استعمال کرنے میں اس پر کسی قسم کی قید نہیں لگائی جا سکتی۔ بلکہ ہر ہیومن کو ...... چاہے وہ مرد ہو یا عورت اور چاہے وہ کسی بھی رنگ، نسل، قوم، ملک اور حتیٰ کے کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو...... اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے برابر اور مساوی مواقع ملنے چاہییں۔
- ہر انسان اب چونکہ آزاد ہے، لہٰذا وہ باہمی معاملات میں نہ تو کسی خارجی قوت کا اور نہ ہی اپنے میں سے کسی ایک کا تابع ہے۔ البتہ اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ باہمی معاہدات میں داخل ہو کر معاشرہ تشکیل دے سکتا ہے۔ اس معاشرتی یا عمرانی معاہدے کے تحت تمام ہیومنز کے مشترکہ ارادوں کی نمائندہ حکومت تشکیل دی جا سکتی ہے جو سب کی آزادی کی ضامن ہو۔ اس طرح ان ہیومنز میں سے ہر ایک صرف حکومت کی صورت میں تشکیل شدہ اجتماعی ادارے کے سامنے جوابدہ ہو گا۔
- انسان کی اب تک لکھی جانے والی تاریخ چونکہ مذہبی اور سیاسی طاقتوں کے زیرِ اثر تھی، اس لیے اب تاریخ کی نئے سرے سے تدوین کرنا ضروری ہے جو انسانیت کی ترقی اور ارتقا کو سامنے رکھ کر واقعات کا تجزیہ کرے۔ ہر قوم کی تہذیب میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس نے ہیومن کی ترقی میں کتنا حصہ ڈالا ہے۔ اس تہذیب کے فنونِ لطیفہ اور انسانی خواہشات کی تکمیل کس درجہ اعلیٰ کی تھی اور اس لحاظ سے اگر فرعونی خاندان نے کمال حاصل کیا ہے تو وہ پوری انسانیت کے ہیومنز کے لیے عظیم ہیرو ہیں، نہ کہ جابر حکمران۔

لادین نظامِ تعلیم

'دینِ انسانی' (سیکولرازم) کو قبول کرنے کے بعد دوسری اہم تبدیلی جو یورپ میں نمودار ہوئی، وہ کلیسا کے روحانی نظام تعلیم کی جگہ لادین مادی نظام تعلیم کا آنا تھا جو لوگوں کو چند پیسے کمانے میں مدد دے سکے۔ اب لوگ اپنے بچوں کو کلیسا کے پاس بھیجنے کی بجائے اس لادین نظام تعلیم میں داخل کرانے لگے۔ اس دور میں فلسفے، سائنس، شاعری، خطابت اور مصوری جیسے مضامین پڑھائے جانے لگے۔

یورپ میں سائنس کی ترقی اور عیسائیت کے ساتھ جنگ

'سائنس'[1] وہ خاص مضمون تھا جو اس دور میں اسلامی دنیا سے ترجمہ ہو کر یورپ میں پہنچا۔ یورپ نے اس مضمون پر خاص توجہ دی اور نشاۃ ثانیہ کے اس دور کی خاص بات سائنس کے میدان میں بے پناہ ترقی تھی۔ مسلمان سائنس دانوں جابر بن حیان، البیرونی، ابن الہیثم، ابنِ سینا وغیرہ کی کتابوں کو یورپی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ ارسطو اور افلاطون کے نظریات کو غلط ثابت کرنے کے لیے نئے نئے نظریات سامنے آنے لگے۔ یہ نظریات پیش کرنے والوں میں گلیلیو (Galileo)، نیوٹن (Newton)، ولیم ہاروے (William Harvey)، کیپلر (Kepler)، ہیوم (Hume) وغیرہ شامل تھے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ جن مسائل پر یہ سائنس دان اپنے نظریات پیش کر رہے تھے، مسلمان سائنس دان ان نظریات کو پہلے ہی پیش کر چکے تھے۔ مسلمان دنیا میں سائنس دانوں نے یہ نظریات بڑے بڑے علما کے سامنے پیش کیے بلکہ بہت سے مسلمان سائنس دان خود بھی عالمِ دین تھے۔ اسلام میں مذہب اور سائنس کی کوئی جنگ اس وقت موجود نہ تھی۔ علمائے حق نے اگر کوئی اعتراض کیا بھی تو ان باتوں پر کیا جو اسلام کے عقائد سے ٹکراتی تھیں اور مسلمان سائنس دانوں نے اعتراضات کے مطابق اپنی غلطی کو درست بھی کر لیا۔ دوسرا یہ کہ مسلمان سائنس دانوں میں سے کسی نے بھی اس علم کو لادین طریقے سے نہیں پیش کیا بلکہ اپنے مشاہدات کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی نشانیاں قرار دیا۔ مگر یہی علم جب یورپ میں پہنچا تو وہاں کے لادین سائنس دانوں نے اسے بالکل لادین طریقے سے پیش کیا، اللہ تعالیٰ کے انکار کی دلیل بنایا اور اسے عیسائی مذہب کو شکست دینے کے لیے ایک آلے کے طور پر استعمال کیا۔ چونکہ عیسائیت کوئی علمی بنیاد پر کھڑا

---

[1] سائنس سے ہم یہاں علومِ طبیعیہ مراد لے رہے ہیں، یعنی اللہ کی تخلیقات پر غور کرنے اور اللہ کی کائنات کے اسرار و رموز سمجھنے کا علم۔ اس علم کو اگر اسی معنی میں لیا جائے تو یہ قطعاً اسلام سے متصادم نہیں۔ مسلمانوں کو اسلام ہی نے سوچنے، کائنات پر غور کرنے پہ ابھارا اور کائنات میں موجود اشیاء کو سمجھ کر انہیں انسانی معاشرے کی بھلائی اور صالح مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرنے کا جذبہ دیا۔ اس لیے مذہب اور سائنس کی جنگ کا ہماری تاریخ میں کوئی تصور نہیں رہا۔ البتہ پندرھویں صدی کے بعد مغرب میں لادین فلسفیوں اور سائنسدانوں نے علمِ سائنس کی تدوین اللہ کے انکار کی بنیاد پر، خالص لادین نظریات کے مطابق کی اور علمِ سائنس کو مذہب کے خلاف ایک آلے کے طور پر استعمال کیا۔ بلاشک وشبہ ایسے علوم و فنون کی... جو کفریہ ملحدانہ فلسفوں یا بے لگام خواہشاتِ انسانی کی تکمیل ہی کو اپنا ہدف بنائیں... علمائے حق نے ہر دور میں مذمت کی اور دلائل کی قوت سے ان زہریلے علوم و نظریات کا توڑ بھی کیا۔ (م ح)

دین نہ تھا اور اس کے پاس ان سائنسی نظریات کو قبول کرنے یا مسترد کرنے کا کوئی علمی ذریعہ نہ تھا، اس لیے اس نے ان نظریات کو ملحدانہ قرار دے کر ان سائنس دانوں کے خلاف ایک محاذ کھول لیا، جسے یورپ کی تاریخ میں مذہب اور سائنس کی جنگ کہتے ہیں۔

یورپ میں عقلیت (عقل پرستی) کا دور

عیسائیت اور سائنس کی جنگ کا منطقی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ یورپ کے مفکر اور اہلِ علم نے ہر غلط اور صحیح کی بنیاد عقلِ انسانی کو قرار دیا، یہاں تک کہ انہوں نے مذہب کو بھی عقل کی بنیاد پر پرکھنا شروع کر دیا۔ 'عقلیت' یا 'عقل پرستی' سے مراد یہ ہے کہ غلط اور صحیح کی بنیاد عقل ہے، دوسرے الفاظ میں یہ کہیے کہ مذہب کی بنیاد اور ماخذ عقل ہے۔ اس نظریے کا پرچار کرنے والے بہت سے سائنس دان اور فلسفی تھے جن میں 'ڈسکارٹس' (Descartes)، 'سپی نوزا' (Spinoza)، 'لیبنز' (Leibniz) اور 'جون لاک' (John Locke) شامل تھے۔ عیسائیت میں عقلیت کا دروازہ دراصل تحریکِ اصلاح نے کھولا تھا۔ تحریکِ اصلاح کے نتیجے میں بائبل کی تشریح کا حق ہر کس و ناکس کو دینے سے شکست خوردہ عیسائیت میں ایسے ملحدین داخل ہو گئے جنہوں نے اپنی عقل کو دلیل بناتے ہوئے تحریف شدہ انجیل (جو بہت سے خلافِ واقع باطل نظریات پر مشتمل تھی) کی ہر بات پر اعتراض کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح دین سے منسوب ہر بات خواہ وہ سچی ہی کیوں نہ ہوتی، مشکوک نظر آنے لگی۔

عقلیت پرستی کی اس فکر نے پورے یورپ کے خاص اور عام کو اس طرح سے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا کہ ان کی عقل بالکل ہی ماری گئی۔ عیسائیت کا ہر ماخذ اور ہر دلیل مشکوک ہو گئی۔ اس ذہنی حالت کا فطری تقاضا تھا کہ یورپ کے لوگوں میں پائے جانے والے زندگی گزارنے کے بنیادی تصورات ......جو کلیسا نے صدیوں میں قائم کیے تھے...... یکدم منہدم ہونا شروع ہو گئے۔ اب یورپ کے عوام کلیسا کے پادریوں کی بجائے لادین فلسفیوں کی طرف رجوع کرنے لگے۔ اب یہ ملحد فلسفی سائنس اور فلسفے کی بنیاد پر ان کے روزمرہ مسائل حل کرنے لگے۔ عقلِ انسانی یا مشاہدے اور تجربے کو حرفِ آخر تصور کیا جانے لگا اور عقل یا مشاہدے سے ماورا تمام امور کا انکار کیا جانے لگا۔ نشاۃ ثانیہ کے دور میں یورپ کے لوگ 'مخلوق' اور 'انسان' سے 'خالق ہیومن' بن گئے۔ پھر عقل کو تمام امور میں اصل دلیل و پیمانہ[1] ماننے تک کے سفر کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ کے معاشرے نے وجودِ باری تعالیٰ، آخرت پر ایمان اور حقائقِ غیبیہ...... جن کی بنیاد علمِ نبوی یا وحی تھا، نہ کہ تجربہ اور مشاہدہ...... کا انکار شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ آنے والی دو صدیوں میں پورے یورپ کے معاشروں کی اکثریت پر الحاد غالب ہوتا چلا گیا۔ یہی وہ نشاۃ ثانیہ کا دور ہے جس نے پہلے سے ہی گمراہیوں کی مرکب عیسائیت کو مزید گمراہی میں دھکیل دیا۔ یہاں اہم ترین اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس فکری تبدیلی کو عوام تک پھیلانے میں بنیادی کردار خود کلیسا کی اصلاح کے لیے اٹھنے والی 'تحریکِ اصلاح' نے ادا کیا۔

خلاصہ

جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا کہ سیکولرازم کسی مذہبی تعلیمات پر یقین نہیں رکھتا بلکہ صرف اس بات پر یقین رکھتا ہے جسے منطق، سائنس کے مشاہدات یا ریاضی کے فارمولوں کے ذریعے سے ثابت کیا جاسکتا ہو اور انسانی عقل اسے تسلیم کرتی ہو (چاہے وہ غلط ہوں یا صحیح)، اسی بنیاد پر قوانین اور نظامِ تعلیم بنائے جاتے ہوں۔ جبکہ اسلام کی بنیاد ہی غائب پر ایمان لانا ہے جو انبیا علیہ السلام کی تعلیمات کے نتیجے میں انسانوں تک پہنچی ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام اور سیکولرازم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جو لوگ اسلام کو سیکولرازم کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے ہیں یہ ان کی بات کا ردہے۔

ہم آگے چل کر یہ بات دیکھیں گے کہ مغرب نے سیکولرازم کو کیسے قبول کیا اور باقی دنیا پر بھی اسے نافذ العمل کرنے کی مہمات پر زور دیا ہوا ہے اگر ان کے آگے بند نہ باندھا گیا تو آنے والے چند سالوں میں دنیا میں سب سے بڑا مذہب خود لادینیت یا سیکولرازم ہو گا۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے اگر آپ یہ دیکھیں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ مغرب دنیا میں دو چیزوں کو زبردستی نافذ کروانے کی کوشش کر رہا ہے ایک جمہوریت اور دوسرا نظامِ تعلیم۔ جمہوریت اس لیے کہ اس کے ذریعے سے قانون سازی کا اختیار اللہ تعالیٰ سے انسان کو مل جاتا ہے جو سیکولرازم کی بنیاد ہے۔ اسی طرح جس نظامِ تعلیم کی مغرب بات کرتا ہے وہ درحقیقت سیکولر نظامِ تعلیم ہے جیسے اوپر بیان کیا جاچکا ہے، تاکہ لادین ذہنیت پیدا کی جاسکے جس کا دین سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان باتوں پر عمل پیرا ہونے سے مغرب کو کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟

مغرب کی، دنیا کو لادین کرنے کی مہم کو سمجھنے کے مختلف زاویے ہیں جن کا مقصد ہم تفصیل سے ان شاء اللہ اپنے اگلے شماروں میں بیان کریں گے لیکن سرسری سی یہ بات کر دیں کہ دنیا میں یہود ایک عالمی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جو ان کے عقائد کا حصہ ہے جسے نیو ورلڈ آرڈر کہا جاتا ہے اور اس سیکولرازم کا سب سے زیادہ فائدہ بھی یہود ہی نے اٹھایا ہے، اور ایک وقت تھا کہ

---

[1] یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ جس طرح اسلام میں دین و سائنس (سائنس بمعنی علومِ طبیعیہ) کی کوئی کشمکش نہیں موجود، اسی طرح عقل و وحی کے مابین کشمکش کا بھی کوئی تصور درحقیقت اسلام میں نہیں۔ عقل انسان کی اپنی ایجاد تو نہیں، بلکہ اللہ کی عطا کردہ نعمت ہے اور قرآن نے اسے نعمت ہی کے طور پر پیش کیا ہے اور اسے استعمال کرنے پر بار بار ابھارا ہے۔ پھر اللہ ہی کی طرف سے آنے والی تعلیمات کیسے اللہ ہی کی عطا کردہ عقل سے کشمکش کا باعث ہو سکتی ہیں؟ البتہ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ انسانی عقل کا دائرہ بہت محدود ہے اور وہ اسی وقت درست طریق پر استعمال ہو گی جب اسے قطعی علم کے ماخذ 'وحی' کے مطابق استعمال کیا جائے گا۔ ایسے میں یہی عقل انسان کو معرفتِ خداوندی کی منزل تک لے جاتی ہے۔ یہ بات اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ قرآن جہنمیوں کا قول ذکر کرتا ہے کہ: ''وہ کہنے لگے کہ اگر ہم سنتے یا عقل استعمال کرتے تو ہم آگ والوں میں سے نہ ہوتے''۔ اس لیے عقل و وحی کی کشمکش ان احمقوں کے یہاں ہی جنم لیتی ہے جو عقل سے وہ کام لینا چاہتے ہیں جو عقلاً بھی عقل کے بس میں نہیں اور جو مشاہدات، تجربات اور محسوسات پر قائم اصولوں سے غیبی امور کے صحیح غلط ہونے کا حتمی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں اور یوں خود اپنی کم عقلی کا ثبوت دیتے ہیں۔ (م ح)

مسلمان اور عیسائی، یہود کے لیے بڑا خطرہ تھے لیکن سیکولرازم نے پہلے عیسائیوں کے اور پھر کسی حد تک مسلمانوں کے وہ مذہبی نظریات، جن کی وجہ سے وہ یہود کے لیے خطرہ تصور کیے جاتے تھے، ان کے دل و دماغ سے نکال باہر پھینکے۔ اس طرح لڑے بغیر وہ خطرہ جو عیسائیوں سے تھا وہ تقریباً ٹل گیا لیکن مسلمانوں کی جانب سے ابھی کسی حد تک باقی ہے جس کے لیے وہ اپنی قوت کے ساتھ جمہوریت اور نظام تعلیم کو مسلمان ممالک پر تھوپنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس میں مسلمان ممالک کے حکمران مکمل طور پر ان کے ساتھ کھڑے ہیں۔

1. مذہبی رواداری یا عقیدہ الولاء والبراء کا خاتمہ: مذہبی رواداری سیکولرازم کے قیام کے لیے نہایت ضروری ہے لیکن مسلمانوں کے لیے ایک بہت خطرناک سازش ہے جس کا مقصد مسلمانوں میں سے الولاء والبراء (دوستی اور دشمنی) کا عقیدہ ختم کرنا ہے تاکہ مسلمان یہود و نصاریٰ اور دوسرے کفار کو اپنا دشمن نہ سمجھیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ ان سے دشمنی کا حکم دیتا ہے اور مسلمانوں سے دوستی کا۔ اس کا ایک مقصد یہ ہے کہ مسلمان جہاد چھوڑ دیں اور بہت سے لوگ ایسے پیدا ہو چکے ہیں جو سرے ہی سے جہاد کا انکار کرنے والے ہیں۔
2. عسکری فائدہ: جب یہود و نصاریٰ سے دشمنی، جو اللہ کا حکم ہے، کا عقیدہ ہی مسلمانوں کے ذہنوں سے نکل جائے گا تو مسلمانوں سے لڑے بغیر ہی کفار غلبہ پا لیں گے اور مسلمان (اور باقی دنیا کے عوام) موجودہ نظام، جس کی ڈوریاں یہود کے ہاتھ میں ہیں، کے غلام بنتے چلے جائیں گے جیسا کہ ہم نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں دیکھا کہ اب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کی نظر میں کروڑوں مسلمانوں کا خون کرنے والے، مسلمانوں کی عزتوں کو تار تار کرنے والے اور مسلمانوں کے وسائل لوٹنے والے دشمن نہیں ہیں بلکہ ان کے دشمن تو اللہ کے وہ بندے ہیں جو کفار کے ظلم کے خلاف اللہ کے حکم کی خاطر اپنی جانیں لے کر مسلمانوں کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور جنہیں کفار اپنا دشمن مانتا ہے۔ یہ درحقیقت مسلمانوں کے خلاف عسکری چال ہے کہ مسلمان اپنے دشمن کو دشمن ہی نہ سمجھیں اور مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جائیں اس میں فائدہ کس کا ہے؟ کیا اس میں امت کا فائدہ ہے یا یہود و نصاریٰ کا؟ اور کیا اس کے بعد رہے سہے مسلمان اپنے ایمان، اپنی جانوں، اور اپنی عزتوں کا دفاع کر سکیں گے؟ ہرگز نہیں، بلکہ وہ اپنی دنیا بھی برباد کر دیں گے اور آخرت بھی۔
3. معاشی فائدہ: جب انسان کی زندگی سے دین کو نکال دیا جائے گا تو ان کا آخرت میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے توقع رکھ کر عمل کرنے کا تصور ہی باقی نہیں رہے گا اور انسان کی زندگی کا مقصد صرف دنیاوی ترقی ہی ہو گا تو وہ اپنی ساری صلاحیتیں اسی تگ و دو میں لگا دے گا جن کی ضرورت یہود کی کمپنیوں کو ہے تو لامحالہ اس کا معاشی فائدہ یہود ہی کو ہو گا اور انسان (مسلمان) کی آخرت برباد ہو جائے گی۔
4. سیاسی فائدہ: چونکہ سیکولرازم کا مقصد قانون سازی اور انسانی زندگی میں سے اللہ تعالیٰ کے اختیار کو ختم کرنا ہے اور اس نظریہ کے دفاع کے لیے مغرب کو ایک نظام کی ضرورت تھی جو جمہوریت کی صورت میں انہیں میسر ہے، جو انسانوں کی سوچ کو محدود سرحدوں کے اندر الجھائے رکھتا ہے جس کے باہر وہ اپنا وجود تصور نہیں کرتا، تو کہاں خلافت کا تصور باقی رہے گا اور کون دنیا پر یہود و نصاریٰ کے مظالم کو روکے گا؟ اس سیاسی نظام یعنی جمہوریت کو حق جاننے کے بعد کیا مسلمان کا ایمان باقی رہے گا؟
5. معاشرہ تباہ ہوتا ہے: سیکولر جمہوری نظام میں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت قانون سازی اور نظام تعلیم کے ذریعے سے معاشرہ کو تباہ کیا جا رہا ہے جس کا بلا واسطہ یا بالواسطہ فائدہ یہود اور ان کے ہمنوا عیسائیوں کو پہنچتا ہے جو دنیا پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

جمہوریت معاشروں کو مختلف طریقوں سے کمزور کرتی ہے لیکن یہاں ہم صرف ایک طریقہ اپنے قارئین کے سامنے رکھتے ہیں۔ اگر کسی معاشرے میں فحاشی پھیل جائے تو معاشرہ اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا۔ سیکولر جمہوری نظام نے مغربی معاشرے کے ساتھ یہی کام کیا ہے کہ اس میں فحاشی کو رواج دیا ہے اور یہ انہوں نے قانون سازی اور نظام تعلیم کی مدد سے ممکن بنایا ہے۔ اس کے لیے مغرب میں ایسی قانون سازی کی گئی ہے جس نے شادی اور طلاق کے معاملات کو اس قدر مشکل کر دیا ہے کہ ہر عام اور خاص کے لیے شادی ممکن نہیں رہی اور دوسری طرف آزادئ رائے اور مساوی حقوق جو سیکولر فکر کا خاصہ ہیں کی آڑ میں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا اور تعلیمی نظام کے ذریعے سے فحاشی کو عام کیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ صرف امریکہ میں چند سال پہلے تک شادی کا تناسب ۲۶ فیصد سے بھی کم رہ گیا تھا اور باقی قوم کو ناجائز طریقوں ہی سے مستفید ہونے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

خاندان کے ٹوٹنے سے ایک کمزور معاشرہ تشکیل پاتا ہے جو کسی بھی خطرے سے اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ آخر کفر کی عالمی طاقتیں قبائلی نظام کو ختم کر کے سیکولر جمہوری نظام کیوں لانا چاہتی ہیں؟ ایسا ہی سیکولر معاشرہ جمہوری نظام کی ضرورت ہے جو کسی قسم کا ردعمل دینے کے قابل نہ ہو۔ کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اگر افغانستان میں قبائلی نظام نہ ہوتا اور سیکولر جمہوری نظام ہوتا تو کیا وہ ڈیڑھ سو سال کے اندر تین سپر پاوروں کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کر سکتے تھے؟ یہ قبائلی نظام ہی تھا جو ایک مضبوط معاشرے کی ضمانت ہے جس نے اپنا دفاع کیا، اسی لیے افغانستان میں کفار نے اسلامی حکومت ختم کر کے سب سے پہلے جمہوری نظام کھڑا کیا۔ (باقی صفحہ نمبر 110 پر)

اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے، وہی بندۂ مومن کے لیے بہتر ہوتا ہے

(خطوط از ارضِ رباط)

مولانا قاری عبد العزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

خطوط کا انسانی زندگی، زبان و ادب اور تاریخ پر گہرا اثر ہے۔ یہ سلسلہ ہائے خطوط اپنے انداز میں جدا اور نرالے ہیں۔ ان کو لکھنے والے القاعدہ برِّصغیر کی لجنہ مالیہ کے ایک رکن، عالم و مجاہد بزرگ مولانا قاری ابو حفصہ عبد الحلیم رحمہ اللہ ہیں، جنہیں میادینِ جہاد 'قاری عبد العزیز' کے نام سے جانتے ہیں۔ قاری صاحب سفید داڑھی کے ساتھ کبر سنی میں مصروفِ جہاد رہے اور سنہ ۲۰۱۵ء میں ایک صلیبی امریکی چھاپے کے نتیجے میں، قندھار میں مقامِ شہادت پر فائز ہو گئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ قاری صاحب نے میدانِ جہاد سے وقتاً فوقتاً اپنے بہت سے محبین و متعلقین (بشمول اولاد و خاندان) کو خطوط لکھے اور آپ رحمہ اللہ نے خود ہی ان کو مرتب بھی فرمایا۔ ادارہ 'نوائے افغان جہاد' ان خطوط کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ پاک ان خطوط کو لکھنے والے، پڑھنے والوں اور شائع کرنے والوں کے لیے توشۂ آخرت بنائے، آمین۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرِ عزیز!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد از سلام! امید قوی ہے کہ آپ بفضل اللہ تعالیٰ خیر و عافیت اور ایمان و صحت کی دولت سے مالا مال ہو کر دین کے کاموں میں تازہ دم ہمہ تن مصروفِ کار ہوں گے۔ ہم بھی آپ لوگوں کی نیک دعاؤں اور اللہ تعالیٰ کی بے حد و بے انتہا مہربانی سے خیر و عافیت میں ہیں۔ آپ کا خط ملا، مجھے بے حد خوشی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس مسکین کو اللہ کی توفیق سے کسی نے یاد تو کیا ورنہ میں اس قابل کہاں ہوں؟ میں باذن اللہ سب ہی بھائیوں کو یاد کرتا رہتا ہوں مگر زمینی حالات کی وجہ سے رابطہ نہیں کر پاتا ہوں۔ ہمارے ایک عزیز بھائی کے توسط سے آپ کا حال و احوال پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا، اس پر آپ کے عنایت نامے نے مزید آپ کے بارے میں مجھے شرحِ صدر سے نوازا، الحمد اللہ! ورنہ میں ہر ساتھی بھائی سے آپ کا تذکرہ کرتا رہتا تھا کہ وہ ہمارے پیارے بھائی کدھر اور کہاں ہیں۔ آپ کے بارے میں حقیقتِ حال معلوم ہوئی، مجھے بڑی خوشی ہوئی، آپ کو ڈھیر ساری مبارک ہو۔

اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے وہی بندۂ مومن کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اس ذاتِ پاک کا کام کسی مصلحت سے خالی نہیں، اگرچہ بندہ ظاہراً کچھ کا کچھ سمجھ رہا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ: ۲۱۶)

''عجب نہیں کہ ایک چیز تمہیں بُری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لیے مضر ہو اور (ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

جب میں اپنی زندگی کے اُن معاملات پر سوچتا ہوں جن کو میں ظاہر بینی سے اپنے لیے اچھا تصور کرتا تھا کہ یہ اور یہ میرے حق میں ہو جاتے تو بہتر ہوتا مگر آج جب انہی چیزوں کے بارے میں غور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں تو میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اگر میری چاہت کی وہ چیزیں حاصل ہو جاتیں تو وہ اللہ کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جاتیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے، آپ کو دین و دنیا کی تمام بھلائیوں سے نوازے، نیک و صالح اولاد عطا کرے جن کو دنیا میں آنکھوں کی ٹھنڈک اور آخرت میں حصولِ جنت کا ذریعہ بنائے اور سب سے بڑھ کر آپ کو شیاطین کے تمام شرور سے محفوظ فرمائے آمین! ثم آمین !!

میرے پیارے بھائی! آج ہم اجنبی ہیں۔ ہماری راہ پُر خطر ضرور ہے، حق کے راہیوں کی راہ پُر خطر ہی ہوتی ہے لیکن اگر ہم اللہ تعالیٰ کو اپنی معیت میں تصور کریں جس طرح نبیٔ کریم ﷺ نے غارِ ثور میں کفّار کے نرغے میں آکر اپنے آپ کو باری تعالیٰ کی معیت میں تصور کرتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کو تسلّی دی اور فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا، ''اے ابو بکر! غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔ اس وقت کفارِ قریش سر پر تھے اس کے باوجود اللہ کے ان دونوں بندوں کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کو اپنی معیت میں تصور کریں تو سب کچھ آسان ہو جائے گا، ان شاء اللہ العزیز۔ ہم اگر اٹھتے بیٹھتے اللہ ہی کا دھیان رکھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ...... (سورۃ البقرۃ)

''پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔''

میرے بھائی! ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کو ہمہ وقت یاد رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی بہترین مجلس میں یاد رکھیں گے۔ یہ ذکر و فکر اور اللہ تعالیٰ کی یاد کثرت اور دوام مانگتی ہے کیونکہ آج جن گروہوں سے ہمارا سامنا ہے ان کے اور ہمارے درمیان افرادی قوت اور مالی لحاظ سے ایک اور کروڑ کی نسبت ہے۔ لہٰذا اس صورتحال میں ہمارے لیے ایک ہی سہارا ہے اور وہ ہے اللہ کی ذات کا سہارا۔ اگر ہم اس کے سہارے چلنے کی کوشش کریں گے اور اسی کو کثرت سے یاد کریں گے تو یہ راہ ہمارے لیے آسان ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۃ الانفال: ۴۵)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تمہیں (کفار کے) کسی گروہ سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو سکو۔''

(باقی صفحہ نمبر 107 پر)

عوام کی حکومت

ضرغام علی حبیب

یہ بات سنتے سنتے کان پک گئے کہ جمہوریت عوام کی حکومت ہے۔ حکمران کہتے ہیں کہ ہم عوامی مینڈیٹ لے کر آئے ہیں۔ اپوزیشن کہتی ہے 'ووٹ کو عزت دو'۔ جج کہتے ہیں کہ ہم عوام کو انصاف دلائیں گے اور یہ عدلیہ ۲۰۰۹ء سے پہلے والی عدلیہ نہیں رہی۔ پارلیمنٹ کہتی ہے کہ سب فیصلے اور قانون سازی عوام کی امنگوں کے مطابق ہو گی۔ بیورو کریٹ کہتے ہیں کہ ہم عوام کے نوکر ہیں......وغیرہ وغیرہ......جمہوریت کے اسی منتر کی وجہ سے جب کوئی جرنیل بھی ٹیک اوور کرتا ہے تو کہتا ہے کہ عوام کے حق میں یہی سب سے بہتر آپشن بچ گیا تھا، قومی مفاد میں ایسا کیا ہے۔

ایک طرف عوام کے ذریعے عوام کی حکومت کے یہ بلند و بانگ نعرے ہیں، جن کے ہوتے ہوئے کسی اور طرزِ حکومت کی بات کفر سمجھی جاتی ہے اور دوسری طرف عوام کا ستّر سال کا تجربہ ہے۔ پاکستان میں کسی بھی شخص کو اگر یہ کہا جائے کہ ٹی وی پر ہر روز کہا جاتا ہے کہ اس ملک میں آپ کی حکومت ہے اور پارلیمنٹ، دفاتر، عدالتوں اور جی ایچ کیو میں بیٹھے سب لوگ آپ کی خدمت اور حفاظت کے لیے ہیں تو اس کے کیا جذبات ہوں گے؟ جس بندے کو تحصیل میں بیٹھے پٹواری سے کام نکلوانے کے لیے ناک سے لکیریں نکالنی پڑتی ہوں وہ تو یہ بات سن کر یا ہنسے گا یا گالیاں بکے گا، بلکہ آج کل حالت تو ایسی ہو گئی ہے کہ شاید پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے گا۔

ویسے کافر نے بڑا ہی دھوکے باز نظام بنایا ہے۔ کرتا کوئی ہے اور نام کسی اور کا۔ اسلام کے خلاف امریکہ کی جنگ یا وار آن ٹیرر نے پاکستان ڈبو دیا لیکن چونکہ حکومت جمہوری چل رہی ہے لہٰذا اس جنگ میں امریکہ کا اتحادی بن کر رہنے کا فیصلہ عوام کا ہے۔ سڑکیں تو نیٹو کنٹینروں نے تباہ و برباد کیں لیکن فیصلہ تو عوام کا ہے۔ صرف یہی نہیں مہنگائی، بے روزگاری، کرپشن سب فیصلے عوام کے ہیں کیونکہ عمران خان کو وزیرِ اعظم بنانے کا فیصلہ بھی عوام ہی کے سر ہے۔ اسی بار نہیں ماضی میں بھی جتنی حکومتیں گزریں اور انہوں نے جتنے بھی فیصلے کیے وہ بھی سب عوام کے ہی ہیں کیونکہ جمہوریت کا یہی فیصلہ ہے۔ عمران خان ٹھیک کہتا ہے کہ ہمیں عوام نے مینڈیٹ دے کر پارلیمنٹ میں بھیجا ہے ہم اپنی مدت پوری کریں گے۔

یہ بات سن کر پاکستان کے وہ ساٹھ ستّر فیصد لوگ جو ووٹ ڈالنے میں کوئی دلچسپی ہی نہیں رکھتے، یقیناً حیران ہوتے ہوں گے کہ تیس چالیس فیصد تو عوام ہیں اور ہم کون؟ اور اگر ان تیس چالیس فیصد سے جا کر کہا جائے کہ یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے جس کو پوری قوم بھگت رہی ہے تو وہ بڑی لجاجت سے عرض کریں گے کہ ہمیں تو سائیوں نے کہا تھا کہ ووٹ ادھر ہی ڈالنا ہے یا چودھریوں نے کہا تھا۔ کوئی کہے گا کہ ایم این اے صاحب نے ہماری سڑک پکی کرانے کا وعدہ کیا تھا اور کوئی کہے گا کہ ملک تو کسی اور کے اشارے پر چل رہا ہے ہم نے تو بس برادری کا خیال رکھا ہے۔ بعض کہنے والے کہتے ہیں کہ پاکستان میں اصلی جمہوریت نہیں۔ امریکہ میں تو اصلی ہے، برطانیہ کی بھی تو اصلی ہے بلکہ قدیم ترین بھی ہے۔ لیکن وہاں ٹرمپ اور بورس جانسن جیسے بیٹھے ہوئے ہیں۔

بہر حال میں ان سارے جرائم کا مدعا عوام پر نہیں ڈالتا۔ لیکن اس سارے گورکھ دھندے کے جاری و ساری رہنے میں عوام کو ضرور قصوروار سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اتنا ظلم سہنے کے بعد تو بے زبان بھی بجنگ آمد ہو جاتے ہیں۔

★★★★★

بقیہ: خطوط از ارضِ رباط

آپ سے اور ہمراہی بھائیوں سے یہی عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی معیت میں تصور کریں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہی ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتے ہوئے بلا خوف و خطر اس کے دین کی سربلندی کے لیے اور کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ اور مرتدین کی سرکوبی کے لیے کام کرتے جائیے۔ ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ اپنے دستِ قدرت سے تمام شیاطین کے شر سے محفوظ فرمائے گا۔

میں تو سب بھائیوں کو یاد کرتا رہتا ہوں، یہ سب بھائی تو ہمارے دلوں ہی میں بستے ہیں اور ان کے لیے دعائیں کرتا رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ شیاطین سے بچائے اور دین کی راہ میں ثابت قدم رکھے آمین! ثم آمین!! سب بھائیوں کو میرا اسلام عرض ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دیں۔

میرے پیارے بھائی! میں تو ایک مسکین آدمی ہوں ہر حال میں صبر و شکر سے کام لیتا ہوں اور تمام تر توقعات اللہ تعالیٰ سے باندھنے کی کوشش کرتا ہوں اس لیے کوئی بڑا مسئلہ نہیں بنتا پھر بھی میں ایک ادنیٰ سا انسان ہی ہوں کبھی کبھار زبان لڑھک جاتی ہے تو کوئی بھائی حدیث سنا کر خاموش کرا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں کو دور کرے اور ہم سب کو أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کا مصداق بنائے، آمین!

آخری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کے ساتھ احتیاط بھی ضروری ہے۔ توکل و احتیاط دونوں ہی اللہ کا حکم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کام کرنے کے لیے دونوں چیزوں کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ خط نہ چاہتے ہوئے بھی قدرے لمبا ہو گیا، شاید کام کی باتوں سے زیادہ ادھر اُدھر کی باتیں آ گئیں اس کے لیے معذرت!

والسلام علیکم

آپ کا بھائی

ربیع الاول ۱۴۳۲ھ بمطابق فروری ۲۰۱۱ء

ہر میرِ کارواں سے مجھے پوچھنا پڑا

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

پاکستان میں ہونے والی رنگ رنگیلی سرگرمیوں کا تسلسل اگر دیکھا جائے تو محسوس یہ ہوتا ہے کہ ملک سارے مسائل سے عہدہ برآ ہو چکا۔ ایک ایسے دور سے گویا گزر رہا ہے جو معاشی طور پر نہایت مستحکم، ترقی کی ساری منزلیں سر کر کے اب فراغت کے مرحلے میں ہے۔ حالانکہ گلوبل مارکیٹ ریسرچ کے مطابق اکتیس (۳۱) فی صد ملازمتیں ختم ہو چکیں۔ باقی بھی خطرے سے دوچار ہیں! تعلیمی فکر سے بھی فارغ ہیں۔ لہٰذا نوجوان نسل نے پہلے زبردست یوم عشق عاشقی ملک گیر سطح پر منایا۔ چار پانچ دن ویلنٹائنی سرخ گلابوں کے غلغلے سوشل میڈیا، چینلز، سکولوں کالجوں، یونیورسٹیوں میں چھائے رہے۔ پرائمری سطح سے یہ (ہماری قومی اہم ضروریات میں سے ایک ہونے کی بنا پر!) بچوں کی تربیت میں اتارا جارہا ہے۔ اسی اثنا میں پی ایس ایل ۲۰۲۰ء کے چوکے چھکے خون گرمانے کو شروع ہو چکے ہیں۔ آغاز پاکستان بھر سے اکٹھے کیے گئے ناچ گانے والے بینڈ باجگان سے ہوا۔ مردوزن، فنون لطیفہ کا ہر ذوق ذائقہ چکھانے کو ساڑھے تین سو (۳۵۰) کی تعداد میں موجود تھے۔ دی نیوز کی خبر کے مطابق شائقین میں بجلی دوڑانے کو۔ چلیے پاکستان میں بجلی کی کمی ایسے ٹرانسفارمر نما پرفارمر اگر پوری کر دیں تو یہ تجربہ بھی کر دیکھیں۔ قبل از پاکستان ولولے تازہ کرنے، احساسات وجذبات کو مہمیز کرنے کو علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خان کی شاعری، مولانا جوہر علی، شوکت علی اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقاریر کام آتی تھیں۔ نوجوان خون میں برقی رو دوڑ جاتی تھی۔ غلامی کی زنجیریں توڑ پھینکنے کی قوت کا اظہار غاصب حکمرانوں پر لرزہ طاری کر دیتا۔ کہیں تحریک خلافت اٹھا کھڑا کرتے، کہیں جواب شکوہ پر ہچکیاں سسکیاں احساس زیاں کا اظہار یہ بن جاتیں۔ طرابلس کے شہیدوں کا نوحہ پڑھے جانے پر مجمع آہیں بھرتا، ٹوپیاں اچھالتا، کچھ کر گزرنے کے جذبوں سے معمور، استعمار کے خلاف سراپا غیظ وغضب ہوتا۔ اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو، لاہور سے تاخاک بخارا و سمر قند، کا دور تھا یہ۔ اس ولولے نے ہمیں آزادی کی منزل سے ہم کنار کیا۔ رئیس الاحرار کے خطاب چلتے تو رات گزرنے کا پتہ ہی نہ چلتا۔ پاکیزہ، ایمانی، نظریاتی، پر عزم جوانیاں تشکیل پائیں۔ لیکن پھر ہم آزاد ہو گئے! گویا شتر بے مہار ہو گئے۔ نائن الیون کے بعد تو بالکل ہی مادر پدر آزاد، خدا رسول سے آزاد لال لال لہرانے اور میرا جسم میری مرضی، جیسے نعرے لگانے کے دور میں آن پہنچے۔ ہم نے حکمرانی کے لائق بھی بالآخر انہی کو پایا جو ان دیسی پرانے تصورات سے بھی ہمیں آزادی دلا کر 'کچھ نیا کرو' برانڈ ہوں۔ بینڈ باجوں، ڈی جے بھرے مخلوط دھرنوں نے بالآخر یہ دن ہمیں دکھایا کہ بھلے کرونا سر سراتا رہے۔ کیماڑی میں پراسرار موت بانٹنے والی ہوا چل پڑے۔ آٹا چینی بحران، گیس بجلی، روزگار سے محرومی اور خودکشی ارزاں کا بحران راج کرے۔ وحشت ودرندگی ننھے بچوں کو اپنی لپیٹ میں لے کر ہمیں منہ دکھانے، جینے کے قابل نہ چھوڑے۔ لیکن گھول بتاشے پئیں! ملک سارا وقت ناچتا گاتا بجاتا رہے! دھرنے کا حقیقی چہرہ بھی تو یہی تھا۔ سو اب سردیوں کی یخ بستہ شاموں کو گرمانے کا سامان اگر حکومت ان تھک فراہم کر رہی ہے تو مضائقہ ہی کیا ہے! کشمیری اپنی جنگ خود لڑ لیں گے، بہادر ہیں۔ آخر ہم گزشتہ بیس سالوں سے تو ان سے منہ موڑے ہوئے ہی تھے۔ خاردار تاریں ہم نے بھارت کو لگانے کی اجازت یونہی تو نہ دی تھی۔ ان کا کیس لڑنے برطانوی پارلیمانی گروپ آ گیا، ہم نے زبردست خوش آمدید کہی، جہاں چاہیں جائیں۔ گوروں کے آنے کے ہم یوں بھی بہت قدردان ہوتے ہیں، سو بسم اللہ! کشمیر کا کیس تم لڑلو ہم ذرا موج میلہ کرلیں! مسائل کا منہ اللہ ہمیں کبھی نہ دکھائے۔ اس کے ہم اہل ہی نہیں۔ ملاحظہ ہو کیماڑی سانحہ۔ تین سو (۳۰۰) متاثر ہوئے۔ چودہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ پچانوے (۹۵) مزید سانس کی تکلیف سے ہسپتالوں میں پہنچے۔ بے ہوش ہو گئے۔ پہلے تشخیص ہوئی کہ امریکی جہاز سے اتاری جانے والی سویابین کے اثرات تھے۔ پھر بہت شدت سے اس کا انکار اور غم وغصے کا اظہار ہوا کہ ایسا ہرگز نہیں۔ ہم بھی کہتے ہیں، نہیں ہو گا۔ امریکی زہر پھانکتے ہمیں بیس سال ہونے کو آئے اس سے ہم نہیں مرا کرتے۔ کوئی گیس نماشے تھی جو بلا بن کر پھر گئی۔ جتنی جانیں جانی تھیں چلی گئیں۔ ہوا خود بخود بتدریج صاف ہو گئی۔ ہم صرف لکیر پیٹتے رہے۔ سادہ بات ہے تحقیق طلب نہیں۔ موت کا فرشتہ سبب بنا اموات کا۔ جتنوں کو حکم ہوا لے گیا۔ لوگ تو بلاوجہ بات کا بتنگڑ بنا کر سیاست کھیلتے ہیں۔ میٹنگ ہوئی اس میں حکومتی عہدہ دار، قانون نافذ کرنے کے ذمہ داران بھی موجود تھے (گستاخ گیس کے لیے سراپا قہر) ماحولیات کے ماہرین، کے پی ٹی والے، سائنس دان بھی آئے۔ تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دے دی گئی ہے۔ اس اثنا اگلی چار چھ مزید بریکنگ نیوز اور پی ایس ایل کا ہلہ گلا بہت کچھ بھلا دے گا۔ اللہ اللہ خیر سلا۔

ابھی تو مارچ کا مہینہ اپنے جلو میں مزید دھماکا خیز اچنبھے، حیرانیاں لیے آرہا ہے۔ مارچ میں مارچ ہو گا جس کی بھرپور تیاریاں زور و شور سے جاری ہیں۔ یہ عورت بریگیڈ کا مارچ ہے جس میں غیرت بریگیڈ کی فوتیدگی کا پورا سامان ہے! پاکستان کو روشن خیالی کے ایسے تارے دکھانے کی تیاری ہے کہ مردوں کو دن میں تارے دکھائی دیں گے۔ پاکستان کو یہ منزلیں سر کروانے کے اہتمام کا ڈول مشرف ڈال گیا تھا۔ یادش بخیر این جی اوز، موم بتی مافیا، ملٹی نیشنلز، غیر ملکی امدادی و حکومتی ادارے خوب متحرک رہے ہیں۔ گلابی سکوٹروں کی فراہمی سے نوجوان لڑکیوں کو حیا باختہ بااختیاری کی راہوں پر گامزن کرنا۔ پیروز گار جوتیاں چٹخاتے مردوں کی جگہ لڑکیاں ہر جگہ بھرتی کرنا۔ ہوش حواس مختل، معطل کر دینے والے حلیوں اور لباسوں کی فراوانی۔ گھر خاندان توڑنے، عورت کو آزادی، خود مختاری کا نشہ دے کر (باقی صفحہ نمبر 115 پر)

جیسے عوام ویسے حکمران

نسیم حجازی

نسیم حجازی نے اپنے ناول 'سفید جزیرے' کے پیش لفظ میں دو کہانیاں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک ہم پہلے جنوری ۲۰۲۰ء کے شمارے میں شائع کر چکے ہیں اور دوسری کہانی ذیل میں پیشِ خدمت ہے۔ بقولِ شاعر جناب پروفیسر عنایت علی خاں کہ 'مزاح ایسے سے جنم لیتا ہے'۔ ذیل میں درج کہانی نے بھی دراصل ایک ایسے سے جنم لیا ہے۔ امتِ مسلمہ کے غموں کو ہم اپنا غم جانتے ہیں۔ امت کے کسی فاسق و فاجر کے انجامِ خیر کے لیے بھی ہم حریص ہیں۔ مظلوم امت پر طنز و تشنیع کو ہم درست نہیں سمجھتے۔ اس کہانی میں مقصود طنز و تشنیع نہیں بلکہ ظریفانہ انداز میں ایک دوسرے کو آئینہ دکھانا مقصود ہے کہ ہماری کن خامیوں کے سبب ہم پر جاہل، اجڈ، گھامڑ، لادین و بے دین، مداری قسم کے لوگ مسلط ہیں جنہیں ہم ٹی وی سکرینوں اور جا بجا لگے کتبوں اور ہورڈنگوں پر دیکھ کر شاید 'خوش' ہی ہوتے ہیں۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ 'تم پر تمہارے جیسے ہی حکمران مسلط کیے جاتے ہیں'۔ اللہ تعالیٰ ان دین دشمن اور عوام کُش حکمرانوں کو تباہ و برباد فرمائیں اور گلستانِ وطن میں شریعت کے غنچے اور گلاب کِھلائیں، آمین..... لیکن اس سے پہلے لازم ہے کہ ہم بطورِ قوم اللہ کی طرف رجوع کریں اور اللہ کی عطا کردہ شریعت کو اپنا ملجا و ماویٰ بنائیں۔ (ادارہ)

ایک درویش اور اس کا کم سن چیلا شہر سے دور کسی جنگل میں رہتے تھے۔ درویش عام طور پر یادِ خدا میں مصروف رہتا تھا اور چیلا آس پاس کی بستیوں سے بھیک مانگ کر اس کی خدمت کیا کرتا تھا۔

درویش کا دل انسانیت کے درد سے لبریز تھا اور وہ صبح شام انتہائی سوز و گداز کے ساتھ یہ دعا کیا کرتا تھا:

''میرے پروردگار! میں ایک بے کس اور بے وسیلہ انسان ہوں اور تیرے بندوں کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر تو مجھے بادشاہ بنادے تو میری زندگی کا ہر سانس بھوکے اور ننگے انسانوں کی خدمت کے لیے وقف ہوگا۔ میں یتیموں، بیواؤں اور نادار لوگوں کی سرپرستی کروں گا۔ میں محتاجوں کے لیے لنگر خانے کھولوں گا۔ میں عدل و انصاف کا بول بالا کروں گا۔ راشی اور بد دیانت اہلکاروں کو عبرت ناک سزائیں دوں گا۔ مظلوم مجھے اپنی ڈھال سمجھیں گے اور ظالم میرے نام سے کانپیں گے۔ میں فحاشی اور بے حیائی کی لعنتوں کا خاتمہ کردوں گا۔ نیکی اور بھلائی کو پروان چڑھاؤں گا۔ میں قمار بازی کے اڈے اٹھوادوں گا اور عبادت گاہیں اور مدرسے تعمیر کروں گا۔''

کم سن چیلے کو یہ یقین تھا کہ کسی دن مرشد کی دعا ضرور سنی جائے گی اور اُن کے دن پھر جائیں گے۔ لیکن وقت گزرتا گیا۔ چیلا جوان ہو گیا اور نیک دل درویش میں بڑھاپے کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ چیلے کے اعتقاد میں فرق آنے لگا، یہاں تک کہ جب درویش دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتا تو وہ اس کے قریب بیٹھنے کی بجائے چند قدم دور بیٹھتا اور دبی زبان میں یہ دعا شروع کر دیتا:

''میرے پروردگار! اب میرا مرشد بوڑھا ہو چکا ہے۔ اس کے بال سفید ہو چکے ہیں۔ دانت جھڑ چکے ہیں اور بینائی جواب دے چکی ہے۔ اب وہ مجھے تخت کی بجائے قبر سے زیادہ قریب دکھائی دیتا ہے۔ اگر تجھے ایک نیک دل آدمی کا بادشاہ بننا پسند نہیں تو مجھے بادشاہ بنادے۔ میں یہ عہد کرتا ہوں کہ میرا ہر کام اپنے مرشد کی خواہشات کے الٹ ہوگا۔ میں صدقِ دل سے یہ عہد کرتا ہوں کہ میں ناداروں کو زیادہ نادار، بے بسوں کو زیادہ بے بس اور مظلوموں کو زیادہ مظلوم بنانے کی کوشش کروں گا۔ میں چوروں اور ڈاکوؤں کی سرپرستی کروں گا۔ میں شرفا کو ذلیل کروں گا اور رذیلوں کو عزت کی کرسیوں پر بٹھاؤں گا۔ میں راشی اور بد دیانت اہلکاروں کو انعام دیا کروں گا۔ میں مساجد اور مدرسوں پر تالے چڑھادوں گا اور جگہ جگہ فحاشی کے اڈے قائم کروں گا۔''

ابتدا میں یہ ہوشیار چیلا چھپ چھپ کر دعائیں کیا کرتا تھا، لیکن آہستہ آہستہ اس کا حوصلہ بڑھتا گیا اور کچھ مدت بعد اس کی یہ حالت تھی کہ جب مرشد دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا تو وہ اس کے قریب بیٹھ کر ہی بلند آواز میں اپنی دعا دہرانی شروع کر دیتا۔ درویش اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر یہ کہتا کہ اگر بادشاہ بن جاؤں تو عدل و انصاف نیکی اور سچائی کا بول بالا کروں گا اور چیلا قہقہہ لگا کر یہ کہتا کہ اگر میں بادشاہ بن جاؤں تو ظلم اور بدی کا جھنڈا بلند کروں گا۔ درویش کہتا کہ میرے خزانے سے معذور اور نادار لوگوں کو وظائف ملیں گے اور چیلا یہ کہتا کہ میں ان پر جرمانے عائد کروں گا۔ درویش اسے ڈانٹ ڈپٹ کرتا اور بسا اوقات ڈنڈا اٹھا کر پیٹنا شروع کر دیتا، لیکن چیلا اپنی روایتی نیاز مندی کے باوجود اپنے موقف پر ڈٹا رہا۔

پھر وہی ہوا جو پرانے وقتوں میں ہوا کرتا تھا۔ یعنی ملک کا بادشاہ چل بسا اور تخت کے کئی دعوے دار ایک دوسرے کے خلاف تلواریں سونت کر میدان میں آگئے۔ دور اندیش وزیر نے راتوں رات تمام دعوے داروں کو جمع کر کے یہ تجویز پیش کی کہ اب ملک کو خانہ جنگی سے بچانے کی ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ شہر کے تمام دروازے بند کر دیے جائیں اور علی الصباح باہر سے جو آدمی سب سے پہلے مشرقی دروازے پر دستک دے اسے بادشاہ تسلیم کر لیا جائے۔

یہ تجویز باتفاق رائے منظور کی گئی۔ پھر یہ ہوا کہ نیک دل درویش کا چیلا بھیک مانگنے کے لیے کسی چھوٹی موٹی بستی کا رُخ کرنے کی بجائے ملک کے دارالحکومت کی طرف جانکلا۔ پَو پھوٹتے ہی اس نے شہر کے مشرقی دروازے پر دستک دی۔ پہریداروں نے دروازے کھول کر اسے سلامی دی اور امرا اسے ایک جلوس کی شکل میں شاہی محل کی طرف لے گئے۔

نئے بادشاہ نے تخت پر رونق افروز ہوتے ہی یہ حکم جاری کیا کہ میری سلطنت میں جتنے درویش، فقرا اور سادھو ہیں، انہیں کسی تاخیر کے بغیر گرفتار کرلیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی، لیکن خوش قسمتی سے نئے بادشاہ کے مرشد کو کسی طرح یہ پتہ چل گیا کہ اس کے ہوشیار چیلے کی دعا قبول ہوگئی ہے اور وہ سرحد عبور کرکے کسی دوسرے ملک میں چلا گیا۔

اس کے بعد جو ہوا وہ کسی تشریح یا تبصرے کا محتاج نہیں۔ نئے بادشاہ نے پوری مستعدی اور دیانت داری کے ساتھ اپنے تمام وعدے پورے کیے۔ نہروں کا پانی بند کردیا گیا، کنوئیں اور تالاب غلاظت سے بھر دیے گئے، چوروں ڈاکوؤں کو جیلوں سے نکال کر حکومت کا کاروبار سونپ دیا گیا اور نیک اور خداپرست انسانوں کو عبادت گاہوں سے نکال کر جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔

غرض اُن دانش مندوں کو سر چھپانے کی جگہ نہیں ملتی تھی جنھوں نے ملک کی بھلائی کے لیے ایک گداگر کو تخت پر بٹھادیا تھا۔ جب نئے بادشاہ کے مظالم اپنی انتہا کو پہنچ گئے تو عوام کے لیڈروں نے اس کا حسب و نسب معلوم کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ سابق وزیر اعظم کی قیادت میں ایک وفد تلاش بسیار کے بعد بادشاہ کے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے فریاد کی کہ خدا کے لیے ہمیں اس بلائے ناگہانی سے نجات دلائیے۔

عمر رسیدہ درویش اپنے چیلے کے سامنے جانے سے گھبراتا تھا۔ لیکن ارکانِ وفد کی گریہ وزاری سے متاثر ہوکر وہ یہ خطرہ مول لینے پر آمادہ ہوگیا۔ جب وہ دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ سلامت کو اپنے پیرومرشد کی طرف دیکھتے ہی اپنا ماضی یاد آگیا اور اس نے مرعوبیت کے احساس سے مغلوب ہوکر کہا:

''پیرومرشد! فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟''

درویش نے جواب دیا:

''میں اپنے لیے کچھ نہیں مانگتا۔ میں صرف تمہاری رعایا کے لیے رحم کی اپیل لیے آیا ہوں۔ تم اقتدار کے نشے میں وہ زمانہ بھول گئے ہو، جب بھیک مانگا کرتے تھے۔ خدا سے ڈرو۔ یہ دنیا فانی ہے۔ اگر ہوسکے تو موت سے پہلے کوئی نیک کام کرلو۔''

بادشاہ نے تلخ ہوکر جواب دیا:

''دیکھیے قبلہ! آپ میری قوتِ برداشت کا امتحان لینے کی کوشش نہ کریں۔ یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ آپ میرے مرشد ہیں اور میں آپ پر ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبراہٹ محسوس کرتا ہوں۔ آپ مجھے جی بھر کر گالیاں دے سکتے ہیں، لیکن خدا کے لیے ان لوگوں کے ساتھ کسی نیکی کا مشورہ نہ دیں۔ آپ کو یاد ہے کہ ہم دونوں ایک ہی وقت میں دعا مانگا کرتے تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کی دعا قبول نہ ہوئی اور قدرت نے مجھے بادشاہ بنادیا؟ اگر ان لوگوں کے اعمال ٹھیک ہوتے اور قدرت کو ان کی بھلائی مقصود ہوتی تو آپ ان کے بادشاہ بنتے۔ لیکن یہ بدبخت تھے۔ انہیں اچھے برے کی تمیز نہ تھی اور قدرت نے ان کی بداعمالیوں کی سزا دینے کے لیے مجھے بادشاہ بنادیا۔ اب میں مرتے دم تک اپنا پروگرام پورا کرتا رہوں گا۔ اگر قدرت کو ان کی گریہ وزاری پر رحم آجائے اور میری زندگی کے دن پورے ہوجائیں تو اور بات ہے، ورنہ میری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔''

نیک دل درویش نے جواب دیا:

''برخوردار! تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ اگر یہ لوگ قدرت کی طرف سے کسی انعام یا بہتر سلوک کے مستحق ہوتے تو میری عمر بھر کی دعائیں رائیگاں نہ جاتیں۔ یہ لوگ جنھوں نے میرے بجائے تمہارے سر پر تاج رکھ دیا ہے، اس قابل نہیں ہیں کہ ان پر رحم کیا جائے۔ تم شوق سے اپنا کام جاری رکھو۔''

☆☆☆☆☆

بقیہ: ہیومن ازم کیا ہے؟

دہشت گردی کے خلاف جنگ میں لوگوں کو جہاد سے روکنے کے لیے جو حل پیش کیا جاتا ہے اگر آپ ذرا سا غور کریں تو بات بڑی آسانی سے سمجھ آجائے گی کہ سیکولر جمہوری نظام کیا کمال کر رہا ہے۔ حل پر ذرا غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ قانون سازی کے ذریعے مجاہدین کے خلاف سخت سے سخت سزاؤں کے قوانین بنائے جارہے ہیں تو دوسری طرف تعلیم کو عام کرنے پر زور دیا جارہا ہے اور اس کے لیے قانون سازی تک کی جارہی ہے اور مدرسوں تک میں سائنس ریاضی اور انگریزی کو شامل کرنے پر زور دیا جارہا ہے۔ آخر سیکولر نظام تعلیم میں کون سی ایسی خاص بات ہے جو لوگوں کو جہاد سے روک دے؟ اور پھر نصاب تعلیم سے قرآنی آیات کو نکالنے کیا مقصد ہے؟ پھر معاشرے میں تفریح کے نام پر فحاشی کو کیوں ترقی دی جارہی ہے اور اچھی زندگی اور روزگار ہی کو زندگی کا واحد مقصد بنا کر کیوں پیش کیا جارہا ہے؟ اب سیکولرازم کی تعریف کو دوبارہ دیکھیں اور خود فیصلہ کریں، 'اس بات پر ایمان رکھنا کہ قوانین اور نظام تعلیم کی بنیاد مذہب کی بجائے حقائق، سائنس، وغیرہ وغیرہ پر ہے'۔

[ان موضوعات کو مزید سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو: 'عصرِ حاضر میں جہاد کی فکری بنیادیں، از ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان'۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

خیالات کا ماہنامچہ

ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: مارچ ۲۰۲۰ء

معین الدین شامی

اللہ پاک کا احسانِ محض ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا اور پھر رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شرف و عزت والی امت میں پیدا کیا اور پھر احسان در احسان یہ بھی فرمایا کہ اکیسویں صدی میں جس لشکر نے امریکہ کو شکست دی ہمیں بھی اس فاتح لشکر کا حصہ بنایا۔ اللہ پاک ہمیں محسنین میں شامل فرمائیں اور شہادت بصورتِ قتل فی سبیل اللہ سے محروم نہ کریں، آمین۔

ترکی کے لیے کشمیر کی حیثیت اور پاکستان کے لیے اردگان کی حیثیت

ترک صدر رجب طیب اردگان نے پاکستان میں اپنے دورے کے دوران کہا کہ کشمیر کی ترکی کے لیے بھی وہی حیثیت ہے جو پاکستان کے لیے ہے۔

سمجھ تو آپ گئے ہوں گے کہ اس بات کا کیا مطلب ہے؟

پاکستان کے لیے کشمیر کی حیثیت جو ہے وہ سب پر واضح ہے کہ دھیلے کا کام نہیں اور بڑی بڑی بڑھکیں۔ کشمیر کے لیے ٹکے کا کام نہیں، گانے، فلمیں اور رقص...... 'انڈیا...... جا...... جا...... جا...... کشمیر سے نکل جا' پیانو اور گٹار کی دُھنوں پر، برہان وانی جیسے خلافت کے سپاہی اور مجاہدِ عزیمت پر فلم (خدا جانے اس کا کیا بنا) جس میں عامر لیاقت بطورِ برہان وانی اداکاری کرنے کو تھا۔ یہ ہے پاکستان کے لیے کشمیر کی حیثیت۔

اس حیثیت پر جان لیجیے کہ ترکی کے لیے کشمیر کی کیا حیثیت ہے؟

باقی ترکی جو اپنی سرحد سے جڑے 'کشمیر' یعنی 'شام' میں جو کر رہا ہے وہ بھی ساری دنیا کے سامنے ہے۔ ترکی نے غاصبوں کے خلاف جہاد کو غاصبوں کی کُشتی بنا دیا ہے۔

مزید عمران خاں کا کہنا ہے کہ اگر طیب اردگان پاکستان میں الیکشن لڑے تو جیت جائے۔ یہ بھی کمال بات ہے، گویا پاکستان ایسا 'بانجھ' ہے کہ یہاں کوئی لیڈر ہی نہیں! لیڈر تو واقعی موجودہ 'لیڈروں' میں سے کوئی نہیں!

لیکن ہمارے ملک کے لیے یہ بھی ایک عجوبہ ہے کہ سٹیٹ بینک کے گورنر و ڈپٹی گورنر، ایف بی آر کے چیئرمین، وزیرِ خزانہ اور وزیرِ اعظم (حفیظ شیخ و شوکت عزیز و معین الدین قریشی) جو پاکستانی نما پہلے ہم امپورٹ کرتے تھے اب طیب اردگان کو بھی امپورٹ کرنے کو تیار ہیں۔

'حکمت' یار نے 'ضلالت' (گمراہی) سے یاری لگالی!

میرا ایک دوست ہے، جب وہ پیدا ہوا تو اس کے والد صاحب نے پندرہ بیس ناموں کی فہرست بنا رکھی تھی کہ ان میں سے کوئی اچھا سا نام اپنے بیٹے کا رکھوں گا۔ سارے ہی نام برگزیدہ ہستیوں اور عظیم مجاہدین کے تھے۔ یہ روس کے خلاف جہاد کا اختتامی دور تھا۔

انہی ناموں کی فہرست میں ایک نام 'حکمت یار' بھی تھا۔

میرے دوست کے والد صاحب خود جہادی کیمپوں میں رہتے تھے اور گلبدین حکمت یار سے ملاقات تھی۔ وہ حکمت یار کے مجاہد ہونے سے متاثر تھے اور یہی سبب تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے لیے مجوزہ ناموں کی فہرست میں ایک نام 'حکمت یار' بھی لکھ رکھا تھا۔ لیکن میرے دوست کی اچھی قسمت کہ اللہ پاک نے اسے اس نام سے 'بچا' لیا یا یوں کہہ لیں کہ اس نام میں جس کی طرف نسبت تھی، اس شر سے محفوظ کر لیا۔

آج کتنا واضح ہے کہ حکمت یار کا 'حکمت' سے کوئی تعلق نہیں۔ حکمت تو اللہ کی عطا ہے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ اس دنیا میں مومن کے لیے سب سے بڑی نعمت 'حکمت' ہے اور آخرت میں اللہ کی 'رحمت'۔ حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے۔ حکمت سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے۔ جس کو حکمت عطا کی گئی تو اس کو خیرِ کثیر عطا ہوئی۔ جو حکمت یار ہو گا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور آپ کے دین کا یار و مددگار ہو گا۔

لیکن گلبدین حکمت یار پر اس کے نام کا الٹ اثر ہوا۔ ابھی 'کابل نیوز ٹی وی' کی ایک ویڈیو نظر کے سامنے سے گزری جس میں ایک ہی میز پر اشرف غنی، حامد کرزئی، سیاف، زلمے خلیل زاد اور سکاٹ ملر (امریکی کمانڈر ان چیف برائے افغانستان) بیٹھے ہیں اور ان سب کے ساتھ بیٹھا ہے (بے) حکمت یار۔

حکمت یار، ملا عمر مجاہد کو اپنی تحریرات میں لکھا کرتا تھا 'بے وقوف ملا' اور 'بے حکمت ملا'۔ حکمت یار کو اپنی 'حکمت' پر بہت ناز تھا۔ آج ملا عمر کا حال بھی دنیا جانتی ہے اور حکمت یار بھی سب کو نظر آ رہا ہے۔ ملا عمر تیرہ برس صلیبیوں سے جنگ لڑ کر اور اسلام و ایمان کے معیارات پر ڈٹ کر بالآخر، خیر کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے اور حکمت یار آج ان کے ساتھ ایک میز پر بیٹھ گیا ہے جن کی رفاقت اور جن کے طریق سے ہم دن میں دسیوں بار اللہ کی پناہ ہر نماز میں مانگتے ہیں...... غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ...... یا اللہ! ہمیں ان کی راہ پر نہ چلانا جن پر تیرا غضب ہوا (یعنی یہود) اور نہ ہی ان کی راہ پر جو گمراہ ہوئے (یعنی اہلِ صلیب عیسائی)۔

ایف اے ٹی ایف

ایف اے ٹی ایف، یعنی فائنینشل ایکشن ٹاسک فورس برائے انسدادِ منی لانڈرنگ، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ایک ایسا بین الاقوامی ادارہ ہے جو منی لانڈرنگ کے خلاف کام کرتا ہے۔ اس

ادارے نے پاکستان کو اپنی 'گرے لسٹ' میں شامل کر رکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑی سطح کے کاروباری پاکستان میں اپنا پیسہ انویسٹ نہیں کریں گے۔

پچھلے ماہ ہونے والے ایف اے ٹی ایف کے اجلاس میں کہا گیا کہ پاکستان کو ہم بلیک لسٹ میں نہیں ڈال رہے بلکہ گرے میں ہی رہنے دیں گے اور مزید غور چار ماہ بعد کریں گے۔

پھر یہ گرے سے گرے میں ہی رکھنے کی مہربانی بھی اس لیے کی گئی ہے کہ پاکستان نے طالبان امریکہ مذاکرات میں کچھ کردار ادا کیا ہے، نیز حافظ سعید صاحب کو جیل میں ڈالا ہے۔

اگر پاکستان کی کارکردگی بہتر ہو گئی تو نکال کر 'وائٹ' کر دیں گے ورنہ 'سرمئی' ہی چھوڑ دیں گے۔

غزنوی غوری اور ہرچرن سنگھ

ہم نے پاکستان کے مشہور میزائلوں کے نام سن رکھے ہیں مثلاً غوری، ابدالی اور غزنوی وغیرہ۔ ان ناموں کا مطلب یہ ہے کہ ہم غوری و غزنوی کے وارث ہیں۔ پھر مقابلے میں ہندوستان نے بھی ایسے نام رکھے مثلاً 'پرتھوی'، پرتھوی راج چوہان کے نام پر۔

سمجھ میں بات یہ آئی کہ پرتھوی کے مقابل میں غوری وغیرہ ہیں۔

لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ غوری و غزنوی کے ناموں کے میزائلوں سے لیس فوج میں افسر کون ہیں؟ ہرچرن سنگھ، آکاش دیو، اشوک کمار......

Senior is not always right!!

ہمارے ایک ساتھی نے بتایا (جو پہلے فوجی تھے، پھر بفضل اللہ مجاہد فی سبیل اللہ بن گئے) کہ فوج میں چند اصول ہوتے ہیں، جن میں پہلا اصول یہ ہے کہ: !Senior is always right، یعنی سینئر ہمیشہ برحق ہوتا ہے۔ پھر دوسرا اصول لکھا ہوتا ہے کہ اگر اپنے سینئر کے کسی فیصلے یا حکم پر اشکال ہو تو 'See rule number 1'۔

لیکن لیفٹیننٹ جنرل شاہد عزیز صاحب کے حوالے سے یہ اصول بدل گیا۔ جونیئرز نے ان کو اٹھایا اور پابندِ سلاسل کر دیا اور پھر اخباروں اور ٹی وی کے ذریعے معلوم ہوا کہ شہید بھی کر دیے گئے۔ شہید...... جی ہاں، کہ وہ اپنی فوج کے کردارِ اصلی کو جان گئے تھے اور اس کی وار آن ٹیرر کے خلاف ہو کر شاملِ صفِ مجاہدین بھی ہو گئے تھے...... لہٰذا شہید کر دیے گئے۔

Senior is always right صرف تب تک ہے جب تک 'فوج' کے اپنے 'عقیدے اور نظریے' سے متجاوز نہ ہو۔ اور اگر فوج کے اپنے 'عقیدے و نظریے' سے متجاوز ہو تو کہا جا سکتا ہے Senior is not always right and he can be killed too۔ (سینئر ہمیشہ برحق نہیں ہوتا بلکہ وہ 'اپنے' نظریات کی حفاظت کے لیے قتل بھی کیا جا سکتا ہے!)

ایرانی دینِ تقیہ اور کورونا وائرس

ایرانی دینِ تقیہ کے بارے میں پچھلے ماہ بھی کچھ 'نوادر' جمع کیے تھے۔ ایک اور سے حظ اٹھائیے۔

کورونا وائرس جب ایران میں پہنچا تو کتنے ہی متاثر ہوئے اور کتنے ہی ہلاک۔

لیکن ایرانی صدر کے مشیر صحت نے بس اتنا اقرار کیا کہ کورونا وائرس ایران میں ہے باقی کے اعداد و شمار سے سختی سے انکار کیا اور کہا کہ یہ پھیل نہیں رہا، صورتِ حال قابو میں ہے۔

اس تقیہ کرنے کا ثمر فوراً ہی ظاہر ہوا اور اس مشیر صاحب کو خود کورونا ہو گیا اور ابھی مارچ کے پہلے ہفتے میں یہ 'شہیدِ کورونا' ہو کر 'آگے' پہنچ چکا ہے۔

اب اسی سے اندازہ کیجیے کہ ایرانی رافضیوں کو اپنے 'دینِ تقیہ' سے اتنا پیار ہے کہ جان دے دی لیکن سچ نہ بولا!

حیوانوں کا رقص المعروف عورت مارچ!

عورت کہتے ہیں چھپی ہوئی چیز کو، اسی اعتبار سے صنفِ نازک کو مستورہ بھی کہتے ہیں۔ لیکن آٹھ مارچ کو دنیا بھر میں اور اب دو سال سے پاکستان میں بھی جو حیوانوں کی منڈی 'سج' رہی ہے، اس کو 'عورت' مارچ کہنا ہمارے لیے ناممکن ہے۔

کہتے ہیں کہ تقسیمِ ہند سے پہلے کی بات ہے کہ ایک بڑے میاں ریل گاڑی میں سوار ہوئے۔ ریل کے ڈبے میں کہیں جگہ نہ ملی سو جس حصے پر 'برائے مستورات' لکھا تھا اس میں جا بیٹھے۔ بڑے میاں لکھنوی انداز کی ٹوپی سر پر اوڑھے ہوئے تھے، گلے تک بٹن بند تھے، گلے میں گلو بند بھی تھا، کرتا آستینوں والا ہاتھوں تک آتا تھا، پاجامہ ٹخنوں سے ذرا اوپر اور بند جوتے پہن رکھے تھے۔ کچھ دیر میں کچھ بے حجاب بیبیاں بھی آ گئیں اور بڑے میاں سے ہٹنے کا مطالبہ کیا۔ بڑے میاں نہ مانے۔ بڑے میاں کو قائل کرنے کے لیے بیبیوں نے اس تختی کی جانب توجہ دلائی جس پر لکھا تھا 'برائے مستورات' تو بڑے میاں اور بھی جم کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے، 'اب تو نہ ہٹوں گا، اس پر لکھا ہے "برائے مستورات" اور تم کہاں مستور ہو؟ مستور تو میں ہوں!'۔

سو جو 'منڈی' اس بار آٹھ مارچ ۲۰۲۰ء کو ملک کے بڑے شہروں میں 'سجائی' گئی، یہ کسی طرح عورت مارچ نہ تھا۔ اس رقصِ حیواناں کا مقصد حیوانوں کے 'معاشرے' کا فروغ تھا۔ بلکہ حیوانوں کے معاشرے سے یاد آیا کہ بندر، جن کی نسل اپنے آپ کو یہ 'نسل' قرار دیتی ہے ایک بھرپور خاندانی نظام رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ جانور ہے لیکن اپنی 'حیوانیت' کے ساتھ جس قدر 'مہذب' بندر ہو سکتا ہے اس قدر مہذب یہ بندر ہوتے ہیں۔ لیکن حیرت ہے ان انسانوں پر جو جانوروں سے بھی اسفل ہو گئے۔

پھر خبر یہ بھی ہے کہ اسلام آباد میں F-6 مرکز کے سامنے واقع نیشنل پریس کلب میں ایک طرف 'عورت' مارچ ہوا تو اسی کے ساتھ اہلِ دین نے پر امن حیا مارچ کیا۔

مارچوں کے اختتام پر مہذب عورتوں نے دین داروں پر بوتلیں پھینکیں اور گھٹیا جملے کسے۔ گھٹیا جملے ایک طرف لیکن ان دین داروں کے خلاف ایک بلند کیا گیا نعرہ تھا 'دہشت گرد!'۔

اب دیکھیے کہ دہشت گرد ہوتا کیا ہے؟ اس کا دائرہ کار کیا ہے؟ اور کس کو یہ اعزاز عطا کیا جا سکتا ہے؟

مختصراً دہشت گرد اس مارچ کے پیرائے میں اس کو کہتے ہیں جو ان لبرل-سیکولر حیوانوں سے، جو اسفل طرزِ معاشرت اپنانا اور پھیلانا چاہیں..... پرامن رہتے ہوئے کہے کہ یہ مت کرو..... تو وہ دہشت گرد!

تم سیکولر ہو یا منافق؟!

عریاں مارچ کا پچھلے دو سال سے نعرہ ہے کہ 'میرا جسم میری مرضی!'۔

عریاں مارچ تشکیل دینے والے 'سیکولر و لبرل' کہتے ہیں کہ اس کا سادہ سا مطلب اپنے جسم پر من چاہا اختیار اور آزادئ اظہار ہے۔

ٹھیک ہے، تمہاری مرضی کہ تم جو مرضی کہو اور کرو۔ لیکن جب دوسرے تم پر تنقید کریں تو تم آگ بگولہ ہو جاؤ!

کیوں؟ تمہارا جسم تمہاری مرضی، تمہاری زبان، تم جو چاہو بکو..... تو پھر اس قاعدے سے ہمارا جسم ہماری مرضی اور اس جسم میں موجود ہماری زبان ہماری مرضی؛ ہم اگر اپنی مرضی استعمال کرتے ہوئے تم پر تنقید کریں تو تمہیں کیا تکلیف؟

تم سیکولر ہو یا منافق؟

عمران خاں کی 'ریاست' کب ریاستِ مدینہ کہلائے گی؟-غامدی کا فتویٰ

جاوید احمد غامدی نے پچھلے ماہ اپنے شاگردِ خاص سلیم صافی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ اگر عمران خان ریاستِ مدینہ کی بات کرتے ہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا وہ فقر اختیار کرنے کو تیار ہیں؟ کیا وہ اپنے آپ کو اور اپنے عمّال کو احتساب کے لیے پیش کرنے کو تیار ہیں؟ کیا وہ مسجد کا منبر سنبھالنے کو تیار ہیں؟

غامدی کی بات اصلاً تو ٹھیک ہے، 'طریقِ ریاستِ مدینہ' میں یہ مذکورہ سنگِ میل بھی موجود ہیں۔ لیکن اس سے پہلے سوال یہ ہے کہ کیا 'ریاستِ مدینہ' بس انہی چار پانچ 'اوصاف' پر قائم تھی کہ انصاف ہو، احتساب ہو، فقر ہو اور خلیفۂ وقت منبر پر رونق افزا ہو..... یا اس سب سے پہلے ریاست، ریاست کے آئین و قانون، ریاست کے اداروں اور ریاست کے سربراہان و عمّال کا اپنا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے؟

یہ منبر پر قبضے کا اقدام جو غامدی کی شریعت میں ذکر ہوا کیا اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ سربراہِ ریاست خود کم از کم ناظرہ قرآنِ مجید پڑھنا جانتا ہو؟ عجیب بات ہے کہ جو عمران خاں 'صلی اللہ علیہ وسلم' نجانے کتنی بار منہ کو گول کر کے اور کتنے حروف کھا کر اور کتنے اعراب اوپر نیچے کر کے کہتا ہے وہ منبر پر دین بیان کرے؟

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس!

چند روز پہلے پاکستانی سیاست دان 'مشاہد حسین سید' کی گفتگو سننے کا موقع ملا۔ اس گفتگو میں کہا گیا کہ 'جان ایف کینیڈی کے بعد ٹرمپ پہلا صدر ہے جو امریکی اسٹیبلشمنٹ، جسے امریکہ وغیرہ میں "deep state" کہتے ہیں کی بات نہیں مانتا'۔

اس بات سے اختلاف ممکن ہے، لیکن مشاہد حسین کا یہ جملہ اپنے اندر ایک عجیب معنویت لیے ہوئے ہے۔

اس وقت دنیا کا سب سے 'متمدن'، 'مہذب'، 'ترقی یافتہ'، 'انسانی اقدار سے آراستہ'، 'جمہوری' ملک امریکہ ہے۔ دنیا کی بہترین جمہوریتوں میں سے ایک 'امریکہ' ہے۔

جمہوریت کیا ہے؟

ایک ایسا نظامِ حکومت جو لوگوں کی طرف سے، لوگوں ہی کے لیے ہے۔ نظامِ جمہور یعنی لوگوں کا نظام جس میں لوگ حاکم ہوتے ہیں۔

لیکن مشاہد حسین کی بات یہ بتا رہی ہے کہ اس وقت دنیا میں انسانوں کا تراشیدہ و وضع کردہ بہترین نظام یعنی جمہوریت..... جس ملک (امریکہ) میں (اپنی تمام 'خوبیوں' کے ساتھ) نافذ ہے اس ملک میں جمہور یعنی عوام یعنی لوگ حاکم نہیں۔ سکہ deep state کا چلتا ہے۔ یعنی دنیا کی بہترین جمہوریت کیا ہے؟ ڈھونگ؟!

نوائے غزوۂ ہند

برِّصغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

'نوائے غزوۂ ہند' (سابقہ 'نوائے افغان جہاد') کے تمام معزز قارئین سے التماس ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں کہ اللہ پاک ہماری کاوشوں میں اخلاص و اتباعِ شریعت عطا فرمائے اور پھر اپنے فضل سے شرفِ قبولیت سے بھی نوازے۔ یہ بھی دعا کیجیے کہ اللہ پاک 'نوائے غزوۂ ہند' کو جہادِ ہند کی تقویت اور پورے برِّصغیر میں دعوت و جہاد کے مبادی پھیلانے کا ذریعہ بنا دے، آمین یا ربّ العالمین!

قندھار سے ڈوڈہ تک امیدوں کا موسم

محمد شاکر ترالی

جب ہندو مشرکین نے وادی پر حالیہ یلغار شروع کی تو ہم میں سے کسی کو امید نہیں تھی کہ مجاہدین کی وہ سابقہ رونقیں دوبارہ بھی دیکھ سکیں گے۔ پہلے ریحان بھائی کی اتنے سارے بھائیوں کے ہمراہ شہادت، پھر خود ذاکر موسیٰ بھائی اور اب یہ خوفناک مشرکانہ یلغار۔ پھر اسی حالیہ یلغار میں موسیٰ بھائی کے جانشین اور محترم امیر استاد ہارون عباس کی ساتھیوں سمیت شہادت اور پھر اس کے بعد بھارتی فوج کے یہ بلند بانگ دعوے کہ ہم نے ذاکر موسیٰ کے ساتھیوں کو کشمیر سے ختم کر دیا ہے، دل چیر دیتی تھی۔

یقیناً ہم تمام کشمیری مسلمان ہی منہج شریعت و شہادت سے وابستہ ہیں تو یہ مجاہدین کیسے ختم ہو سکتے تھے۔ مگر مجاہدین کی نئی عبوری قیادت کے سامنے کئی مسائل تھے، جن میں اس یلغار سے ساتھیوں کی حفاظت، انہیں پھر سے مجتمع کرنا اور ترتیبات کو پھر سے نہ صرف سابقہ حالت پر لانا بلکہ ان کو مزید بڑھانا بھی شامل تھا۔ اور پھر وہی ہوا اللہ کے برحق فرمان کے مطابق کہ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا، تنگی کے بعد آسانی آئی اور الحمد للہ آسانی آتی ہی جا رہی ہے۔ اللہ مجاہدین کو کبھی کسی آزمائش اور سختی سے دوچار نہ کریں۔ کشمیر و ہند میں مجاہدین کی دعوتی و انٹیلی جنس مہمات بحمد اللہ عروج پر ہیں۔ ایسے وقت میں جبکہ ہندوستانی مسلمانوں نے مسلم کش فسادات کرنے والے نارنجی غنڈوں کو کمال کی لگام دی اور آزاد کشمیر و بلتستان کے شیر بھی مختلف آزاد مجموعات کے تحت اکٹھے ہو رہے ہیں۔ اور ایسے شاندار وقت میں جب امارت اسلامیہ بھی عالمی طاغوت کو خاک چٹا چکی ہے، بحمد اللہ، وہاں سے مہاجرین و مجاہدین کی تائید و کمک بھی بہم پہنچنے کی سبیل کھل چکی ہے۔ اور عین اس وقت میں پاکستانی استخبارات کا چہرہ وادی میں مزید واضح ہوتا چلا جا رہا ہے اور فتنۂ خوارج سرزمینِ خراسان کی مانند وادی میں بھی باذن اللہ دم توڑ چکا ہے۔ اسلحے کی قلت کے باعث مجاہدین نے نئے ساتھیوں کی آمد جو روک رکھی تھی، محض اللہ ہی کی کرم نوازی سے یہ جمود بھی ٹوٹ گیا ہے۔ مجاہدین کرام اپنی مناسب ترتیب سے اپنے تمام معمولات بہم جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ہندوستانی افواج اور خفیہ اداروں کے تمام ہتھکنڈے ناکام ہی ٹھہرے۔ انٹرنیٹ بند کرنے سے نہ تو وہ مجاہدین کے باہمی روابط توڑ پائے اور نہ ہی ان کی عوامی حمایت میں کمی لا سکے اور نہ ہی عامۃ المسلمین سے جذبۂ نفاذ شریعت کم ہوا۔ اس پر ہم محض اللہ تعالیٰ ہی کی حمد و تعریف کرتے ہیں۔

اسی اثنا میں حزن و رجا میں ڈوبی ایک خبر کانوں نے سنی۔ ۱۹ فروری ۲۰۲۰ء کو ترال کے جنگلوں میں فدایانِ کتاب و سنت کا سہ رکنی دستہ ایک اہم مشن پر رواں دواں تھا کہ راستے میں ہندوستانی فوج ایمبش (گھات) لگائے بیٹھی تھی۔ ایمبش کا بڑا مقصد مجاہدین کو گرفتار کرنا تھا، مگر جیسے ہی مجاہدین کا دشمن فوج سے ٹاکرا ہوا، مجاہدین نے ابتدا کرتے ہوئے غاصب بزدل فوج سے جنگ چھیڑ دی، جس میں دشمن کو سخت ہزیمت و اذیت سے دوچار ہونا پڑا۔ جس کی تفصیل دشمن اپنے زیر اثر میڈیا کی مدد سے چھپانے میں کامیاب ہو گیا۔ شریعت یا شہادت کے علم بردار ہمارے قیمتی بھائی ہم سے بچھڑ گئے، اس پر ہمارے دل حزین تو ہیں ہی لیکن ساتھ ہی اس واقعے سے اللہ کی حکمت کے بہت سے بہترین پہلو بھی برآمد ہوتے ہیں۔ مجاہدین کی عبوری شوریٰ نے ساتھیوں کی تنظیم اور حفاظت کی خاطر ان کی پریزینس (موجودگی) کو عام مسلمانوں اور مناصرین سے چھپا رکھا تھا جس سے عام محبینِ جہاد بھی بہت فکرمند تھے۔ مگر حالیہ معرکۂ ۱۹ فروری میں اپنے زخم چاٹتی ہندوستانی فوج کا دعویٰ غلط ثابت ہو چکا ہے کہ ہم نے وادی سے مجاہدین کا خاتمہ کر دیا ہے۔ حالیہ یلغار سے قبل مجاہدین سے جڑے غیر منظم مناصرین جو عجلت اور پریشانی میں دائیں بائیں متوجہ ہو رہے تھے، اپنے محبوب ساتھیوں کے اس کارنامے پر ایک مرتبہ پھر مرکز کے گرد مجتمع ہونے لگے ہیں۔ دہلی سرکار ہندوستانی فوج اور انٹیلی جنس سے ان کے سابقہ دعوے پر مجاہدین کی جانب سے اس عملی رد کا جواب مانگ رہی ہے۔ جس کا جواب ان کی دنیا و آخرت میں ذلت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ شہید مجاہدینِ کرام کی تفصیل یہ ہے:

- شہید ابن شہید جہانگیر رفیق وانی (سلمان فارسی)
- راجہ عمر مقبول (عابد خان)
- مجاہد سعادت ٹھوکر (حذیفہ)

شہید والد کے مجاہد بیٹے جہانگیر کا تعلق سرزمینِ شہدا ترال کے علاقے امیر آباد سے تھا۔ آپ نے اپنے شہید والد کے نقش پا کو منزل کا سنگ میل بنایا اور راہ جہاد میں نکل پڑے۔ دو سال تک اللہ کے مشرک و بزدل دشمنوں کی آنکھوں کا کانٹا بنے رہے اور دو ماہ قبل ہی قافلۂ اسامہ بن لادن سے منسلک مجاہد ساتھیوں سے آن ملے تھے۔ نو آمدہ ساتھیوں کے ساتھ شفقت و الفت اور دیگر بھائیوں سے خیر خواہی آپ کا امتیازی وصف تھا۔ حق کی پہچان اور اس کی جانب تیزی سے دوڑنا آپ کو آپ کے شہید والد گرامی سے ورثے میں ملا تھا۔ شہید امیر موسیٰ بھائی اور ان سے منسلک ساتھیوں سے تعلق و محبت بہت پرانا تھا مگر آپ اپنے نظم میں کسی بھی قسم کے افتراق و اختلاف سے بچنا چاہتے تھے اور بالآخر کسی بھی ساتھی یا سابقہ امیر کا دل دُکھائے بغیر آپ انتہائی مناسب اور بھلے طریقے سے وہاں سے نکل آئے۔ آپ میں موجود خیر اور صرف خیر کا جذبہ اللہ رب العزت کو بہت بھایا اور اللہ نے اپنے محبوب کو اپنی جانب بلا لیا، نحسبہ کذلك۔ اللہ آپ کی شہادت کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول و منظور فرمائیں اور جنتوں میں ہمیں آپ کے ساتھ جمع فرمادیں۔ گو آپ رحمہ اللہ ہم بھائیوں میں نئے آئے تھے، اس کے باوجود ہمارے پرانے بھائیوں سے زیادہ خصوصیات اور خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ اپنے تقویٰ اور

فکر آخرت میں ہم سے بہت بلند تھے۔ ان کے خاندان سے اللہ راضی ہو جائیں کہ وہ اللہ کے دین کے لیے پے در پے قربانیاں دیے ہی چلا جا رہا ہے۔

ان کے سابقہ نظم سے منسلک معزز و مکرم مجاہد بھائیوں کو یقیناً ان کی جانب سے کوئی خاص پیغام دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ پاکستانی فوج و خفیہ اداروں کی جہادِ کشمیر سے دشمنی اب سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نور کی فراست سے دوست و دشمن کی تمیز کرنے والا اور کسی بھی طاغوت کے مفادات و حمایت کی بجائے خالص اپنے (منہج شریعت یا شہادت کے) لیے لڑنے اور مرنے والا بنا دیں۔ آمین ثم آمین۔

شہید مجاہد راجہ عمر، غربا کے اس مجموعے کے پرانے رکن تھے۔ آپ کو جہادی دعوت دینے اور میدان میں فعال کرنے والے اور کوئی نہیں بلکہ امیر محترم ذاکر موسیٰ خود تھے۔ امیر ہارون عباس کی شہادت کے بعد مجاہدین کے خاتمے کے دعوے دار مشرکین کیا راجہ عمر کو جانتے تھے؟ نہیں! کیونکہ بھائی ذاکر موسیٰ اور استاد محترم ریحان خان کی محنت بہت مستعد اور دیرپا تھی۔ انہوں نے مختلف زاویوں اور جہتوں میں کئی درجن ساتھی تیار کر کے میدان میں اتارے تھے جو عین وقت پر کھوکھلے ہندی دعوؤں کی قلعی کھول کر رکھ دیں گے۔ راجہ عمر اللہ کے برگزیدہ نوجوان بندوں میں وفاداری کا استعارہ تھے۔ آپ اس وقت بھی بھائی ذاکر موسیٰ اور ان کے ساتھیوں سے منسلک رہے جب وہ شدید بحران کا شکار تھے۔ اور اس وقت بھی بھائی ہارون عباس سے وفاداری کی جب بظاہر یوں لگتا تھا کہ یہ مجموعہ آج رہے یا کل؛ مگر آپ ڈٹے رہے اور آج الحمدللہ مجاہدین کے لیے آسانیاں ہیں۔ اور آپ اس مصرعے کے مصداق کہ

ع شام غم تو کاٹ لی سحر ہوئی چلا گیا

ہم سے جدا ہو گئے ہیں اللہ آپ کی شہادت اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، آمین۔

بھائی سعادت ٹھوکر تقبلہ اللہ سابقہ جماعت الدولہ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ اہل اسلام سے بے جا سختی اور تکفیر و شدت نے اس لطیف روح کو ان میں زیادہ دیر تک نہ رہنے دیا (کشمیر میں اس جماعت کے ارکان افغانی داعش کے نقوش پر چلتے ہوئے بھارتی فوج کو سرینڈر ہوئے ہیں)۔ اور ہم بقیہ مخلصین کی بابت اللہ سے ہدایت کے خواستگار ہیں۔

آخر میں ہمارا پاکستان و ہند میں بسنے والے اہل اسلام سے سوال ہے کہ کب تک آپ برِصغیر کے مستقبل کی جنگ لڑتے اپنے ان بے آسرا فرزندوں کی نصرت سے آنکھیں چرائے رکھیں گے؟ آیئے اٹھ کر خود کو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مصداق بنا لیجیے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: وَعَدَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ الْهِنْدِ، فَإِنْ أَدْرَكْتُهَا أُنْفِقْ فِيهَا نَفْسِي وَمَالِي، وَإِنْ قُتِلْتُ كُنْتُ أَفْضَلَ الشُّهَدَاءِ، وَإِنْ رَجَعْتُ، فَأَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ الْمُحَرَّرُ .

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے غزوۂ ہند کا وعدہ کیا۔ پس اگر میں نے غزوۂ ہند کو پالیا تو میں اس میں اپنا مال اور جان کھپا دوں گا۔ اور اگر میں اس میں مارا گیا تو میں افضل شہیدوں میں سے ہوں گا اور اگر میں زندہ لوٹ آیا تو میں جہنم سے آزاد ابو ہریرہ ہوں گا۔“

اللہ ہمیں یہ تمام سعادتیں پانے والے بنا دیں، آمین!

بقیہ: ہر میر کارواں سے مجھے پوچھنا پڑا

باغی، سرچڑھی، بے قابو جنسِ بازار بنا دینا۔ چیختی چلاتی، مردوں کے بیچ (باریک سی) نسوانی آواز میں رعب گانٹھتی، نسوانیت پر تہمت لگاتی اب جا بجا دیکھی جا سکتی ہے۔ حال ہی میں ٹریفک پولیس سے لڑتی جھگڑتی عین اسی حال حلیے کی ایک ننھی سی نے (جسے پولیس نے ڈرائیونگ کے دوران موبائل کے استعمال پر روکنے کی گستاخی کی) جو منحنی سی چنگھاڑتی قیامت کھڑی کی! سوشل میڈیا پر خوب بھد اڑائی گئی۔ عورت کا وقار پامال ہوا۔ یہ لڑکی مخنث زبان (انگریزی اردو کا ملغوبہ) میں چن چنا تا ہوا احتجاج کر رہی تھی کہ 'یہ پاکستان ہے؟ یہ مسلمان ملک ہے؟ اور اس میں عورت سے (پولیس والے نے) پنجابی میں بات کرنے کی جرأت کیسے کی؟ مسلمان ملک میں تم اس طرح پنجابی میں بات کیسے کر سکتے ہو؟!' (عربی میں کرتے؟ اگرچہ بی بی کا حلیہ اور زبان انگریزی تھی)۔ ٹوکے جانے پر چلائی: 'تم صرف شٹ اپ ہو جاؤ! اس ملک میں عورتوں کے کوئی حقوق نہیں ہیں'۔ اس نئی عورت کا حق یہ ہے کہ اس سے انگریزی ملی اردو میں بات ہو؟ (گلف نیوز۔ ۱۹ فروری)

یہ مناظر بھگتنے کو تیار رہیے ابھی تو ۸ مارچ کی تربیت جو دی جا رہی ہے اس کی تیاری کی وڈیو کلپس میں مردوں کو Rapist (عصمت دری کے مجرم) کا یکساں خطاب دیا جا رہا ہے۔ مرد و زن باہم دگر مقابلے، دنگل کے مغربی فساد کو ہمارے خاندانی نظام کی چولیں ہلانے کو بویا جا رہا ہے۔ مخلوط ویلنٹائن ڈے موسیقی پروگرام، اسلام آباد میں نجی سکول کالج، یونیورسٹی کا حصہ ہے۔ نیز ایک موبائل فون کمپنی (ملٹی نیشنل) نے ورلڈ بینک پروگرام، GLWE، (لڑکیاں سیکھیں، عورتیں کمائیں) کے تحت جو اہتمام کیا، اس بارے بتایا کہ خواتین کا افرادی قوت کی فراہمی کا ۲۰۲۵ء تک کا ہدف پینتالیس (۴۵) فیصد پانے کا یہ اہتمام ہے۔ اس وقت صرف چھبیس (۲۶) فیصد عورت کام کر رہی ہے۔ اس میں رکاوٹ سماجی رویے اور گھریلو ذمہ داریوں کی بہتات ہے۔ (جس سے بچ نکلنے کو اب 'اپنا موزہ خود ڈھونڈو، اپنا کھانا خود گرم کرو' تربیتی مہم ہے۔) آنے والا وقت ملک اور گھروں میں کیا غدر مچانے کو ہے، یہ منڈلاتے تاریک سائے دیکھ لیجیے۔ نسوانیت کی موت، تہذیبوں، اقوام کی موت کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے۔ قوم میں صحیح الفکر دانشوروں، رہنماؤں کا کیا ایسا کال پڑ چکا ہے کہ کوئی تشویش کی لہر بدترین سمت جاتے رجحانات کے مقابل دکھائی نہیں دیتی؟

ہر میر کارواں سے مجھے پوچھنا پڑا
ساتھی ترے کدھر کو سدھارے کہاں گئے

’شرعی‘ جہاد راہِ نجات ہے!

الشیخ المجاہد افضل گورو شہید عِلیہ الرحمہ

جہاد کا آئین قرآن وسنت ہوتا ہے، جہاد کے لیے مومنانہ قائدین و قیادت ہونے چاہییں۔ جہاد کے لیے مومن مجاہد ہونے چاہییں......

بے شک ابراہیم و موسیٰ، آزر و فرعون کے گھر میں پرورش پاتے ہیں مگر جب وقت تقاضا کرتا ہے تو آزر و فرعون کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ حق کے لیے، سچائی و انصاف کے لیے، اللہ کے بھروسے پر تنہا کھڑا ہونا ہوتا ہے چاہے اکیلا ایک مومن ہی کیوں نہ ہو... جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔

کشمیری نوجوان کے نام:

نوجوانانِ کشمیر! شہدا کی امانت، ان کا مشن آپ کے کندھوں پر ہے۔ اس کو آگے لے جانا آپ پر ایسا ہی فرض بن چکا ہے جیسے نماز اور روزہ...... بھارتی فوج کی موجودگی میں ہمارا مال، ہماری جان، سب سے بڑی چیز ایمان اور ہماری بیٹی، ماں، بہن کی عزت نہ صرف غیر محفوظ ہے بلکہ اس کا لٹنا یقینی ہے (اگر ہم کھڑے نہ ہوئے تو)۔ یہ لڑائی و جنگ اب ہماری ماں بیٹی کی عزت و عصمت بچانے کے مرحلے و مقام تک پہنچ گئی ہے، اب حجت قائم ہو چکی ہے۔

نوجوانانِ کشمیر! غازی بابا کے مشن کو لے کر آگے بڑھنا ہو گا ورنہ ہمارا دینی وجود اور تشخص ختم ہو جائے گا۔ یہ جنگ اب ہماری وجودی (Existential) جنگ بن گئی۔ گھر گھر کے باہر، سڑک، میدان، جنگل، کھیت، سکول ہر جگہ ظالم و جابر فوج موجود ہے۔ ہماری زندگی کا ہر پہلو اب اس قابض فوج کے رحم و کرم پر ہے۔ غفلت، بے حسی، جمود ہمارے ملی و دینی وجود کو ختم کر کے رکھ دے گی۔ ہماری آنے والی نسل کی تباہی کے ذمہ دار ہم ہوں گے، سکولوں میں ایک ایسا تعلیمی نظام رائج ہے جو ہماری اخلاقی وروحانی اقدار و اصولوں کے خلاف ہے۔ یہ نسل جب ایسے نظام میں پرورش پائے گی تو ان کی سوچ، فکر، جذبہ، اٹھنا بیٹھنا غرض ہر چیز اخلاقی و روحانی اقدار و اصولوں سے خالی ہو گی۔ آنے والی نسل کو بچانے کے لیے بھی جہاد کو آگے بڑھانا ہو گا۔ زندہ رہنا ضروری نہیں، زندگی کا مقصد ضروری ہے۔ مسلمان کی جان خون میں نہیں بلکہ ایمان میں ہوتی ہے۔ جب ایمان و غیرت کا شعلہ بجھ گیا پھر انسان و حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ جب پھول میں خوشبو ہی نہیں تو پھول کا کیا فائدہ؟

شہید آفاق شاہؒ ایک مثال:

نوجوانانِ کشمیر! ہمیں شہید آفاق شاہ کا طرزِ عسکریت اپنانا ہو گا۔ شہید آفاق شاہ رحمہ اللہ شہید غازی بابا رحمہ اللہ کا مرید اور شاگرد، ایک پر اسرار ۲۰ سال کا نوجوان، شہر سری نگر کا مردِ مومن، غازی باباؒ کی پر اسرار و وجدانی نظر اس نوجوان کو سیدھا جنت ’ملاءِ اعلیٰ‘ تک لے گئی۔ اس نوجوان نے جہادِ کشمیر کی تاریخ میں ایک نئے باب، ایک نئے طریقے، ایک نئی عاشقانہ ادا کو جنم دیا۔ بھارتی قابض و ظالم فوج کے مرکزی ہیڈ کوارٹر، بادامی باغ میں پچیس سے تیس بھارتی فوجیوں کے پرخچے اڑا دیے اور خود سیدھا جنت میں جا پہنچا۔ اس بیس سالہ پاکیزہ نوجوان نے کوئی سرحد پار نہیں کی، کوئی ٹریننگ نہیں کی تھی۔ اس کے دل میں طلب و تڑپ تھی۔ اس شہر سری نگر کے نوعمر نوجوان نے شہادت کے ذریعہ زندگی کی سچائیوں سے ہمیں آگاہ کیا۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

اس نوجوان کو کشمیر میں ظالم فوجی قبضہ پسند نہیں تھا، اس نوجوان سے ملت کا غم، ملت کی توہین دیکھی نہیں جاتی تھی، یہ نوجوان پاک نظر اور پاک دل کا مالک تھا۔ مرید کی طلب و تڑپ پیر و مرشد کو کھینچ لائی، یہ ایک وجدانی و روحانی معاملہ ہے۔ بہر حال غازی باباؒ نے چند نوجوانوں سے مشورہ کیا، ان کے دل کی کیفیت جاننی چاہی، یہ معصوم بیس سالہ نوجوان، اس ملت کا پھول کھڑا ہو گیا، شہادت کے مشن کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا، اس نوجوان نے غازی بابا کو حیرت میں ڈال دیا۔

آفاق شہیدؒ بابا کی طرف لپک کر گیا اور آنسو جاری ہو گئے۔ مرید نے مرشد کا دامن اپنے موتیوں جیسے آنسوؤں سے تر کر دیا، مرشد بھی رو پڑا، پوری مجلس رو پڑی، عرش اعلیٰ پر قبولیت کا سامان پیدا ہو گیا۔ آفاق شاہ رحمہ اللہ فرزندانِ ملت کا ایک فرد، چھوٹی گاڑی میں سوار ہو کر ظالم بھارتی سامراجی فوج کے ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا۔ ہاتھ بٹن پر، ہونٹوں پر کلمۂ توحید...... ایک زوردار دھماکہ ہوا اور پچیس تیس فوجیوں کی لاشیں زمین پر...... آفاق رحمہ اللہ کی روح عرشِ اعلیٰ پر...... اللہ اکبر! بھارتی خفیہ اداروں کی نیندیں اڑ گئیں۔ بھارت نواز حکمرانوں کا چین اڑ گیا۔ ایک نئی ابتدا ایک نئی ادا، ایک نیا نعرہ......

غلامی سے نفرت

کشمیر کے سنگ بازو! آفاق شاہ رحمہ اللہ اور اس کے مرشد غازی بابا رحمہ اللہ کے مقبروں کی زیارت کرو، اپنے دل کی گہرائیوں کو جانچو، جھنجھوڑو، اپنے دل، ضمیر اپنی روح کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ تمہیں ایک صدا، ایک آواز، ایک دھڑکن سنائی دے گی کہ انسان آزاد پیدا ہوا اور اس کو آزاد رہنے کا حق اللہ پاک نے دیا ہے۔ غلامی ذلت اور موت ہے بلکہ موت سے بدتر۔ اہل ایمان غلام نہیں ہو سکتے اور جو غلامی پر مطمئن ہے اس میں ایمان کا آخری درجہ ہے۔ جب ایمان ہی نہیں تو پھر زندگی کا کیا مطلب؟ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے، پھول کی حقیقت خوشبو، آگ کی حقیقت گرمی، برف کی حقیقت سردی۔ دین و ایمان کی بھی حقیقت ہے، حیا اور غیرت ایمان سے ہے، سادگی ایمان سے ہے، راستے سے پتھر رکاوٹ ہٹانا ایمان کی آخری حقیقت ہے۔ اگر ہم بھارتی فوج کی موجودگی سے پریشان نہیں، اگر ہم ان کے ساتھ دل سے

ہنس کر بات کرتے ہیں اگر ہم اپنے ارادہ اور اختیار کے ساتھ ان سے مطمئن ہیں تو ہمارے دل میں ایمان کا آخری درجہ بھی موجود نہیں۔ جنہوں نے ہماری ایک نسل کو ختم کیا، ہماری ماؤں، بہنوں کی عزت و عصمت تار تار کی، ہمارے گھروں باغوں ہمارے مال کو تباہ کیا، جو ہماری جان، مال اور عزت کے ساتھ کھیل رہے ہیں، ان کے ساتھ رہنے میں جو کراہت ، بے چینی اور پریشانی محسوس نہیں کر رہا اس میں ایمان کا آخری درجہ بھی موجود نہیں۔ غداروں کے ساتھ زندہ رہنا ہی غداری ہے۔

بزدلی سے عمر نہیں بڑھتی

ایک دن غازی بابا بس میں سفر کر رہے تھے، راستے میں ایک جگہ سخت تلاشی ہو رہی تھی، فوج نے تمام مردوں کو کہا کہ بس سے اتر جاؤ تاکہ ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تلاشی لی جائے۔ تمام مرد اور بچے بس سے اتر گئے اور بس میں صرف عورتیں رہ گئیں، لیکن غازی بابا بس میں ہی اپنی سیٹ پر رہے۔ جب فوجی نے غازی بابا کو کہا کہ تم کیوں قطار میں کھڑے نہیں ہو رہے ہو؟ غازی بابا نے کہا آپ تلاشی لے لو۔ (ہم اپنی بہن بیٹیوں کو غیروں کے ساتھ اکیلا نہیں چھوڑتے) میرا دین مطالبہ کر رہا ہے کہ میں ان بہنوں اور ماؤں کے بیچ میں رہوں۔ فوجی بے زبان ہو کر نیچے اتر گیا۔ حالانکہ غازی بابا سب سے زیادہ (vulnerable) تھے اور سب سے زیادہ مشکل میں پڑ سکتے تھے لیکن ایمانی غیرت نے ان کو نیچے اترنے سے روکا۔ موت اور زندگی کے فیصلے زمین پر نہیں آسمان پر ہوتے ہیں۔ بزدلی و بے غیرتی سے انسان کی عمر طویل نہیں ہو جاتی اور ہمت و حوصلہ اور غیرت سے انسان کی عمر کم نہیں ہو جاتی۔ غازی بابا بہت حساس اور غیرت مند مردِ مومن تھے۔ بے حیائی اور بے شرمی کو جہاں پر دیکھتے اسی وقت اس کا خاتمہ کر دیتے تھے؛ جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں۔

تحریکِ کشمیر کا ایک رنگ

اس وقت مجھے جیل میں دس سال ہو چکے ہیں اور کشمیر میں لاکھوں نوعمر نوجوان بچے بھارتی فوج کا پتھروں سے مقابلہ کر رہے ہیں جن کے دلوں سے بزدلی، بے غیرتی اور غفلت نکل چکی ہے۔ یہ تحریک کا ایک نیا مرحلہ، نیا باب اور بھارتی سامراج کے لیے نیا پیغام ہے۔ اخلاقی و روحانی اور اصولی طور پر یہ سب تبدیلی، بیداری اور قومی و ملی شعور و فکر کا ارتقا شہدا کے اخلاص، ان کی قربانی، ان کے ایثار، ان کے کردار جو وہ پیچھے چھوڑ گئے ہیں، کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔ شہدا کے زندہ ہونے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اپنے عملی کردار سے قوم و ملت کا جمود توڑ کر قوم کو متحرک کر دیتے ہیں۔ بزدلی، بے غیرتی، بے یقینی کی جگہ قوم و ملت کے نوجوانوں کو (خصوصاً) ہمت و حوصلہ، غیرت مندی اور یقین و ایمان کی برق سے متحرک کر دیتے ہیں۔ واعظ جن الفاظ کو دہراتے دہراتے تھکتے نہیں وہ الفاظ بے جان و بے روح ہوتے ہیں۔ لیکن جب یہ الفاظ جو کسی فکر، احساس اور جذبے کو پیش کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان کے لیے انسان اپنی جان پیش کرتا ہے تو ان الفاظ میں جان و روح داخل ہو جاتی ہے، پھر ایک اخلاقی، روحانی تحریک اور بیداری قوم و ملت میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ چیز، یہ بات یہ حقیقت ہم نے اپنے شعور و وجدان سے محسوس کی تھی اور اب جب کہ قوم و ملت سراپا احتجاج ہے اور بیداری کا اظہار کھل کر کر رہی ہے، ان جسمانی آنکھوں نے وہ چیز دیکھی جس کا وجود پہلے صرف شعور و وجدان میں تھا۔ غازی بابا ان باتوں کو کہتے رہتے تھے، مجھے یقین آتا تھا مگر ضعیف ایمان و یقین کی وجہ سے کبھی کبھی شکوک و شبہات کے بادل یقین کو دھندلا کرتے تھے جس کی ایک وجہ قوم کی بے کیفی، بے یقینی اور غفلت تھی۔

قول و عمل ایک ہو

غازی بابا کی ایک بڑی صفت یہ تھی کہ وہ پہلے کام کرتے تھے پھر نصیحت و وعظ فرماتے، وہ وہی بات کہتے تھے جو کرتے تھے۔

"اے لوگو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے...... دوسروں کو نصیحت کرتے ہو لیکن خود کو بھول جاتے ہو، یہ بات اللہ کو پسند نہیں۔" (القرآن)

غازی بابا نے قرآنی روح کو سمجھ لیا تھا کہ اللہ پاک نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ ہم وہ بات کہیں جو کرتے نہیں یا جو کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اس وقت معاملہ زیادہ یہی ہے بڑے بڑے پلیٹ فارم، جلسے، سیمینار منعقد کیے جاتے ہیں، لاکھوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے لوگوں کو جمع کرنے میں، مصنوعی اشتہارات، غلط پراپیگنڈے کر کے لوگوں کی فکر اور جذبے کو متاثر کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سب کے پیچھے جو مقصد، ہدف، پروگرام اور ایجنڈا ہوتا ہے وہ عین اس کے برعکس ہوتا ہے جو کہا جا رہا ہوتا ہے۔ اخلاقیات و اقدار، وعظ و نصیحت کو اب تاجرانہ نیت و ارادے سے پیش کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ عبادات میں دکھلاوا، ریاکاری اور نفاق حد سے تجاوز کر چکا ہے۔ بڑے بڑے دعوے کیے جاتے ہیں لیکن عمل و ایثار سے خالی...... زکوٰۃ و صدقہ کی تلقین دوسروں کو کی جاتی ہے جب کہ اپنے عزیز و اقارب شہدا کے ناموں پر فنڈ جمع کرنے، زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے پر مامور کیے جاتے ہیں، نتیجہ آج جن کے پاس کرائے کا گھر یا ایک معمولی رہائش ہے، سفر کے لیے سائیکل تک میسر نہیں، چند سالوں کے بعد ان کے پاس کروڑوں کا مکان، سفر کے لیے قیمتی گاڑیاں، جسم موٹاپے کا شکار، پیٹ باہر، قیمتی کپڑے اور دیگر اسراف۔ ان ہی بدنصیب اور ذلیل لوگوں کو دیکھ کر کل جنت میں شہید اور وہ لوگ جنہوں نے ان کے کہنے پر اپنا مال اور جائیداد اللہ کی راہ میں خرچ کیا تھا کہیں گے: ارے آپ جہنم میں؟ آپ ذلت کی حالت میں؟ جب کہ آپ کی بات، نصیحت و وعظ سن کر ہم جنت کے حق دار بن گئے! یہی وہ لوگ ہیں جن کی زبانوں کو لوہے کی قینچیوں اور خنجروں سے کاٹا جائے گا، بار بار نئی زبان ملتی رہے گی اور بار بار کاٹی جائے گی مگر عذاب میں کوئی کمی نہیں ہو گی......

اے اللہ! ہم کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، اپنے غصے اور عذاب سے بچا لے، آمین!

مائیگریشن بِل

محمد راشد دہلوی

"جب وہ آئے تو ہم نے سوچا کہ اب ہماری مدد کی جائے گی۔ لیکن انہوں نے آتے ہی ہم پر وحشیانہ طریقے سے اتیاچار (ظلم) کرنا شروع کر دیا۔ اسی اثنا میں میرے منہ سے 'یا اللہ' نکلا، جس کو سن کر دہلی پولیس کے ایک دہشت گرد نے مجھے آتنک وادی (دہشت گرد) کہا اور مجھ پر خوب تشدد کیا۔"

(یہ الفاظ ہیں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں زیرِ تعلیم ایک طالبِ علم کے)

آر ایس ایس شدت پسند ہندو تنظیم کے مکر و فریب کی چکی سے تربیت یافتہ بی جے پی، اقتدار میں آتے ہی مسلمانوں پر، ان کی اقتصادی، معاشی اور مذہبی حالت پر حملہ آور ہوئی جس کے نتیجے میں وہ مسلمانوں کو ہندوستان میں بد سے بدتر اور دَلِتوں سے بھی زیادہ ذلت کے گڑھے میں پھینکنا چاہتی ہے۔

ابھی بابری مسجد کا زخم تازہ ہی تھا کہ مائیگریشن بل نے مسلمانوں کے سامنے ایک بار پھر یہ ثابت کیا ہے کہ ہندو ایک مذہب، ایک قوم، ایک تہذیب اور اکھنڈ بھارت کے مشن پر گامزن ہیں اور وہ مسلمانوں کو یہ پیغام دے رہیں ہیں کہ اگر ہندوستان میں رہنا ہے تو 'جے شری رام' اور 'وندے ماترم' کہنا ہو گا۔

جامعہ سے سلیم پور تک

احتجاجوں، قراردادوں اور ظالموں سے اپنا حق مانگنے سے کبھی کسی قوم کا بھلا نہیں ہوا ہے۔ لال قلعہ، قطب مینار، جامع مسجد چیخ چیخ کر مسلمانوں کو یہ پیغام دے رہی ہے کہ مسلم قوم کی فلاح کا راستہ افغانستان، صومالیہ، یمن، شام اور الجزائر سے ہوتا ہوا ہندوستان کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔

دارالکفر میں رہنا، اس کی شہریت حاصل کرنے کے لیے جدو جہد کرنا، اس کے قانون، عدالتوں، اس کے نظام کو ماننا، اس کا احترام کرنا کسی بھی غیرت مند مسلمان کو منظور نہ ہو گا کیوں کہ یہ ملک آپ کا ہے اور آپ ہی نے اس ملک میں امن و امان قائم کر کے دکھایا ہے جس کے ذریعے ہندوستان کی ظلمت میں ڈوبی دھرتی کو اسلام نے پاک کر دیا تھا۔

مسلمانوں کا مقصد اس ملک کو کفر سے پاک کر کے اس میں پاک شرعی نظام کو قائم کرنا ہے۔ تو پھر صرف شہریت کے لیے کیوں کر احتجاج کیا جائے اور میدان سجایا جائے؟

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے غیور طلبہ

دہلی کی جامعہ یونیورسٹی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی لائبریریوں میں موجود تاریخ کی کتابیں اپنے پڑھنے والے طلبہ سے یہ پوچھنے میں حق بہ جانب ہیں کہ کیا ہندوستان کا زیرِ تعلیم طبقہ یہ جوش و جذبہ رکھتا ہے کہ وہ اپنے آبا کے راستے پر چل کر اپنی قوم کی گرتی بگڑتی ہوئی صورتِ حال کو سنبھال لے اور قوم کی سربلندی کے چراغ کو پھر سے جلا دے؟

ہندوستان میں بسنے والے بوڑھوں، بچوں، نوجوانوں اور خواتین کا درد، ان کی پریشانی اپنے دل میں رکھنا اور ان کے لیے اپنی جان کی بازی تک لگا دینا اور ان کے لیے نہتے ہی درندوں سے بھڑ جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دین پر اور دین کے ماننے والوں پر مٹنا نہیں چھوڑا ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ......

کیا صرف احتجاجوں سے، چیخنے چلّانے سے یا پھر بھارت کا جھنڈا اپنے ہاتھوں میں لینے سے اور پر امن مارچ سے ہندوستان کے مسلمانوں کا بھلا ہو سکتا ہے؟

نہیں، بالکل نہیں!!!

بابری مسجد کا فیصلہ آستھا کی بنیادوں پر دیے جانے سے......

کشمیر کا خاص درجہ ختم کر کے کشمیر کو کشمیریوں کے لیے قید خانہ بنانے سے......

لاکھوں مسلمانوں کو شہید کرنے اور ان کی املاک کو تباہ کرنے سے......

یہ بات واضح ہے کہ ظالم کے ہاتھوں کو تلوار سے ہی کاٹا جائے گا، جب بھی ظالم کے ہاتھ ہماری ماؤں، بہنوں کی عزتوں کی طرف بڑھیں گے، جب کبھی ناپاک ہاتھ ہمارے رب کے گھر کو شہید کرنے کے لیے بڑھیں گے، اس وقت انہیں اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے گا۔

سلیم پور اور دہلی کے جانباز مسلمان

ایک بار پھر سلیم پور اور دہلی کے غیور نوجوانوں نے مسلح پولیس کے سامنے سنگ باری کر کے اور اپنی جانوں کو داؤ پر لگا کر ہندو دہشت گردوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ ہمارے اندر اپنے دین پر اور اپنی قوم پر مر مٹنے کا جذبہ ایسا ہے جیسا تمہارے اندر جینے کا جذبہ ہے۔

کانگریس کے دورِ حکومت میں شیلا دکشت (سابق وزیرِ اعلیٰ) کے سِیلنگ اور ڈیمولیشن (Sealing and Demolition) کے خلاف سلیم پور کے ہی مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور کبھی وندے ماترم کے خلاف، کبھی بابری مسجد کے لیے اپنی جان و مال کو قربان کیا۔

نیت و صحیح راہ

ہندوستان میں بسنے والے جانباز مسلمانوں سے، غیور طلبہ سے اور قوم کا درد رکھنے والے مسلمانوں سے یہ درخواست ہے کہ اپنی قربانی کو، اپنی کوششوں کو اور اپنی تکلیف کو اللہ رب

العزت کے لیے خالص کر لیجیے کیوں کہ مسلمانوں کے لیے دنیا و آخرت میں کامیابی کا راستہ صرف اور صرف جہاد میں ہے۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ہندوستان یا دنیا کے کسی بھی خطے میں مسلمانوں کو کامیابی نبوی منہج اختیار کر کے ہی ملی ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی بنائی گئی مسجدیں اور عمارتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہمارے آبا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چل کر ہی اس ملک میں امن و امان قائم کیا ہے۔ پھر امن بھی جان لیجیے کہ کیا چیز ہے؟

اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ پاکیزہ دینِ اسلام یہ عقیدہ دلوں میں راسخ کرتا ہے کہ "امن" اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور امن کو ربّ العالمین نے شریعت کی اتباع کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ جتنا زیادہ کوئی معاشرہ شریعت سے دور، آخرت سے غافل اور رب کی گرفت سے بے خوف ہو گا، اتنے ہی زیادہ وہاں جرائم پھیلے اور پھلیں پھولیں گے! معاشرے میں اللہ کا خوف اور رب کے سامنے جوابدہی کا احساس زندہ ہونا بذاتِ خود جرائم کی روک تھام اور امن کے قیام کی سب سے بڑی ضمانت ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہؓ کے پاکیزہ معاشرے میں کسی پولیس یا انتظامیہ کے گشت کے بغیر ہی محض ایک حکم آنے پر جاموں میں بھری اور لبوں سے لگی شراب چھوٹ گئی، بلکہ بعض حضرات جو کچھ پی چکے تھے اور مزید پی رہے تھے، انہیں نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ حرام کی گئی شراب ان کے پیٹ میں رہے اور انہوں نے زبردستی قے کر کے اس کو نکالا...... یہ ہے امن!

اور یہ امن یعنی شریعت کا نفاذ آئے گا:

1. اس دینِ حق کی جانب ہر شعبہ ہائے زندگی میں دعوت سے۔
2. جو قوت ہو سکے جمع کرنے سے؛ افراد، اموال، ہتھیار، افکار، علوم، فنون، تیار بندھے گھوڑے۔
3. پھر جہاں جہاں جس جس کی گردن کا سریا اس نفاذِ حق کی راہ میں حائل ہو تو اس کے خلاف قتال کرنے سے۔

اللہ ہمیں حق کو حق دِکھلائے اور باطل کو باطل پھر اس حق کی خاطر مر مٹنے کا جذبہ بھی ہم میں پیدا فرمائے، آمین!

★★★★★

دلی کا مسلمان نوجوان 'شاہ رخ' اسلامیانِ ہند کا محافظ و بطل گرفتار

ہندوستان سے بھائی 'خیر الدّین بھٹکل' کے قلم سے

پچھلے مہینے راجدھانی دلی میں ہندو دہشت گرد تنظیموں کی طرف سے بڑے پیمانے پر مسلم مخالف دنگے شروع کیے گئے۔ جن کی تیاری بہت وقت سے جاری تھی۔ انتہائی دکھ کی بات یہ ہے کہ ان دنگوں میں پولیس نے دنگائیوں کی پوری طرح ساہتا (حمایت) کی۔ یوں تو دلی میں عام آدمی پارٹی کی سرکار ہے مگر راجدھانی ہونے کے ناطے یہاں کی سکیورٹی، دیکھ ریکھ مرکزی سرکار ہی کرتی ہے۔ اس لیے دنگائیوں کو پوری سرکاری سپورٹ حاصل تھی۔ مسلمانوں کے کئی ہزار کروڑ کے گھروں اور دکانوں کو بھی نقصان پہنچایا گیا۔ لیکن اب کی بار بہتر بات ایک یہ ہوئی کہ مسلمانوں کی جانب سے بھی جواب میں اپنی حفاظت کی پوری کوشش کی گئی۔ اور اپنے اکثریتی آبادی والے علاقوں کو محفوظ بنایا۔ اسی لیے گھروں اور دکانوں میں آگ لگانے کے علاوہ ہندو دہشتگرد راستوں اور سڑکوں پر آتے جاتے مسلمانوں کو ہی شہید کر پائے۔

انہی دنگوں میں ایک مسلمان نوجوان شاہ رخ نے صرف ایک پستول کے ساتھ جعفر آباد کے کئی علاقوں سے بڑے بڑے دنگائی غنڈوں کو بھگایا اور مختلف جگہوں پر ان کے گھیرے میں پھنسے اسّی (۸۰) مسلمانوں کی جانیں بچائیں۔ یہ سارے میڈیا کی رپورٹوں میں محفوظ ہے کہ کس طرح پہلے پولیس آگے آتی تھی اور پھر دنگائی۔ یہ ایک مشترکہ آپریشن تھا۔ اسی میں اس مسلمان مجاہد شاہ رخ نے بھی جب بہت سارے دنگائیوں کو سر پر پیر رکھ کر بھاگنے پر مجبور کیا تو ایک پولیس والا ان کے سامنے آیا، ان کے رک جانے پر روڈ کی دوسری سمت سے جب دنگائی بڑھنے لگے تو انہوں نے ان پر صرف ایک فائر کیا جس سے وہ کئی سو لوگ پیچھے بھاگے، اور انہوں نے اس پولیس والے کو اپنی حد میں رہنے کا کہا جو دنگائیوں کو آگے لا رہا تھا۔ یہ سب چیزیں کیمرے میں محفوظ ہوئیں۔ فائنل یہ کہ بھائی شاہ رخ کو دلی پولیس نے یوپی سے گرفتار کر لیا ہے۔ مگر مسلمانوں کے زیادہ سپورٹ بھائی شاہ رخ ہی کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بھائی کو جلدی سے رہائی دے، آمین۔ شاہ رخ کے والدین شادی سے قبل سکھ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ جبکہ وہ مختلف وجہوں سے جیل میں رہے اور اس واقعے سے تین دن پہلے جیل سے چھوٹے تھے۔ بھائی شاہ رخ ایک عام کھلنڈرا نوجوان ہے۔ جو گانے بھی سنتا تھا اور ہندوؤں سے دوستیاں بھی رکھتا تھا۔ دنگے پھوٹنے کے بعد وہ اپنی بہن کو بچانے آیا تھا۔

شاہ رخ نے اپنے گھر کے مدعے سے اس کو مسلمانوں کا وشے بنایا اور دلی کے مسلمانوں کا ہیرو بن گیا۔ ایسے میں جبکہ وہ کسی بھی جہادی پارٹی کا ورکر نہیں تھا۔ اگر نیت میں صرف اللہ کی رضا ہو تو ایسے طور سے بھی ہم دفاع کے فرض کو پورا کر سکتے ہیں۔ یہ عظیم کار ہم سب کے لیے ایک نمونہ ہے۔ یہ اس بات کو پکا کرتا ہے کہ ہماری رکشا کا ایک ہی راستہ دین پر عمل اور کم از کم اپنے دفاع میں جہاد ہے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ رکھا ہے۔ اللہ ہمیں اپنے کردار کو پہچاننے اور پورا کرنا والا بنائے، آمین۔

★★★★★

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں

محمد علی پرتاپ گڑھی

کشمیری مسلمان دہائیوں سے ہندوؤں کے جس ظلم و ستم کا نشانہ بنتے آرہے ہیں وہ نا صرف اپنی پوری شدت کے ساتھ جاری ہے بلکہ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اب یہ ظلم فقط کشمیر اور کشمیری مسلمانوں تک محدود نہیں رہا۔ اگر کوئی مسلمان ہو تو مودی سرکار کے لیے کیا کشمیری اور کیا غیر کشمیری، سب برابر ہیں؛ اور اس کا ثبوت بھارت کے وہ اقدامات ہیں جن کے ذریعے بھارت میں رہنے بسنے والے مسلمانوں پر ان کی اپنی ہی زمین تنگ کی جارہی ہے۔ پہلے آسام کے مسلمانوں کے ساتھ بھارتی شہریت ثابت کرنے کے نام پر ظلم ہوا اور پھر اس ظلم کا دائرہ پورے ملک کی سطح پر شہریت ترمیمی بل اور شہریوں کی رجسٹریشن کے قانون کے نام پر پھیلا دیا گیا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ مسلمانوں کے خلاف لائے گئے ان قوانین کے خلاف پرامن احتجاجی دھرنے، جلسے کرنے والے یونیورسٹی کے طلبا اور دیگر مظاہرین کے ساتھ ساتھ دہلی کے مسلم اکثریتی علاقوں میں مسلمانوں کے خلاف منظم کریک ڈاؤن کیا گیا جس نے 'سیکولر' بھارت کے غیر مسلم باشندوں کو بھی یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ موجودہ حالات ۱۹۸۴ء کے سکھ مخالف دنگوں اور ۲۰۰۲ء کے مسلم کش فسادات ہی کی ایک اور مثال ہیں۔

بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی، وزیر داخلہ امت شاہ اور آر ایس ایس کے نظریے پر گامزن بی جے پی کے ہر خاص و عام کی مسلم دشمنی کوئی آج تو واضح نہیں ہوئی؛ یہ تو اس جماعت کے بنیادی منشور میں پیوست ہے جو کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ گجرات کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے جو کچھ مودی نے احمد آباد کے مسلمانوں کے خلاف کیا، بعینہٖ وہی کچھ بھارت کے وزیر اعظم کی حیثیت سے پہلے کشمیر، پھر آسام اور اب عین بھارتی دارالحکومت دہلی میں مسلمانوں کے خلاف دہرایا۔ یہ مودی سرکار کی مسلم کش ذہنیت ہی تو ہے کہ جسے بھارت کی بھاری اکثریت نے ووٹ دے کر اقتدار میں لا بٹھایا ہے۔ مودی کو وزیر اعلیٰ سے وزیر اعظم بنانے والوں کا واحد مقصد یہی ہے کہ سیکولر بھارت کو ہندو بھارت میں تبدیل کر کے یہاں کی زمین مسلمانوں پر اس قدر تنگ کر دی جائے کہ مسلمان یہاں سے ہجرت پر مجبور ہو جائیں۔ جس طرح کہ گجرات فسادات کے موقع پر وہاں کی انتظامیہ، پولیس اور قیامِ امن کے ذمہ دار ادارے خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہے بلکہ عملاً ہندو بلوائیوں کا ساتھ دیتے رہے، اسی طرح دارالحکومت دہلی کے مسلم اکثریتی علاقوں میں مسلمانوں کے قتلِ عام، ان کی مساجد، مزار اور املاک جلانے اور تباہ کرنے کے دوران وہاں کی انتظامیہ، پولیس اور شہریوں کو تحفظ فراہم کرنے کے ذمہ دار دیگر اداروں کے اہلکار تین روز تک بلوائیوں کا ساتھ دیتے رہے۔ یاد رہے کہ یہ فسادات دہلی کے انہی حصوں میں ہوئے ہیں جن حلقوں میں بی جے پی کے امیدواروں نے کامیابی حاصل کی ہے۔

پولیس کی ایلیٹ فورس اور SWAT (Special Weapons and Tactics) فورس کی ٹیمیں آئیں بھی اور گئیں بھی مگر انہوں نے ہنگاموں کو روکنے کے لیے کچھ نہ کیا۔ یقیناً انہیں کچھ نہ کرنے ہی کا حکم تھا۔ بلوائیوں نے پورے اطمینان کے ساتھ ہندوؤں کی دکانوں اور کاروباروں کے سامنے شناختی جھنڈے گاڑے تاکہ ان کی املاک کو نقصان نہ پہنچایا جائے اور مسلمانوں کی جان و مال کے ساتھ خون کی ہولی کھیلی گئی۔ لوگوں کے شناختی کارڈ دیکھے گئے اور چن چن کر مسلمانوں کو مارا گیا اور ان پر تشدد کیا گیا۔ جس شخص پر مسلمان ہونے کا محض شک بھی گزرا اسے بھی نہیں بخشا گیا۔ بالخصوص مسلمان گھروں پر پٹرول بم مارے گئے، مساجد کو شہید کیا گیا، ان کی بے حرمتی کی گئی، ان میں آگ لگائی گئی اور میناروں پر چڑھ کر انہیں منہدم کیا گیا اور ان پر بھارتی جھنڈے لہرائے گئے۔ سوشل میڈیا پر نشر ہونے والی تصاویر اور ویڈیوز میں مساجد کی تباہی اور اس کے نتیجے میں سڑک پر بکھرے قرآن پاک کے نسخوں کے مقدس اوراق، جنہیں مسلمان چن رہے ہیں، واضح دیکھے جاسکتے ہیں۔ اور یہ سب منظر عام پر آجانے کے باوجود دہلی پولیس کہتی ہے کہ یہاں کچھ نہیں ہوا اور یہ سب پراپیگنڈا ہے! سوشل میڈیا پر نشر ہونے والی ویڈیوز میں یہ تک دیکھا گیا کہ شہریت بل کے حق میں مظاہرے کرنے والے، شاہین باغ میں اس بل کے خلاف مظاہرہ کرنے والوں کو پتھر مار رہے ہیں اور پولیس والا کہہ رہا ہے جاؤ پتھر مارو، جتنا مارنا ہے مارو۔ پولیس نے مظاہرین کے احتجاجی کیمپ کو نذرِ آتش کیا اور وہاں موجود خواتین کو بھی زدوکوب کیا۔

اگر بھارتی مسلمانوں میں سے کوئی یہ سمجھتا ہے کہ یہ اتفاقی 'حادثہ' تھا اور ایسا دوبارہ نہیں ہوگا تو یہ اس کی بھول ہے۔ یہ سب یونہی اچانک نہیں ہو گیا بلکہ باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت کیا گیا۔ بھارتی صحافی، پریم پانیکر کے مطابق "یہ اچانک نہیں ہوا، اس کی تیاری پہلے سے ہو رہی تھی۔ شہریت کے قانون کی منظوری کے بعد چھوٹے چھوٹے ٹارگٹڈ حملوں (جامعہ ملیہ اور جے این یو) سے شروعات ہوئی، پولیس ہر واردات میں لاتعلق اور مرکزی حکومت خاموش رہی۔ اب اسی چھوٹے ماڈل کو بڑے پیمانے پر دہلی میں نافذ کیا گیا ہے"۔

بی جے پی کا ایک رکن کپل شرما پولیس کی موجودگی میں واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ "ٹرمپ کے (دورۂ بھارت سے واپس) جانے تک تو ہم شانتی سے جا رہے ہیں لیکن اس کے بعد ہم آپ کی بھی نہیں سنیں گے"۔ یہ اور بات کہ انہوں نے تو ٹرمپ کی واپسی کا بھی انتظار نہ کیا اور اس کی موجودگی میں ہی مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ بابر پور مندر کا ایک پنڈت گوراو شاستری کہتا ہے کہ "ابھی ہم نے ہلکا ہاتھ رکھا ہوا ہے، ایک مرتبہ ٹرمپ چلا جائے تو یہاں کوئی مسلمان نہیں بچے گا"۔

مسلمانانِ ہندوستان کے لیے اتنی ہی تنبیہ کافی ہونی چاہیے کہ عقل مند کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ اگر مسلمانانِ ہند اپنی جان و مال، اپنے دینی و قومی تشخص کی خاطر اب بھی نہ اٹھیں گے تو یہی سب کچھ دوبارہ بھی ہو گا اور ہر مسلم اکثریتی علاقے میں ہو گا، ۱۹۴۷ء کے واقعات پھر سے دہرائے جائیں گے، مسلمانوں کی جان، عزت، مال سب کچھ داؤ پر لگے گا اور پورے بھارت کے مسلمان انہی حالات سے دوچار ہوں گے جن کا شکار کشمیری مسلمان سالہا سال سے ہیں۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں 'کے مسلمانو'!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔ فقط دہلی میں تیس پینتیس لاکھ سے زائد مسلمان آباد ہیں۔ اگر کسی چیز کی کمی ہے تو اس جرأت و ہمت کی جو اس بزدل ہندو کے سامنے ڈٹ کھڑے ہونے کے لیے درکار ہے۔ مسلمانوں کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ یا وہ اپنے دین، اپنی اقدار اپنی جان و مال اور اپنی عزتوں کے تحفظ کی خاطر اٹھ کھڑے ہوں اور یا پھر یونہی بھیڑ بکریوں کی طرح جگہ جگہ ذبح کیے جائیں اور چیونٹیوں کی طرح مسل ڈالے جائیں۔ مسلمان کو اللہ رب العزت نے دبنے اور پسنے کے لیے پیدا نہیں کیا بلکہ کُل جہان کی نگہبانی و پاسبانی کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس کو وہ کامل شریعت اُس رب العزت نے عطا کی ہے جو قیامت تک کے لیے کافی شافی ہے۔ ضرورت اس جسدِ خاکی میں ایمانی روح پھونکنے کی ہے جو مسلمان کو مردِ مومن بنا کر کھڑا کر دے، کہ نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

صرف کشمیر اور فلسطین ہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں مسلمانوں پر ظلم ڈھایا جا رہا ہے۔ ادلب سے بے گھر و دربدر ہونے والے لاکھوں مہاجرین کی حالتِ زار دیکھیے جو نقطۂ انجماد سے بھی کئی درجے کم درجۂ حرارت میں، اپنے پورے پورے گھرانوں اور ننھے ننھے بچوں کے ساتھ کئی ماہ سے کھلے آسمان تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، وہ کہ جنہیں کوئی پناہ دینے کو تیار نہیں؛ کبھی کہیں سے دھتکارے جاتے ہیں تو کبھی کہیں سے لوٹائے جاتے ہیں؛ اتنے اسلامی ممالک میں سے کوئی ایک بھی ان کے لیے اپنی سرحد کھولنے کو تیار نہیں ہے۔ ان کی نگاہوں کے سامنے، ان کی گودوں میں، ان کے ننھے معصوم بچے سردی سے ٹھٹھر کر جان دے رہے ہیں مگر کسی کو ان کی حالت پر ترس نہیں آتا۔ گرم کمروں، گرم بستروں، گرم لباسوں اور بھرے پیٹوں والوں کو ان کا درد آخر محسوس بھی کس طرح ہو سکتا ہے!

پھر مومنین ہیں اور مجاہدین ہیں جو ساری دنیا میں آزمائے جا رہے ہیں۔ گزشتہ دنوں ایک ویڈیو نگاہ سے گزری جس میں ایک شامی مسلمان کو نُصیری فوجی لا اِلٰہ اِلا اللہ کہنے کے جرم میں زندہ دفن کر رہے ہیں؛ وہ لا اِلٰہ اِلا اللہ پکارتا ہے تو نصیری فوجی چیخ کر کہتا ہے کہ یہ مت کہو بلکہ کہو (نعوذ باللہ) لا اِلٰہ اِلا البشار، اور وہ مردِ مومن زمین میں مکمل دفن ہونے تک مسلسل پکارتا رہتا ہے، یااللہ! ما لنا غیرک (یااللہ! ہمارا کون ہے تیرے سوا)۔

ان بے نام مومنین مجاہدین کی اور ان بے کس مسلمان گھرانوں کی قربانیاں ضائع نہیں جائیں گی۔ جس طرح اللہ رب العزت نے امارت اسلامیہ کے طالبان کو عظیم الشان فتح نصیب فرمائی ہے، اللہ رب العزت اسی طرح پوری دنیا کے مسلمانوں کو، اس امت کو فتح یاب فرمائے گا، مگر تب جب یہ امت اپنے دعوئ ایمان میں سچی ثابت ہو گی۔

اے مسلمانانِ ہندوستان! وقت آ گیا ہے کہ آپ اپنے دین، اپنی زمین اور اپنی جان و مال کے دفاع میں اٹھ کھڑے ہوں، ہمارا اور آپ کا رب کبھی آپ کو تنہا نہیں چھوڑے گا، یہ اس کا وعدہ ہے اور اللہ رب العزت سے بڑھ کر اپنے وعدوں کو پورا کرنے والا کوئی نہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمدللہ رب العالمین

★★★★★

بقیہ: اِک نظر اِدھر بھی!

پاکستان، کہ جس میں ضروریات زندگی بالعموم ہی پہنچ سے دور ہو چکی ہیں، وہ تو یقیناً ایک دوراہے پر کھڑا ہے۔ ایک سمت یہ تمام غربت، ظالمانہ سرکاری بھتے، بے روزگاری اور مہنگائی ہے جس میں مزید سے مزید تر اضافہ ہوتا جائے گا اور دوسری طرف تھوڑی سی محنت کے بعد ایک شاندار اور بابرکت اسلامی نظام جو کہ مصائب کی اس دلدل سے نکلنے کا واحد راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً○وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْراً○ (سورۃ الطلاق)

''اور جو بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لیے مصیبت سے چھٹکارے کی کوئی نہ کوئی شکل نکال دیتے ہیں۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو۔ اور جو بھی اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتے ہیں۔ اللہ تو ضرور بالضرور اپنا کام پورا کر کے رہیں گے۔ پس تحقیق کہ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک مقدر طے کر رکھا ہے۔''

سلطانئ جمہور

علی بن منصور

عمیر نے حد درجہ سنجیدگی کے ساتھ ان کی جانب پرچہ بڑھایا تھا۔ انہوں نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پرچہ لے لیا۔ اس پر صاف لکھائی میں ترتیب وار اخراجات درج تھے۔

تجدید پاسپورٹ فیس: ۱۵۰۰ روپے

ویزا: ۲۵۰۰۰-۳۰۰۰۰ روپے

ائیر لائن ٹکٹ: ۳۴۰۰۰ روپے

رجسٹریشن فیس...... رہائش...... طعام...... رابطہ کاری...... متفرق خرچے...... ہندسے روپے سے سنگاپوری ڈالر میں تبدیل ہو گئے تھے، ایک طویل فہرست کے اختتام پر کم از کم مجموعی تخمینے کا عدد درج تھا۔ '۲۵۰،۰۰۰ روپے'، یہ اس منصوبہ پر آنے والا کم از کم خرچہ تھا۔ ابو بکر صاحب نے ایک سرسری نگاہ تمام اخراجات پر ڈالتے ہوئے پرچہ عثمان صاحب کی جانب بڑھا دیا۔ ناک سے عینک اتار کر اپنے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی مدد سے انہوں نے دونوں آنکھوں کے درمیان، ناک کی ہڈی کو زور سے دبایا اور پھر جیب سے رومال نکال کر عینک کے چشمے رگڑنے لگے۔ انہیں کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا کہ گفتگو اور مکالمہ اب کیا رخ اختیار کرنے والا تھا، یہ پرچہ تو محض تمہید تھا جو کہ اب عثمان صاحب کے بعد جاوید صاحب کے ہاتھوں میں تھا۔

'بھائی جان! مجھے فخر ہے کہ ہم سب ایک باشعور جمہوری نظام کا حصّہ ہیں جس میں ہم ایک دوسرے کی رائے اور مشورے کا احترام کرتے ہیں اور اسے اہمیت دیتے ہیں۔ مگر ابھی جو یہ معاملہ درپیش ہے اس میں مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ مشورہ اور رائے تو دور کی بات، ہمیں مطلع کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا گیا اور اس کورس کے لیے اپلائی کیا گیا اور رجسٹریشن تک کروالی گئی۔ اب جب چناؤ بھی ہو چکا تو اب جا کر اس معاملے کی خبر پارلیمان کو ہوئی ہے، وہ بھی اس لیے کہ اب پیسوں کی ضرورت ہو گی، جس کے لیے یہاں بات کرنا ضروری ٹھہرا...... گو کہ پیسوں کا معاملہ بھی بالا ہی بالا طے کیا جا سکتا تھا، اب بھی اسے ہم مہربانی ہی سمجھتے ہیں کہ ہمیں بھی اس قابل سمجھا گیا کہ اس کورس کے بارے میں بتایا جاتا'، عمیر نے بات کا آغاز کیا۔

'ایسی کوئی بات نہیں ہے چاچو! اس کورس کے لیے اپلائی کرنے سے پہلے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرا چناؤ ہو جائے گا۔ گو کہ میں نے سنجیدگی سے ہی اپلائی کیا تھا، مگر چونکہ یہ کوئی حتمی معاملہ تو تھا نہیں، اس لیے صرف آپ نہیں بلکہ میں نے تو ابّو سے بھی ذکر نہیں کیا تھا'، ولید نے عمیر کے شکوے کا جواب دیا۔

'یہی تو میں کہہ رہا ہوں! تم نے یہ معاملہ سب سے چھپایا اور کسی کے سامنے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور اب اچانک جب کورس کے لیے جانے میں اور اس کی تیاری وغیرہ کرنے کے لیے محض دو ہفتے رہ گئے ہیں تو تم بتا رہے ہو، اور مزید یہ کہ تم چاہتے ہو کہ تمہیں جانے کی اجازت بھی دی جائے اور تمہارے جانے کا انتظام بھی کیا جائے۔ گویا کہ ایک پورے ڈھائی لاکھ کا خرچہ ہے، جو تم پر کیا جائے'۔

'چاچو!'، ولید لمحہ بھر کے لیے لاجواب ہوا تھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ عمیر یوں کھرا کھرا اسے تمام خرچہ گنوا دے گا، اچانک ہی اسے اپنا آپ بہت حقیر محسوس ہوا، جیسے وہ باپ اور چچاؤں سے اپنے لیے بھیک مانگ رہا ہو۔ 'چاچو یہ کورس ہماری کمپنی کے لیے مفید ہے۔ پلاسٹک اور لیدر گُڈز کے ڈیزائن اور مینوفیکچر پر ایک تفصیلی سٹڈی ہے اور ساتھ ساتھ اپرینٹس شپ کا ایک سنہری موقع۔ میں کوئی یہ کورس صرف اپنے لیے تو نہیں کرنا چاہ رہا، مجھے اپنی ڈگریوں میں مزید ایک ڈپلومہ کا اضافہ کرنے کا کوئی ایسا شوق نہیں مگر میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ میں نہیں تو کوئی اور سہی، مگر یہ ہمارے کاروبار کے مفاد میں ہے کہ اس کورس سے جو کچھ سیکھنے کا موقع مل رہا ہے، اس سے ضرور فائدہ اٹھایا جائے۔ بلکہ اب آپ نے یہ ذکر چھیڑ ہی دیا ہے تو میرے خیال میں، یہ کورس کرنے کے لیے مجھ سے زیادہ جاوید چچا قابلیت رکھتے ہیں۔ اور نہ صرف قابلیت بلکہ تجربہ بھی'۔ اس نے ملامت بھری نظروں سے عمیر کی جانب دیکھتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی۔

'بھئی مجھے تو تم معاف ہی رکھو، میری شادی ہو چکی ہے، اب میں مزید پڑھائیوں میں اپنے بال سفید نہیں کر سکتا'، جاوید صاحب نے ماحول کو ہلکا کرنے کے لیے مسکرا کر کہا، 'مگر عمیر! مجھے تمہارے اعتراض کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی، یہ ٹھیک ہے کہ ولید نے پہلے سے ہمیں نہیں بتایا لیکن اگر بتایا بھی ہوتا تو بھی سلیکشن لیٹر آنے تک تو کسی بھی قسم کی تیاری نہیں کی جا سکتی تھی۔ اور وہ کل ہی آیا ہے، سو ظاہر ہے کہ تیاری بھی اب ہی ہو گی۔ بلکہ لیٹر میں تو انہوں نے سنگاپورین سٹڈی ویزا کی فوری فراہمی کا بھی وعدہ کیا ہے تو پھر آخر پریشانی کس بات کی ہے؟'۔

'پریشانی کس بات کی ہے؟!'، عمیر نے حیرت و استعجاب سے ان کا سوال دہرایا، 'جاوید بھائی، کمال کرتے ہیں آپ۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ ڈھائی لاکھ روپے مجھے دیں، میں نے انڈیا جا کر اپنی کمپنی کی مصنوعات متعارف کرانی ہیں۔ ڈھائی لاکھ روپے زوار کو بھی دیں، وہ امریکہ جا کر ایک کورس کرنا چاہتا ہے۔ ڈھائی لاکھ روپے نبیلہ کو دیں، اس کو ہوم اکنامکس میں ایم ایس کرنے کا شوق ہے، اتنا خرچہ تو کم از کم آئے گا ہی۔ پھر سب کو ڈھائی ڈھائی لاکھ روپے دیں۔ بتائیں دے سکتے ہیں آپ؟'۔

’عمیر! کوئی عقل کی بات کرو۔ ابھی ہم ولید کے متعلق بات کر رہے ہیں، اس میں باقی سب کا معاملہ کہاں سے آگیا؟‘، عثمان صاحب نے ناگواری سے تنبیہ کے انداز میں کہا۔

’باقی سب کا معاملہ کہیں گیا ہی کب تھا بھائی جان۔ وہ تو شروع سے موجود ہے، ہاں اگر آپ دیکھنا نہ چاہیں تو اور بات ہے۔ لیکن میں آپ سب سے یہ پوچھنے کا حق تو رکھتا ہوں ناں کہ کیا ہم ایک جمہوریت ہیں یا نہیں؟ کیا ہم نے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ ”تمام افرادِ خانہ کی حیثیت مساوی ہو گی، سب کو ایک سے مواقع فراہم کیے جائیں گے، اور قانون کی نظر میں سب برابر حیثیت کے حامل ہوں گے۔ سب کے ساتھ منصفانہ و مساویانہ سلوک کیا جائے گا......“‘، اس نے جذباتی انداز میں بولتے ہوئے ایک ہاتھ سے دیوار پر چسپاں تحریر کی جانب اشارہ کیا، ’پھر اب کہاں ہیں وہ ایک سے مواقع؟ کیوں نہیں کیا جا رہا ایک سا سلوک؟ ولید کے لیے یہ امتیازی رویہ کیوں ہے؟؟؟‘۔

’عمیر، ہماری کوشش سب کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنے کی ہی ہے۔ آخر سب ہی اپنے ہیں، ولید کے ساتھ باقیوں کی نسبت کوئی زیادہ رشتہ داری تو نہیں ہے۔ اور یہ کس نے کہا ہے کہ باقیوں پر خرچہ نہیں کریں گے۔ کریں گے بالکل کریں گے، جیسے جیسے جس جس کا وقت اور موقع آئے گا، اس پر اس کے مطابق خرچہ کریں گے‘، ابو بکر صاحب نے عمیر کو ٹھنڈا کرنے کے لیے نرمی و مفاہمت سے کہا۔

’نہیں بھائی جان، یہی تو ناانصافی ہے۔ ولید کو آپ نے کیمبرج کی تعلیم دلوائی، اس کے اولیول اور اے لیول پر لاکھوں کا خرچہ کیا، جبکہ زوار نے چند ہزار میں میٹرک اور انٹر کیا۔ یہ نبیلہ بیٹھی ہے، یہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی، میرٹ سے ذرا سے ہی کم نمبر آئے تھے ناں، آپ چاہتے تو اسے بھی as a cash candidate، پرائیویٹ ایم بی بی ایس کروا دیتے، مگر اسے اپنا شوق مار کر معمولی آنرز پر اکتفا کرنا پڑا۔ آخر یہ تضاد کیوں ہے؟ ایک پر تو لاکھوں خرچ کر دیے جائیں اور کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہو اور دوسرے پر چند ہزار خرچ کر کے کہہ دیا جائے کہ دونوں کو یکساں مواقع فراہم کیے تھے‘، عمیر نے ایک بار پھر انہیں کٹہرے میں لا کھڑا کیا تھا۔

’میں نے کوئی ناانصافی نہیں کی، یہ ان سب کی اپنی پسند اور اختیار سے ہی ہوا ہے۔ اولاً زوار کو پڑھنے کا کوئی خاص شوق نہیں تھا، پھر ہم نے تو پابند کیا نہیں اس نے اپنی پسند سے میٹرک اور انٹر کا انتخاب کیا تھا۔ یہی معاملہ نبیلہ کا ہے، اسے شوق تھا ڈاکٹری کا مگر ایسا شدید شوق نہیں تھا جو ڈاکٹری کی بھاری بھر کم تعلیم کے پانچ سال اس کے لیے آسان کر دیتا۔ پھر ضرورت بھی کیا ہے اسے اتنی سخت اور محنت طلب تعلیم کے حوالے کرنے کی جب وہ تعلیم آئندہ زندگی بھی اس کے لیے آسان بنانے کے بجائے مشکل ہی بنائے گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان فیصلوں میں میری رائے اور مشورے کا کوئی دخل نہیں، لیکن میں نے کسی بچے پر اپنا فیصلہ زبردستی نافذ نہیں کیا‘۔

’مگر بھائی جان! بات تو وہی ہے ناں۔ نہ تو یکساں مواقع ملے سب کو، نہ سب پر یکساں طور پر خرچ کیا گیا۔ اور اب بھی یہی کیا جا رہا ہے۔ اگر ولید کو اتنے مہنگے کورس کے لیے باہر بھجوانا ہے تو کم از کم اتنا ہی خرچہ باقیوں پر بھی کیا جائے۔ اتنا نہیں کر سکتے تو اس کا نصف ہی سہی، مگر کچھ تو مداوا کیا جائے۔ جب باقی بچے یہ امتیازی سلوک دیکھتے ہیں تو آپ کا کیا خیال ہے، انہیں دکھ نہیں ہوتا؟ انہیں محسوس نہیں ہوتا کہ وہ محروم کیے جا رہے ہیں؟ ان کا حق مارا جا رہا ہے؟ اگر آپ ایک سے حقوق فراہم نہیں کر سکتے تو کم از کم...... کم از کم کسی درجے میں مداوا کرنے کی کوشش تو کریں‘، عمیر اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولا۔

اگست کا آخری عشرہ شروع ہو چکا تھا۔ یوں تو موسم میں کوئی خاص قابلِ محسوس تبدیلی نہیں آئی تھی مگر جون جولائی کے چلچلاتے دنوں کے بعد اب شامیں قدرے ٹھنڈی ہو گئی تھیں۔ اپنے لیے چائے کا کپ بنا کر صولت بیگم لاؤنج میں بیٹھ کر آرام سے چائے پینے کے ارادے سے آئی تھیں، مگر وہاں حسن حسین ٹی وی کے آگے محفل جمائے بیٹھے تھے، ان سے کچھ کہنے سننے کو جی نہ چاہا تو وہ لاؤنج کا باہر کی جانب کھلنے والا جالی کا دروازہ کھول کر، لان میں چلی آئی تھیں۔ بڑا سا خوبصورت لان، اس وقت خالی پڑا تھا۔ وہ لان کے ایک کونے میں رکھی پلاسٹک کی کرسی پر آ بیٹھی تھیں۔ اپنی چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے انہوں نے چاروں طرف نظر دوڑائی، گھر کے بڑے سے گیراج میں اس وقت تین میں سے کوئی ایک بھی گاڑی نہیں کھڑی تھی، آج چاروں بھائی ہی کسی نہ کسی کام سے نکلے ہوئے تھے۔ جاوید اور عثمان صاحب کی تو اب تک دکانوں سے واپسی ہی نہ ہوئی تھی جبکہ ابو بکر صاحب بھی نذیر کو لے کر کسی کام سے نکلے ہوئے تھے۔ عمیر کا انہیں کچھ اتہ پتہ معلوم نہیں تھا مگر غالب گمان یہی تھا کہ وہ اور زوار بھی گھر میں موجود نہیں ہیں۔

’کتنی ویرانی چھائی ہوئی ہے‘، انہوں نے چائے کا ایک گھونٹ بھرتے ہوئے سوچا۔ گو کہ خزاں کا موسم تھا مگر لان کی دیواروں پر پھیلی سدا بہار بیلوں کا ہرا بھرا پن اس کا قطعی احساس نہیں ہونے دے رہا تھا۔ چاروں جانب گھاس اتنی ہی نرم و سرسبز، اور پھول ویسے ہی کھلے ہوئے تھے جتنے اوائل بہار میں تھے۔ لان کے آخری حصے میں، گیٹ کے بالکل ساتھ کھٹا لیموں کا پودا پھل سے لدا ہوا تھا۔ ’کل ہی سلمیٰ سے کہہ کر لیموں اترواتی ہوں‘، انہوں نے سوچا۔ اس پر سال میں دوسری دفعہ پھل آیا تھا۔ پہلی دفعہ انہیں یاد تھا کہ ادھر چند لیموں شاخوں پر نمودار ہوتے، ادھر لڑکیوں میں سے کوئی نہ کوئی انہیں چن لیتی۔ سب کو اس عرصے میں لان میں بیٹھ کر سبز چائے پینے کا اس قدر شوق تھا، اور اب، حالانکہ لان اتنا ہی یا پہلے سے کچھ زیادہ ہی خوبصورت تھا، موسم گو حبس زدہ تھا مگر کمروں کی نسبت تو باہر کا موسم بہت بہتر تھا، اور لان کے مناظر بھی اتنے ہی دعوت خیز تھے، مگر اب شاید کسی کو بھی باہر آ کر بیٹھنے میں دلچسپی نہیں رہی تھی۔ گو کہ پودوں اور پتوں سے خزاں کا احساس نہ ہو رہا تھا، مگر وہ شاید فضا پر چھائی ہوئی تھی، یا پھر دلوں پر۔

آج ولید کو گئے ہوئے پورا ہفتہ ہو گیا تھا۔ وہ بخیر و عافیت سنگاپور پہنچ گیا تھا، اس نے اپنے پہنچنے کی اطلاع بھی دے دی تھی اور تقریباً روز ہی ایک آدھ بار فون کر کے حال چال پوچھ لیتا اور اپنا بتا دیتا۔ فی الحال تو اس کی مصروفیت عروج پر تھی کہ ابھی وہاں پہنچ کر سیٹ ہونے کا مرحلہ درپیش تھا۔ مگر...... انہوں نے ذہن پر زور ڈال کر گزشتہ ہفتے کے تمام دنوں پر غور کیا...... فائزہ بیگم اور بینش سے ملاقات ہوئے بھی غالباً آج پورا ہفتہ ہو گیا تھا۔ وہ یہیں موجود تھیں، گھر میں، اپنے پورشن میں، مگر پورا پورا دن گزر جاتا اور ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے کے لیے تھوڑا سا وقت نکالنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ آخری دفعہ ولید کی روانگی پر ہی وہ سب ابّا جی کے کمرے میں اکٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے قدرے حسرت سے گیٹ کی جانب بنے فائزہ بیگم والے پورشن کی طرف دیکھا۔ پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا۔ پہلے وہ سب روزانہ نہیں تو دو تین دنوں میں ایک بار تو ضرور لان میں یا ابّا جی کے کمرے میں یا پھر فائزہ بیگم و بینش کے لاؤنج میں ہی، کہیں نہ کہیں ضرور اکٹھے ہوتے تھے۔ بچیوں سے چائے اور لوازمات کی فرمائش کر کے وہ تینوں بیٹھ جاتیں اور پھر خاندان کے قصّے، پرانے لطیفے، فیشن کے نئے رواج، اور روز مرّہ کی حکایتوں پر مشتمل دلچسپ محفل جمتی تھی۔ مگر اب دونوں پورشنز میں موجود ٹی وی سیٹس نے ساری محفلیں اپنی جانب کھینچ لی تھیں۔

ولید کے جانے کے دو دن بعد نسرین بھی عبد اللہ کو لے کر اپنے سسرال چلی گئی تھی۔ اس کی ساس اور نند کی کراچی سے واپسی ہو گئی تھی سو وہ چند دنوں کے لیے ادھر رہنے چلی گئی تھی۔ اس کے جانے سے گھر کی ویرانی اور اداسی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ نبیلہ اور فاطمہ البتہ گھر میں ہی تھیں، مگر وہ دونوں تو آج کل گھر میں ہوتے ہوئے بھی موجود نہ ہوتی تھیں۔ نبیلہ کے بارے میں وہ بہت فکر مند تھیں۔ وہ ان کی شوخ و شریر بیٹی، فطرتاً بہت شوقین مزاج بھی تھی اور پارہ صفت بھی، پل میں تولہ، پل میں ماشہ۔ کبھی ٹھنڈی میٹھی بارش جیسی اور کبھی شعلہٗ جوالا۔ مگر اب جو تبدیلی وہ اس کے اندر محسوس کر رہی تھیں وہ اس کی طبیعت و مزاج کا حصّہ نہیں تھی۔ ایک تو وہ ہر وقت ہی انہیں خود سے بہت فاصلے پر محسوس ہوتی، نجانے اس کا دماغ کہاں مصروف رہتا تھا اور کیا کچھ اس کے اندر پکتا رہتا تھا۔ ایک عجیب سا باغیانہ انداز تھا، جو اس کی ہر بات اور ہر حرکت سے ظاہر ہوتا تھا۔ آج کل جیسے وہ تلاش میں رہتی تھی کہ کہاں اس کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے، اور پھر چاہے مکھی برابر معاملہ ہو یا ہاتھی جتنا، وہ اس پر احتجاج کرنے، اور کرتے رہنے کو اپنا فرضِ اولین بنا لیتی۔

حسن حسین پتنگ کیوں اڑا رہے ہیں، میں نے بھی اڑانی ہے۔ سب کے لیے چائے ہمیشہ میں یا فاطمہ ہی کیوں بنائیں، زین یا زوار کیوں نہیں بنا لیتے؟ سارے لڑکے ہر ویک اینڈ پر کرکٹ کھیلنے ماڈل ٹاؤن پارک جاتے ہیں، ہم لڑکیاں کیوں نہیں جا سکتیں؟ حسن حسین کے یونی فارم میں کیوں استری کروں؟ اپنا کام وہ خود کریں۔ کیا میری کوئی زندگی نہیں؟ کیا مجھے تفریح کا کوئی حق نہیں؟ کیا تمام حقوق لڑکے اپنی پیدائش کے ساتھ اپنے نام لکھوا کر لے آئے تھے اور ہم لڑکیاں کیا صرف ان کی خدمت و سیوا کے لیے پیدا ہوئی ہیں؟ اور حتیٰ کہ...... وہ انڈوں سے الرجک تھی، مگر چونکہ زوار نے ناشتہ میں دو انڈے کھا لیے تھے، سو اس کو تین چاہیے تھے! عجیب خبطی سی ہوتی جا رہی تھی۔ اپنی عمر، عقل اور رتبے سے گر کر وہ کیسی بچگانہ حرکتیں کر رہی ہے، اسے قطعی احساس نہ تھا۔ بس مقابلہ بازی کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جس میں وہ صبح و شام مشغول رہتی، کڑھتی رہتی، اپنا بھی خون جلاتی اور دوسروں کو بھی پریشان کرتی۔ رہی فاطمہ...... تو وہ تو سدا سے اس کی اندھی مقلّد تھی۔ بلکہ صرف فاطمہ پر ہی کیا موقوف، گھر کی تمام لڑکیاں ہی بھیڑ چال کی پورے شد و مد سے قائل تھیں۔ نبیلہ ایک چیز کی ریت ڈالتی اور پیچھے پیچھے فاطمہ، جویریہ، ہادیہ، سب ہی چل پڑتیں۔

گھاس پر کرسی گھسٹنے کی آواز پر ان کی سوچوں کا سلسلہ منقطع ہوا تھا۔ انہوں نے چونک کر سر اٹھایا، ابّا جی ان کے برابر کرسی کھینچ کر اب احتیاط سے اس پر بیٹھ رہے تھے۔ اپنی واکنگ اسٹک انہوں نے قریب رکھی میز سے ٹکا دی تھی۔ ’بڑے گہرے غور و فکر میں مصروف ہو بیٹی!‘، وہ مسکرا کر بولے۔ ’فکرِ فردا میں گم ہو یا غمِ دوش میں مبتلا؟‘۔

’مجھ کم عقل نے کیا غور و فکر کرنا ہے ابّا جی، یونہی اندر بیٹھا نہیں جا رہا تھا تو چائے لے کر باہر آ گئی۔ آپ کے لیے چائے لاؤں؟‘، انہوں نے ایک گہری سانس بھر کے جواب دیا۔

’نہیں! شکریہ! میں چائے پی چکا ہوں۔ نسرین اور ولید، دونوں کی ہی بہت کمی محسوس ہو رہی ہے‘، ابّا جی ان کی اداسی کا سبب ان کے کہے بغیر بھی جانتے تھے، شاید اس لیے کہ ان کی کیفیات مشترکہ تھیں۔

’جی...... خیر نسرین تو ان شاء اللہ آ جائے گی چند دنوں میں، ولید خدا جانے کب آتا ہے۔ بس اللہ کرے خیر سے جس مقصد کے لیے گیا ہے وہ پورا کر کے آئے‘۔

’ہوں...... اللہ کرے!‘، ابّا جی نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا، ’صولت بیٹی! اس بیل کے پھول ختم ہو گئے کیا؟‘، انہوں نے اپنی کھڑکی سے متصل دیوار سے لپٹی بیل کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

’کون سی؟ یہ رات کی رانی؟‘، صولت بیگم نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھتے ہوئے تجاہلِ عارفانہ سے پوچھا۔ حسبِ توقع ان کے سوال پہ ابّا جی تڑپ اٹھے تھے۔

’رات کی رانی نہیں بیٹا، دن کا راجہ کہو۔ رات کی رانی کہاں سے لگ رہی ہے یہ تمہیں؟‘، ابّا جی کو رات کی رانی کی خوشبو سخت ناپسند تھی۔

’وہ...... ابّا جی، سفید پھول جو کھلتے ہیں اس پر......‘

’سفید پھول! سفید تو چنبیلی بھی ہے، نسرین اور گلِ مہتاب بھی سفید ہوتے ہیں اور چمپا بھی، تو کیا ان میں تمہیں کوئی فرق نظر نہیں آتا؟ یا بس کلاسیفیکیشن کی ایک ہی شرط ہے کہ ’سفید پھول‘ کے عنوان کے تحت یہ سب ایک ہی نسل کے پھول ٹھہرے!‘۔

’تو ابّا جی کیا یہ چنبیلی نہیں؟‘، اس بار ان کی حیرت حقیقی تھی۔

'ارے واہ! معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کبھی اس بیل کے پھولوں کو غور سے دیکھا ہی نہیں۔ اس کے اتنے بڑے بڑے پھول تمہیں چنبیلی کے لگتے ہی۔ تم نے دیکھا نہیں کیسی موتیوں جیسی کلیاں ہیں اس کی، جب کھلتا ہے تو تہہ در تہہ کیسی خوبصورتی سے کھلتا ہے کہ ننھا سا گلاب لگتا ہے، اور خوشبو...... خوشبو ایسی کہ آدمی اندر تک معطر ہو جائے'۔ صولت بیگم کو بیل اور اس کے پھولوں کے نام اور خصوصیات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، انہیں تو بس پھولوں سے دلچسپی تھی کہ وہ خوبصورت، ملائم اور نہایت خوشبودار ہوتے تھے۔ اگر وہ چنبیلی نہیں تھے تو موتیا تھے، ان کے لیے تو دونوں قسم کے پھول ایک سے ہی تھے۔ مگر اس بیل سے ابا جی کے لگاؤ سے وہ واقف تھیں، اور کئی بار کی سنی ہوئی کہانی دوبارہ سننے کی خاطر ہی انہوں نے انہیں چھیڑا تھا، حسبِ توقع وہ چھڑ بھی گئے تھے اور اب وہ بے ساختہ امنڈتی مسکراہٹ کو چھپاتی، انہیں سن رہی تھیں۔

'تمہیں تو پتہ نہیں یاد ہے کہ نہیں، مگر پیشہ ورانہ زندگی کے اختتام پر میں تمہاری امّی جان کو عمرہ کرانے اور ذرا ادھر ادھر کی سیر کرانے لے گیا تھا......'، انہیں اچھی طرح یاد تھا۔ ان کی شادی کو ابھی چار پانچ سال ہی تو ہوئے تھے، اور تب تک وہ گھر کی اکلوتی بہو تھیں گو کہ عثمان صاحب کی دلہن کی آمد جلد متوقع تھی۔ تب نسرین یہی کوئی تین ساڑھے تین سال کی تھی اور ان کی گود میں چند ماہ کا ولید تھا جب ابا جی اور امّی جان عمرہ کے لیے نکلے تھے۔ عمرہ سے فارغ ہو کر وہ شام اور پھر لبنان کی طرف نکل گئے تھے۔ اور لبنان سے واپسی پر امّی جان وہاں سے اس بیل کی پنیری لے کر آئی تھیں۔ پھولوں کی عاشق اور انہیں چاہنے والی تو اصل میں امّی جان تھیں، جنھوں نے نسرین کا نام رکھتے ہوئے کہا تھا کہ یہ سفید جنگلی گلاب کا نام ہے، اللہ میری پھول سی بیٹی کو پھولوں جیسا اخلاق دے، نرم و ملائم اور خوشبودار۔

لبنانی موتیے کی اس بیل کو انہوں نے خود بڑے پیار سے اپنے کمرے کی کھڑکی کے نیچے لگایا تھا۔ انہوں نے عین بہار میں اس کا پودا لگایا تھا مگر پھر کتنا ہی عرصہ اس پر پھول کھلنے کا انتظار کرتی رہی تھیں۔ بہار گزری اور گرمیاں آ گئیں، بیل کا پودا یوں تو ذرا بڑھا اور پھیلا مگر اس پر پھول ایک بھی کِھل کے نہ دیا۔ سردیوں میں تو بالکل ہی توقع نہ تھی، مگر یکایک ہی اس پر ایک شگوفہ نمودار ہوا اور اگلے دن وہ کھل کر پھول بن چکا تھا۔ اس کا پھول عام موتیے سے جسامت میں ذرا بڑا تھا اور زیادہ خوشبودار بھی تھا۔ اور پھر جب ایک بار اس پر پھول کھلنا شروع ہوئے تو جیسے ان کی بارش ہی ہو گئی۔ ذرا سی بیل پر اتنے پھول آتے کہ توڑنے والے ہاتھ اتنی تیزی سے توڑ نہ پاتے جتنی تیزی سے نئے پھول کھل جاتے۔ روز صبح امّی جان ایک بڑے پیالے میں ڈھیر سارے پھول چن کر اور پھر پیالے کو پانی سے بھر کر لاؤنج کی میز پر رکھ دیتیں، جس سے پورا کمرہ مہکتا رہتا، مگر اس کے باوجود بیل پر اتنے پھول ہوتے تھے کہ وہ گر گر کر بیل کی جڑوں کے گرد ایک تھالا سا بنا دیتے۔

'......یاسمین زنبقہ اس کا اصل نام ہے۔ اور یہ تو اتنا مشہور ہے کہ سائنسی نام بھی اسی عربی نام سے مستعار لیا گیا ہے، اسے جیز مینم سیمبیک کہتے ہیں۔ ایک دنیا اس کی دیوانی ہے، کسی نے اپنا قومی پھول بنا رکھا ہے تو کہیں شادی کی رسم اس کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔ طہارت اور عفت کی علامت ہے، خود بھی ایسا نازک سا ہوتا ہے کہ ذرا سا چھونے سے ٹوٹ جاتا ہے'، ابا جی ان کی سوچوں سے بے خبر، بیل کی تاریخ پر روشنی ڈال رہے تھے۔

'مگر ابا جی، مجھ جیسوں کے لیے تو یہ سب ایک سے ہی ہیں، بس انیس بیس کا فرق ہے اور نام سب کے مختلف ہیں، ورنہ چنبیلی ہو یا موتیا، ایک سے ہی لگتے ہیں'، ابا جی شاید سانس لینے کے لیے رکے تھے جب صولت بیگم نے سادگی اور کسی قدر بے نیازی سے کہا۔

'ہاں'، ابا جی ان کی بات پر ٹھٹک کر رکے، پھر چند لمحے کچھ سوچنے کے بعد آہستہ سے بولے، 'حیرت کی بات ہے کہ زندگی میں اکثر چیزوں میں بس نام کا ہی فرق ہوتا ہے، مگر بعض اوقات وہ نام ہی ایسا شاندار، پر کشش اور خوبصورت ہوتا ہے کہ انسان سمجھتا ہے نجانے یہ کیسی خاص چیز ہے جس سے میں محروم تھا اور جب بہت سی محنت اور جدوجہد کے بعد اسے پالیتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ تو وہی چیز ہے جسے بہت پہلے برت کر ترک کر چکا ہوں، اور پھر اپنی بے فائدہ جدوجہد اور کوشش پر سوائے افسوس اور ندامت کے، کچھ نہیں بچتا'، ان کی آواز میں محسوس کی جانے والی تھکاوٹ اور اداسی تھی۔

'بینش! بینش! کہاں ہو بھئی؟'، جاوید صاحب نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آواز دی۔ بستر پر شہیر اور بتول سو رہے تھے مگر بینش کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اسی لمحے کمرے سے ملحق باتھ روم کا دروازہ کھلا اور بینش ہاتھ میں تولیہ لیے بر آمد ہوئی۔

'آج بہت دیر کر دی آپ نے؟'، اس نے گھڑی کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا گو کہ ابھی رات کے آٹھ ہی بجے تھے، مگر معمول کی نسبت جاوید صاحب کو گھر واپسی میں کافی دیر ہو چکی تھی، کیونکہ وہ تو سرِ شام ہی گھر لوٹنے والوں میں سے تھے۔ وہ اب ہاتھ میں پکڑے تولیے سے اپنے گیلے چہرے کو نرمی سے تھپتھپا رہی تھی۔ وہ ابھی ابھی اپنے چہرے کو اچھی طرح فیس واش اور نیم گرم پانی سے دھو کر نکلی تھی، اور اب اس کا ارادہ کوئی ہربل ماسک لگانے کا تھا، تاکہ چہرہ صاف ستھرا اور تروتازہ رہے۔

'ہاں بھئی، وہ اپنے محسن شاہ صاحب آئے ہوئے تھے آج دکان پر۔ انہی کے ساتھ گپ شپ میں اتنی دیر ہو گئی۔ اچھا سنو! ایسا ہے کہ ہم انہیں ساتھ ہی لے آئے ہیں، اور کھانا کسی نے نہیں کھایا ہوا۔ آج کیا پکا ہے گھر میں؟'، جاوید صاحب نے عجلت سے پوچھا۔

'دال چاول پکائے ہیں میں نے تو۔ یہ بتائیں یہ 'ہم' سے کیا مراد ہے آپ کی؟'، بینش کے ماتھے پر ہلکی سی شکن نمودار ہوئی۔

'ہم سے مراد میں اور عثمان بھائی ہیں، اور کیا مراد ہو گی۔ کچھ اچھا سا نہیں بنا سکتیں جلدی سے؟ دیکھو شاہ صاحب مہمان ہیں ناں'۔

'یہ شاہ صاحب کو گھر آنے کی دعوت آپ نے دی تھی یا عثمان بھائی نے؟'، بینش کو جاوید کی مہمان نوازی کی فکر پر غصّہ آرہا تھا۔

'دعوت میں دوں یا عثمان بھائی، اس سے کیا فرق پڑتا ہے'، پہلی بار جاوید اس کے سوال پر ٹھٹکے تھے، 'اور تم کیوں اتنی تفتیش کر رہی ہو؟'۔

'لازماً عثمان بھائی نے ہی دعوت دی ہو گی کہ چلو میرے گھر چلو، میرے پاس بہت ملازم ہیں جو ہر وقت خدمت کے لیے تیار رہتے ہیں، کوئی کسی بھی وقت آجائے، وہ بوتل کے جن کی طرح چٹکی بجاتے حاضر ہو جاتے ہیں اور فٹافٹ پر تکلف دعوت کا اہتمام کر دیتے ہیں......'، اس کو بے طرح غصہ آرہا تھا اس بے وقت کی مصروفیت پر۔

'بینش! یہ کیا بدتمیزی ہے؟ شرم آنی چاہیے تمہیں عثمان بھائی کے بارے میں اس طرح بات کرتے ہوئے۔ ہاں انہوں نے ہی دعوت دی تھی لیکن کیا ایک بندے کو کھانا کھلانا اتنا مشکل ہے تمہارے لیے کہ ادب، تمیز، لحاظ ہر چیز ہی بھول جائے'، جاوید صاحب غصّے اور ناگواری سے بولے۔

'ایک بندہ؟! ایک بندہ ہوتا تو مسئلہ ہی کیا تھا۔ مگر عثمان بھائی تو خود بھی چاول نہیں کھاتے، ان کے لیے روٹی پکانی پڑتی ہے۔ اور ظاہر ہے شاہ صاحب کے لیے بھی کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ پھر کھاتے بھی اتنا ہیں آپ لوگ، دو، تین آدمیوں کے برابر کھانا کھاتے ہیں۔ ادھر میں سارا دن کام کر کر کے اب اس وقت فارغ ہوئی ہوں کہ کچھ دیر آرام کر لوں یا اپنی پسند کا کوئی کام کر لوں، اور آپ لوگ اپنے ساتھ مہمان اٹھالائے ہیں۔ خود عثمان بھائی کی بیگم بچوں سمیت ویک اینڈ منانے اپنے بھائی کے گھر گئی ہوئی ہیں۔ ذرا سوچنا چاہیے بندے کو کسی کو دعوت دینے سے پہلے کہ کھانے پر بلا رہا ہوں تو کیا کھلاؤں گا اور کیسے کھلاؤں گا، کون اس وقت کھانا پکا کر دے گا۔ اتنا ہی ضروری تھا کھانا کھلانا تو باہر کسی اچھے ریستوران سے کھلا دیتے، گھر لا کر میرے سر پر مصیبت ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟'، وہ ذرا بھی تو نہ دبی تھی جاوید کے غصّے سے، الٹا مزید چڑھ کر بولی، مگر بات کے اختتام تک متوقع کام کا سوچتے ہوئے وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

'اتنا بھی مسئلہ نہیں ہے بینش، تم زیادہ پریشان ہو رہی ہو۔ دیکھو دال چاول تم نے پکائے ہوئے ہیں، بس ساتھ چٹنی اور سلاد بنا لو اچھا سا، اور فریزر میں مرغی رکھی ہو گی ناں، تھوڑے سے پیسز کو بروسٹ مسالہ لگا کر تل لو۔ بس یہ کافی ہو جائے گا۔ جس نے چاول کے ساتھ بروسٹ کھانا ہو گا، وہ چاول کے ساتھ کھالے گا اور جس نے روٹی کے ساتھ کھانا ہو گا وہ روٹی کھالے گا'، اس کو پریشان ہوتا دیکھ کر وہ فوراً ہی نرم پڑ گئے تھے اور اس کی بدتمیزی بھلا کر اس مسئلے کا آسان حل تجویز کیا تھا۔

'آٹا بھی تو نہیں ہے ابھی گُندھا ہوا'، اس نے اگلی مشکل گنوائی۔

'تو گوندھ لو ناں ذرا سا آٹا، وہ تو ویسے بھی تمہیں گُوندھ کر رکھنا چاہیے تھا۔ مہمان نہ بھی ہوتا تو بھی عثمان بھائی نے تو کھانا کھانا ہی تھا ناں گھر آکر۔ خیر اگر زیادہ مشکل ہے تو سلمیٰ کو بلوا لو، وہ مدد کروا دے گی تمہاری۔ بس کوشش کرو جلد از جلد کھانا تیار ہو جائے، شدید بھوک لگ رہی ہے'، جاوید نے بات ختم کی، 'میں جاتا ہوں پھر، جا کر شاہ صاحب کے ساتھ بیٹھتا ہوں۔ کھانا تیار ہو جائے تو تم ڈرائنگ روم کا دروازہ بجا دینا'، کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئے۔ پیچھے بینش نے تلملا کر تولیہ قریب رکھی کرسی پر پھینکا تھا۔

'حد ہو گئی! سارا دن بس کام، کام، کام!..... کولہو کے بیل کی طرح جتے رہو اور دن کے آخر میں جب یہ سمجھو کہ خدا خدا کر کے کام ختم ہوئے، دو گھڑی کو آرام کریں گے، تو ایک نیا کام نازل ہو جاتا ہے'۔ غصّے سے کھولتے ہوئے وہ کچن میں داخل ہوئی اور لائٹ جلانے کے لیے اندازے سے دیوار پر ہاتھ مارا۔ کچن میں روشنی ہوئی تو پہلا کام یہ کیا کہ سوئچ بورڈ کے ساتھ لگا ننھا سا گھنٹی کا بٹن دبایا، مارے غصّے کے دو تین دفعہ زور سے دبا دیا۔ دو، تین سیکنڈ وہیں کھڑی انتظار کرتی رہی، پھر تسلّی نہ ہوئی تو کچن کا باہر کی جانب کھلنے والا دروازہ کھول کر اونچی آواز میں سلمیٰ کو آواز دی۔ 'سلمیٰ! سلمیٰ!'۔ مگر کتنی بھی جلدی کرتی، بہر حال چند منٹ تو غریب کو لگنے ہی تھے اپنے کوارٹر سے نکل کر کچن تک پہنچنے میں۔ جب جواب میں کوئی آواز نہ آئی تو ایک آدھ منٹ انتظار کرنے کے بعد جھلّا کر جالی کا دروازہ بند کیا اور پلٹ کر فریج کی طرف آئی۔ غصّے سے اس کا دروازہ کھولا کہ دیکھے کیا کچھ موجود ہے، مگر دروازہ کھلتے ہی جھٹکا لگنے سے کوئی چیز چھلک کر اس کی لمبی میکسی فراک پر آگری۔ نجانے کس احمق نے فریج کے دروازے میں بنی شیلف پر ملک شیک کا جگ رکھ دیا تھا، اور وہ بھی بغیر ڈھکن کے۔ غصّے میں تو پہلے ہی تھی، اب اس نئی مصیبت پر کھَول کر رہ گئی۔ چٹکی سے اپنے پیروں کو چھوتے دامن کو پکڑ کر سِنک کی طرف آئی، مگر وہ ٹونٹی تک کہاں پہنچتا تھا، جھنجھلا کر ٹشو کے ڈبّے میں سے چند ٹشو کھینچ کر نکالے اور جس قدر ممکن تھا، دامن سے ملک شیک کے داغ صاف کیے۔ دماغ میں منفی سوچوں کے ابال اٹھ رہے تھے۔ 'کتنے آرام سے حکم شاہی جاری کر کے خود جا بیٹھے ہیں ڈرائنگ روم میں۔ بیوی نہ ہوئی، زر خرید غلام ہو گئی، بس حکم کرو اور وہ بجالائے گی'۔

ابھی وہ اپنے کپڑے صاف کرنے میں ہی مصروف تھی کہ باہر کی جانب کھلنے والا دروازہ آہستہ سے کھلا، اور آپا جی اپنی خمیدہ کمر اور سوئی سوئی آنکھوں کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔ وہ جلدی سونے کی عادی تھیں، انہیں دیکھتے ہی صاف معلوم ہو رہا تھا کہ کچی نیند سے اٹھ کر آئی ہیں۔ اچانک ہی اور اس کی مرضی کے بر خلاف، بینش کے دل کو ندامت نے آگھیرا تھا۔ عمومی اصول کے مطابق وہ لوگ کبھی بھی گھر کی خاتون ملازمین کو مغرب کے بعد کسی کام کے لیے نہیں بلاتے تھے۔ ہاں اگر کوئی دعوت ہو جس کے بارے میں پہلے سے اطلاع دی ہو یا اچانک کوئی ناگزیر ضرورت پڑ جائے کہ جس میں ان کی مدد حاصل کیے بغیر چارہ نہ ہو تو اور بات ہے، ورنہ صولت بیگم اور فائزہ بیگم، دونوں ہی اس معاملے میں بہت احتیاط کرتی تھیں کہ آپا جی یا ان کی بہو سلمیٰ کو مغرب کے بعد تکلیف نہ دیں۔ ظاہر ہے وہ بھی خواتین تھیں اور ان کے اپنے گھر میں بھی بہت سے کام ان کے منتظر ہوتے تھے۔ عموماً ایسی کوئی ضرورت پڑتی بھی نہ تھی کیونکہ گھر میں وہ تینوں اور پھر اب تو بچیاں بھی بڑی تھیں، ویمن پاور ویسے ہی فراواں تھی۔

'آپ کیوں اٹھ کر آئیں آپا جی، میں نے تو سلمیٰ کو بلایا تھا'، وہ اپنی شرمندگی چھپا کر بولی۔

'کوئی بات نہیں بیٹی، وہ بیچاری وسیم کو سلا رہی تھی اور اس کی طبیعت بھی آج کل ٹھیک نہیں ہے، میں جاگ ہی رہی تھی تو میں نے اسے کہا کہ میں چلی جاتی ہوں۔ دیکھ لیتی ہوں کیا بات ہے، کوئی پریشانی تو نہیں؟'، انہوں نے سفید جھوٹ بول کر سب کا بھرم رکھا تھا۔

'وہ کچھ نہیں آپا جی...... دراصل جاوید صاحب کے کوئی مہمان آئے ہیں تو ان کے لیے کھانا پکانا تھا......بس آٹا گوندھنا ہے روٹیوں کے لیے'،

'ہاں بیٹی میں گوندھ دیتی ہوں، تم بتاؤ اور کیا کرنا ہے'، آپا جی فوراً تسلہ اٹھا کر آٹے کی بالٹی کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

'اور......؟ اور سلاد کے لیے سبزیاں کاٹنی ہیں......اور کچھ نہیں، بس باقی میں کر لوں گی'، اسے اب شدید شرمندگی ہو رہی تھی، ذرا سا تو کام تھا، وہ خود بھی کر سکتی تھی۔ محض چند روٹیوں کا آٹا گوندھنے اور سلاد کے لیے کچھ سبزیاں کاٹنے کے لیے اس نے آپا جی کو اس وقت پریشان کیا تھا، پتہ نہیں وہ بیچاری کیا سوچتی ہوں گی اس کے بارے میں، اس نے چور نظروں سے آپا جی کی طرف دیکھا، مگر وہ پیڑھی پر بیٹھی، سر جھکائے آٹا گوندھنے میں مصروف تھیں۔ مگر اگلے ہی لمحے اسے یاد آیا کہ آپا جی کو تکلیف دینے میں قصور صرف اس کا نہیں، بلکہ جاوید اور عثمان صاحب کا ہے۔ نہ وہ اس وقت مہمان کو لے کر آتے، نہ اسے کسی کو مدد کے لیے بلوانا پڑتا۔ بلکہ اس کا کیا قصور تھا، قصور تو سراسر ان مردوں کا تھا۔ خود سارا دن باہر عیاشی کر کے اور شام کو گھر آتے ہوئے اپنے جیسا ایک کام کا نہ کاج کا، دشمن اناج کا دوست اٹھا لائے تھے۔ اتنا ہی مہمان نوازی کا شوق ہے تو پھر خود کیوں نہیں قدم رنجہ فرماتے کچن میں۔ آئیں اور خود اپنے ہاتھ سے پکا کر کھلائیں تو کوئی بات بھی ہے۔

ابھی شام کو ہی تو وہ عورتوں کے حقوق سے متعلق ایک پروگرام دیکھ رہی تھی۔ آخر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ بیوی صوفے پہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھے اور شوہر کھانا گرم کر کے میز پر سجائے۔ اور جب سب تیار ہو جائے تو آواز دے کہ 'بیگم آ جائیں، کھانا تیار ہے'۔ اور پھر جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تو اس دوران شوہر بچوں کو سنبھالے، اور اگر کسی بچے کو عین کھانے کے درمیان بیت الخلا جانے کی حاجت پیش آ جائے، تو وہ فوراً بچے کو لے کر بھاگے۔ اور پھر کھانا ختم ہونے سے ذرا دیر پہلے اٹھ جائے اور گرما گرم چائے تیار کرے جو کھانے کے فوراً بعد پیش کر دے۔ اور بیوی اطمینان سے کھانا کھائے اور پھر بے نیازی سے اٹھ کر سونے کے لیے کمرے میں چلی جائے۔ پیچھے شوہر برتن اٹھائے، کچن سمیٹے، بچوں کو سلائے اور پھر سب سے آخر میں سارے دروازے چیک کر کے اور لائٹیں آف کر کے سونے کے لیے آئے۔ اور کیا، ان مردوں کو بھی تو پتہ چلے کہ ایک عورت بے چاری کتنی ذمہ داریاں اٹھاتی ہے، کتنے کام کرتی ہے، اگر یہی کام ان مردوں کو کرنے پڑیں تو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔

(جاری ہے ان شاء اللہ)

صدائے کشمیر!

صدائے کشمیر آ رہی ہے
ہماری منزل قریب تر ہے
یہ عدل و انصاف کی گھڑی ہے
ستم کی میعاد مختصر ہے

لہو شہیدوں کا رنگ لایا
نئی سحر کی امنگ لایا
غرور کا ابر چھٹ رہا ہے
رخِ حوادث پلٹ رہا ہے

یہ پیڑ اب تیر بن گئے ہیں
چنار شمشیر بن گئے ہیں
خدا کا قہر و عذاب آیا
عدو کا روزِ حساب آیا

گھروں سے نکلے ہیں اہلِ ایماں
کسی کے بس کا نہیں یہ طوفاں
گزر کے چشموں سے بحر و بر سے
ہر ایک گھر تک پہنچ گئی ہے

یہ تیغ تھامے نہ تھم سکے گی
عدو کی محفل نہ جم سکے گی
علَم ہمارا نہ جھک سکے گا
یہ سیل روکے نہ رک سکے!

سوشل میڈیا کی دنیا سے......

یہاں درج فاضل لکھاریوں کے تمام افکار سے 'ادارہ نوائے افغان جہاد' کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

تم ہی غالب رہو گے | مہتاب عزیز نے لکھا

"غم نہ کرو، شکستہ دل نہ ہو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔" (القرآن)

اللہ کیسے اپنے بندوں سے کیا گیا وعدہ وفا کرتا ہے، دیدۂ بینا ہو تو آج دوحہ قطر میں دیکھیے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار!

سولہویں صدی کے بعد آج سیاسی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ رونما ہونے جا رہا۔ یہ معمولی سا واقعہ تاریخ کا اُسی طرح اہم موڑ ثابت ہو گا جس طرح مارٹن لوتھر کی تحریک نے دنیا کی سیاسی تاریخ کا رخ بدلا تھا۔

آج ٹیکنالوجی پر ایمان اور طاقت پر عزمِ مصمم کی فتح کا دن ہے۔

اللہ کو پا مردیٔ مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

جو مجاہد ہوں فی سبیل اللہ | عابی مکھنوی نے لکھا

جو مجاہد ہوں فی سبیل اللہ!!

اُن کی آنکھیں اُفق سی ہوتی ہیں

جن سے سورج طلوع ہوتے ہیں

اُن کے جوتوں سے تارے جھڑتے ہیں

اُن کی اونچی اڑان ہوتی ہے

عشق بستا ہے اُن کی رگ رگ میں!!

اُن کے سِکوں میں جان ہوتی ہے

یہ فقیری تو بھیس ہے عابیؔ!!

سودا کرنے پہ جب وہ آ جائیں

اپنی گردن کٹا کے بدلے میں

رب سے جنت خرید لیتے ہیں!!

ہم کتنے خوش نصیب ہیں | فیض اللہ خان نے لکھا

خالد بن ولیدؓ، طارق بن زیادؒ، موسیٰ بن نصیرؒ، قتیبہ بن مسلمؒ، صلاح الدین ایوبیؒ، جلال الدین خوارزم شاہؒ، خیر الدین باربروساؒ اور ٹیپو سلطانؒ وغیرہ کے بارے میں سنا پڑھا تھا، ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ ملا عمر اخندزادہ کا عہدِ مزاحمت آنکھوں سے دیکھا ہے......

#امریکہ #طالبان #کشمیر | ڈاکٹر اسامہ شفیق نے لکھا

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

جن کو اپنی ایٹمی طاقت پر ناز تھا......

جن کو زعم تھا کہ انہوں نے روس کو شکست دی......

جن کو غرور تھا کہ ان کے بغیر افغانستان کچھ بھی نہیں......

آج ان کو معلوم ہو گیا کہ جن کا بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے تو وہ ظاہری اسباب کے بغیر بھی تین سپر پاورز کو شکست دے سکتے ہیں!

؏ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

کشمیر بھی آئٹم سونگ سے نہیں بلکہ جہاد سے آزاد ہو گا۔

یہ بات جتنی جلد سمجھ میں آ جائے اتنا اچھا ہے!

'خدائے قہار' نے مقہوروں کے روبرو گھٹنے ٹیک دیے ہیں | محمد بھٹی نے لکھا

دشتِ لیلی اور تورا بورا میں موت کے خوں آشام رقص پر تالیاں پیٹنے والے سن لیں کہ ان کے "خدائے قہار" نے مقہوروں کے روبرو گھٹنے ٹیک دیے ہیں۔

افغان باقی کہسار باقی | طارق حبیب نے لکھا

وہ جو کہتے تھے کہ ہم امریکہ سے ٹکرا کر پتھر کے دور میں چلے جائیں گے...... جنھوں نے افغانی سفیر کو تشدد کر کے امریکہ کے حوالہ کیا......اور زمانۂ جاہلیت کے جہلا کو بھی مات دے دی......

جنھوں نے بیٹیاں بیٹے دے کر پیسے کمائے اور...... امن قائم کرنے کا دعویٰ کیا......

وہ آج دانتوں میں انگلیاں دابے...... بس تکے جارہے ہیں کہ...... یہ ہوا کیا ہے......

تاریخ نے دہرایا خود کو۔۔۔۔ اللہ کی راہ میں لڑنے والے سرخرو ٹھہرے...... آج دنیا میں ان کی عزت و وقار دیکھ کر ایک عالم حیران ہے......

مرشد سے پوچھا گیا...... گھڑسوار اور شاہسوار میں کیا فرق ہے...... فرمانے لگے "میدان کا"

پھر سمجھ آئی کہ......

واقعی میدان کی بڑی اہمیت ہے...... تربیت اکیڈمیاں نہیں میدان کرتے ہیں......

رہے نام مولا کا!

میرا جسم میری مرضی|ڈاکٹر فیاض عالم نے لکھا

"میرا جسم میری مرضی"

ممکن ہے کہ اس نعرے کے پیچھے بدنیتی شامل نہ ہو...... لیکن

جو جسم اپنی مرضی سے وجود میں نہیں آیا اور نہ مرنے کے بعد اپنی مرضی سے دفنایا یا جلایا جاسکے گا...... اس مٹی کے پتلے پر کیا اختیار اور کیسا اختیار؟

کیا ماروی سرمد یہ وصیت کرنا پسند کریں گی کہ موت کے بعد ان کے جسم کو دقیانوسی مذہبی مسلمانوں کی طرح زمین میں دفن نہ کیا جائے بلکہ آگ میں جلا کر راکھ کر دیا جائے؟

کیا اس قبیل کی کوئی بھی عورت یہ پسند کرے گی کہ اس کا یا اس کی بچی کا نکاح کسی مرد سے نہ ہو بلکہ میرا جسم میری مرضی (اگر یہ نعرہ منفی مقاصد کے لیے ہے) کے مطابق وہ ایک یا مختلف مردوں کے ساتھ بطورِ گرل فرینڈز زندگی گزارے؟

نعرے کیسے بھی ہوں؟ کسی کے بھی دیے ہوئے ہوں...... ایسے ہونے چاہییں کہ ان نعروں کو زور و شور سے لگانے والے ان پر بخوشی عمل بھی کر سکیں!

ان کی تشریح بھی کر سکیں!

ورنہ یہ نعرے معاشرے میں کبھی اہمیت حاصل نہیں کر سکتے۔

اور لوگوں کی غالب اکثریت ان سے لاتعلق ہی رہتی ہے!

میری رائے سے اختلاف ہر ایک کا حق ہے لیکن جو خواتین اس نعرے کے حق میں ہیں وہ نکاح یا زنا میں سے اپنا آپشن ضرور لکھیں۔

ہم لوگ تو دقیانوسی اور جہلا میں سے ہیں، میں پڑھے لکھے اور روشن خیال لوگوں میں بہادرانہ آزادیٔ اظہار کی جرات دیکھنا چاہتا ہوں۔

اہلِ توحید خاموش کیوں؟|خلیل الرحمٰن چشتی نے لکھا

خاتونِ اول کی قبر پرستی اور غیر اللہ کے لیے سجدہ گزاری کی تشہیر ہو رہی ہے۔

اہلِ توحید خاموش کیوں ہیں؟

سیکولرزم کے بھیس میں الحاد|زاہد صدیق مغل نے لکھا

سیکولرزم کے ساتھ مذہبی ایمانیات پر یقین رکھنا جامد سطح پر بطورِ واقعہ ممکن تو ہوتا ہے لیکن یہ رویہ "حرکی استحکام" (dynamic stability) کے عمل سے محروم ہوتا ہے۔ چنانچہ "اجتماعی زندگی میں مجھے خدا کی ضرورت نہیں" یہ صرف ایک وقتی نفسیاتی عارضے کا اظہار ہے جو بالآخر نجی زندگی سے بھی مذہب کے انخلا کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ اپنے ارد گرد سیکولرزم کے کسی بھی سچے حمایتی کو جانچ کر دیکھیے، اندر سے ایک ملحد برآمد ہو گا۔

#نیا_پاکستان کے معماران میں سے ایک|وسیم الطاف نے لکھا

سابق چیف جسٹس ثاقب نثار کے بیٹے کی شادی لاہور ہائیکورٹ کے جج شہرام خان کی بیٹی کیساتھ ہوئی، محتاط اندازے کے مطابق شادی پر دس (۱۰) کروڑ روپے خرچہ ہوا۔

دلہن کا لہنگا معروف انڈین ڈریس ڈیزائنر انیتا ڈونگرے نے تیار کیا، اس لہنگے کی قیمت صرف ڈیڑھ کروڑ روپے تھی۔ کیا آمدن سے زائد کا کیس صرف سیاستدانوں پر بنتا ہے؟ ججز سے سوال کون پوچھے گا؟

امریکہ طالبان ڈیل کس نے کروائی؟|ڈاکٹر اسامہ شفیق نے لکھا

محلے میں شادی تھی، اک بچہ دوسروں کو بتا رہا تھا کہ 'یہ رشتہ ہماری وجہ سے ہوا ہے'۔

پوچھا 'وہ کیسے؟'

کہنے لگا 'رشتہ فائنل ہونے کے دوران جب بھی لڑکے اور لڑکی والے ایک دوسرے کی دعوت کرتے، روٹیاں ہمارے تندور سے لیتے تھے'۔

باقی آپ سمجھ دار ہیں، امریکہ-طالبان ڈیل کپتان نے کروائی؟

افغان جنگ میں 'ہمارا کردار' (طنزیہ)|صہیب جمال نے لکھا

میں اس مشن پر اس وقت ہی لگ گیا تھا جب امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا تھا، طالبان کو ساری اسٹریٹیجی بنا کر دی، ان کو بتایا کہ سپر پاور سے کیسے جنگ لڑی جاسکتی ہے کیونکہ رشیا کو ہرانے

میں بھی میرا ہی ہاتھ تھا، میری پلاننگ کے تحت ہی طالبان نے گوریلا جنگ جاری رکھی، میں ان کو نقشے بنا بنا کر دیتا تھا، پھر ہوا یہ کہ جب امریکہ کو نقصانات ہونے لگے پے در پے شکست ہونے لگی تو انہوں نے یہ کھوج لگائی کہ آخر کوئی تو ہے جس کی پلاننگ کے تحت یہ کامیاب کارروائیاں ہو رہی ہیں وہ مجھ تک پہنچ ہی گئے، عین اس وقت وہ میرے پاس پہنچے جب میں ملا عمر سے اسکائپ پر اگلی حکمتِ عملی پر گفتگو کر رہا تھا، سی آئی اے والے اندر داخل ہوئے، ان کو میں نے بیٹھنے کا کہا اور کوئٹہ ہوٹل کی چائے منگوا کر پلائی، دوسرے ٹی وی پر پاکستان اور زمبابوے کا کرکٹ میچ لگا دیا وہ دیکھتے رہے میں ملا عمر سے بات کرتا رہا، بات ختم ہوئی، سی آئی اے والوں سے بات شروع ہوئی پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ امن چاہتے ہیں، میں امن پر راضی ہو گیا، پھر میں نے امن کی بات شروع کر دی، کارروائیاں جاری رہیں اور امن کی بات بھی چلتی رہی، امریکہ نے میرے کہنے پر اپنے فوجی کم کیے، آخر امریکہ مذاکرات کی میز پر آ گیا، اب میرے لیے اہم کام یہ تھا کہ طالبان کو مذاکرات کی میز پر لایا جائے، میں اس میں کامیاب ہو گیا، آج جو معاہدہ عمل میں آیا ہے یہ سب میری کاوشوں کا نتیجہ ہے، اس لیے مجھے امن کا نوبل انعام ملنا چاہیے۔

(یاد رہے جو جو لوگ عمران خان کو اس امن معاہدے کا کریڈٹ دینا چاہتے ہیں اور یہ دیگ بنی گالہ لے جا رہے ہیں اور نوبل امن پرائز دینے کی بات کر رہے ہیں ان کے لیے یہ تحریر نوشتہ دیوار ہے)

ڈرامہ سیریل کپتان | امراد علوی نے لکھا

جمہوریت اور آمریت کی تقسیم میں سیاست دان ہمیشہ کرپٹ ثابت کیے گئے ہیں جب کہ جرنیل پوتر۔ سیاست دانوں کی کرپشن پر عسکری انڈسٹری فلمیں اور ڈرامے بھی بنا چکی ہے جس میں مذکورہ تفریق بہت عمدہ طریقے سے واضح کی گئی ہے۔

موجودہ حکومت بھی انھی ڈراموں اور فلموں کی کڑی ہے۔ اس سے قبل یہ بات زبان زد عام تھی کہ ستّر سے یہ چلا آ رہا ہے، کوئی اچھی حکومت نہیں آئی اور پھر آمریتوں کے فضائل و خصائص شروع ہو جاتے۔ تاہم آمریتوں پر بھی پوری یکسوئی حاصل نہیں تھی لیکن آمریت کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھنے کے باوجود جمہوریت کی امیدیں رکھی جاتی تھیں۔

اسی میں موجودہ ڈرامہ چل پڑا کہ اس امید کو بھی خاک میں ملا دیتے ہیں۔ ایک کھلاڑی کو کرشماتی شخصیت بنا کر پروموٹ کیا گیا، امیدیں آسماں کو چھونے لگیں کہ جو کارنامہ ستّر سالوں میں کسی نے سر انجام نہیں دیا وہ یہی شخصیت دے گی۔

بہت کم عرصے میں امید رکھنے والوں پر یہ واضح ہوا کہ کچھ نیا ہونے والا نہیں ہے، کہانی وہی پرانی!

اس ڈرامے کا مرکزی خیال یہ ہے کہ سول حکومت کسی کام کی نہیں ہوتی، عوام نہ پہلے کبھی اس سے مطمئن رہی اور نہ اب ہو گی۔

”بے جان“ ریاست | ڈاکٹر رضوان اسد خان نے لکھا

سیکولرز اور المورد والے کہتے ہیں کہ ریاست ایک بے جان چیز ہے۔ اور بے جان چیزوں پر شریعت کا اطلاق نہیں ہوتا۔

لیکن جب اسی ”بے جان“ ریاست کی رٹ قائم کرنی ہو تو یہ بے جان بت خدا بن جاتا ہے اور اس کے قوانین، یعنی اس کی اپنی شریعت کے نفاذ کی خاطر جرمانہ، قید حتیٰ کہ قتل بھی جائز قرار پاتا ہے......!!!

صادق وامین | شیخ حامد کمال الدین نے لکھا

وزیر 'وغیرہ' کے لیے 'صادق وامین' ہونے سے پہلے ”مسلمان“ ہونا بھی ضروری ہے!

یعنی شرعِ محمد ﷺ کی ایک ایک بات کو حق اور واجب اطاعت ماننا!

دِل کی بات | عابی مکھنوی نے لکھا

اکثر جملہ سننے کو ملتا ہے کہ ”ایک صلاح الدین ایوبی کا انتظار ہے“۔

اس جملے میں صلاح الدین نام کی جگہ کوئی بھی اپنی پسند کا ہیرو لگا لیں۔

معاملہ اس کے بالکل الٹ ہے۔

صلاح الدین ہمیشہ موجود رہے ہیں۔

اصل مسئلہ ہر جگہ سپاہی رہے ہیں۔

سپاہی پیدا نہیں ہو رہے!

جرنیل تو موجود ہیں۔

صلاح الدین کسی جن بھوت کا نام تو نہیں تھا کہ جو اکیلے، تن تنہا لشکروں کے لشکر تاراج کر دیا کرتا تھا۔

صلاح الدین کی طاقت اُس کی قوم اور سپاہی تھے۔

اِس وقت قوم اور سپاہی موجود نہیں۔ صلاح الدین تو ایک سے بڑھ کر ایک میدان میں ڈٹا ہوا ہے!!

★★★★★

اِک نظر اِدھر بھی!

محمد نصر اللہ صدیقی

عورت آزادی مارچ 2020ء کا انعقاد

پاکستان میں 8 مارچ 2020ء کو جدت پسند، آزاد خیال اور مغرب و الحاد نواز سول سوسائٹی کی جانب سے عورت آزادی مارچ کا انعقاد کیا گیا۔ ہم اس مارچ کے مناظر گزشتہ سالوں اور سرخوں کے سٹوڈنٹ مارچ میں بھی دیکھ چکے ہیں۔ محض واہیات نعروں، فحش اشاروں اور لغو ترغیبات کے سوا اس مارچ کا نہ کوئی مقصد ہے اور نہ ہی کوئی کاوش۔ اس کے باوجود اگر ہم اس منعقدہ مارچ کے سنجیدہ مینی فیسٹو کو بھی دیکھیں تو وہ بھی محض دینِ عفت و عصمت، مذہبِ محبت و الفت اسلام کا شدید اور کٹر متضاد ہی ہے۔ ہم نے عورت مارچ کے رسمی ذرائع سے ان کے مطالبات جاننا چاہے، ابتدائی چند نکات ملاحظہ ہوں:

- عورت مارچ کا محور ہے، خود مختاری۔ عورت مارچ ایسے معاشرے کا تقاضا کرتا ہے جو استحصال اور "پدر شاہی" (ایک والد کی سرپرستی والا خاندانی نظام) نظام سے پاک ہو۔
- معاشی وسائل، تعلیم، صحت، نظام عدل اور "اپنے اجسام" میں خود مختاری۔

لوگوں میں تقسیم کیے جارہے ایک پرچے میں انھی الفاظ کو مزید پابند ادب کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس مارچ کی سینئر انتظام کار کا یہ بھی کہنا ہے کہ، "اس مارچ کا یہ مقصد ہے کہ ہم بتاسکیں کہ عورت ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے علاوہ بھی کچھ ہے، اس کا وجود اور شناخت ہے"۔ بہر صورت ہم اس مارچ کے عملی نعرے، پیش کیے جانے والے ٹیبلوز اور ڈراموں میں استعمال ہونے والی زبان نقل نہیں کرسکتے کہ ہمارے قلم بہکے ہوئے نہیں ہیں۔ ہماری بچیاں اور بیٹیاں اگر اپنی حیا، اسلامی اقدار اور پاکیزگی کی بدولت اس غلاظت سے اگر محفوظ بھی ہوں تو ہماری فکر و حفاظت کی حس قطعاً خاموش نہیں رہنی چاہیے۔ یہ عناصر جس مستقل مزاجی سے تعلیمی اداروں، یونیورسٹیز، کالجز، اکیڈمیز اور حتیٰ کہ ہائی اور مڈل سکولوں میں، آگاہی ورکشاپس، سیمینارز اور ایسی دیگر مہمات کی صورت جس انداز میں کام کررہے ہیں یہ کافی ہے ہماری آئندہ نسلوں کو دوزخ کا ایندھن اور ہمارے لیے دنیا ہی میں سببِ عذاب بنانے کے لیے۔ ہماری درس گاہوں میں جس تیزی سے "جنسی مساوات" کے درس دیے جارہے ہیں اور چادر و چار دیواری کو dark ages کے قصوں کے طور پر پیش کیا جارہا ہے — یہ محنت تو بذات خود ایک طویل موضوع ہے — مگر جس قدر محنت اس عورت مارچ کو کامیاب کرنے کے لیے کی جارہی ہے وہ انتہائی خوفناک ہے۔ یہ دعوت اب مخصوص علاقوں سے نکل کر تنگ گلیوں اور عام محلوں تک فرداً فرداً آن پہنچی ہے۔ پھر جس قدر میڈیا پر اس کی ترویج ہورہی ہے، محض ترویج ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر اسلام اور اہل اسلام کی تصویر کُشی کی کوششیں بھی، جیسا کہ شیری رحمان نامی خاتون سینیٹر (گو کہ شیری رحمان کے نام کے ساتھ 'خاتون' کچھ عجیب سا لگ رہا ہے) کے ہاتھوں جمعیت علماء اسلام کے ایک بزرگ عالم دین کی بے عزتی اور اسی طرح کے دیگر مواقع۔ پھر محض مجاہدین سے تعلق کے شک ہی میں خاندانوں کے خاندان برباد کر دینے والا یہ عسکری و سیاسی نظام جس طرح ان ملعونین کا پشتیبان بنا نظر آتا ہے، اس کی نظیر ملنا بہت مشکل ہے۔ جیسا کہ سکھر میں علمائے کرام، عمائدین علاقہ اور معززین شہر نے ایس پی سٹی سے یہ بےہودہ عمل روکنے کی درخواست کی تو اس نے سختی سے اس درخواست کو رد کردیا۔ اسی طرح سندھ حکومت بھی ان کی مکمل حمایت کررہی ہے۔ پیپلز پارٹی کی تمام قیادت ان کے ساتھ کھڑی ہے اور مرکزی واہیات عمرانی حکومت کے وزرا بھی ان کی حمایت میں بیانات جاری کررہے ہیں۔ باوجودیکہ یہ مارچ اسٹیبلشمنٹ مخالف عناصر کی طرف سے ترتیب پاتا ہے تو بھی فوجی و خفیہ عناصر ان کی حفاظت و حمایت جس تندہی سے کررہے ہیں وہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ گستاخِ رسول میں ملوث بھینسا گروپ و ہمنوا کا ایک فرد گرفتاری سے قبل اپنے سپانسر کرنل کا نام بھی لے چکا ہے۔

اہل ایمان کو بھی اپنے بچوں اور آئندہ نسلوں کی فکر کرتے ہوئے اپنے مجاہد بیٹوں کی کمر پر دستِ شفقت رکھنا چاہیے جو کہ اس عسکری و سرکاری سرپرستی میں چلتی فحاشی و لادینیت کے آگے بند باندھ سکتے ہیں۔

اردگان اور پیوٹن ادلب میں فائر بندی پر متفق

ترکی پر مسلط اردگان کے اسلام مخالف جرائم کی حالیہ فہرست پر ہی کئی صفحات کا مضمون بن سکتا ہے۔ ہم اختصار سے کام لیتے ہوئے چند حقائق پیش کریں گے اور تبصرہ قارئین پر چھوڑیں گے۔

- ترکی مجاہدین کے دورِ عروج سے ہی جہادی مجموعات میں مداخلت کی پالیسی اپناتا آیا ہے۔ جیسا کہ اس نے FSA یا NLF کو مکمل طور اپنے تابع کر رکھا ہے۔
- ان سے باہر جہادی مزاج رکھنے والے مجموعات کو بھی زیر عتاب رکھا گیا جیسا کہ حرکت احرار الشام میں ترک مخالف علمائے کرام کی ٹارگٹ کلنگ کی گئی۔
- پھر شامی حریت پسندوں کی یہ تمام استخباراتی گھیرابندی اگر شامی حریت کی کسی مخلصانہ تائید کی خاطر ہوتی بھی تو ہم اس سیکولر سربراہِ ترکی پر زبانیں بند رکھتے کہ اہل اسلام کی مصلحت ہی مجاہدین کی مصلحت ہے۔ مگر نا صرف اپنے تابع عناصر کو

مجاہدین سے جنگ میں مصروف کیا گیا، ان کو عین روافض سے جنگ کے موقعوں پر ڈبل تنخواہیں دے کر کردوں سے جنگوں میں دھکیلا گیا اور اس سے اہل سنت نے کئی اہم 'خطے' کھوئے۔

انہی عناصر کو ہی ترک مفادات کے لیے طیاروں میں بھر کر ہفتر کے خلاف جنگ کے لیے لیبیا بھیجا گیا۔ حلب کی پسپائی کے موقع پر روسی وزیر دفاع کا ترک تعاون پر شکریہ ادا کرنا زیر ملاحظہ رہے۔

- ترکی ہی سوچی اور آستانہ کے معاہدات میں کہیں بالواسطہ تو کہیں بلاواسطہ شہدا کے خون سے سینچی گئی اہلسنت کی زمین بیچتا رہا۔
- ترکی نے شامی مہاجرین کو بطور اسٹریٹجک ایسٹ (strategic asset) اپنے اقتصادی و سیاسی مفادات کی خاطر یورپی یونین کی سیاسی بلیک میلنگ کے واسطے رکھا۔ دیگر صورتوں میں انہیں یورپ کی سمت دھکیلا، سرحد پر فوجی سنائپروں کے ذریعے قتل کیا، کردوں کے جنگ زدہ علاقوں میں مرنے کے لیے دھکیلا، یہاں تک کہ رسمی و قانونی طور پر بشار حکومت کے حوالے بھی کیا۔
- روافض و روس کی گزشتہ پیش قدمیوں کے بہانے ترکی اپنی بہت سی فوج ادلب میں گھسالایا تھا اور روس سے طے کردہ نقاط کو جنگ بندی لائن کہہ کر وہاں روافض و مجاہدین کے درمیان دیوار بن گیا تھا۔ ایسے میں اللہ جزائے خیر دیں عالمی جہادی نظم سے منسلک تنظیم حراس الدین، ان کے مجاہدین اور قیادت کو کہ انہوں نے نسبتاً چھوٹے مگر انصار و مہاجرین کے دیگر مجموعات کے اشتراک سے لتاکیہ، جبل ترکمان، کبینہ و حلب کی سمت سے شہدا کی امانت اس جہاد کو گوریلا طرز پر جاری رکھا۔
- روافض و روس کی حالیہ شدید ترین پیش قدمی (جس میں خود ترکی کا تعاون روس کے ساتھ تھا) کے بعد ترکی کے حکمران کا انتہائی خوفناک چہرہ دیکھنے کو ملا۔ بشاری افواج کی جانب سے ترکی کے چند فوجی قتل کیے جانے کے بعد ترکی اپنے تمام ترلاؤ لشکر کو لیے ادلب میں کود پڑا۔ اس خاطر کہ بشاری فوج ادلب کی سمت سے ترک شام سرحد پر نہ پہنچ جائے (جس سے کرد مضبوط ہو کر دوبارہ ترکی سے بدلہ چکانے کے قابل ہو جاتے)۔ ترکی نے شدید فضائی آپریشن شروع کیا جس میں بشاری فضائیہ کے کئی طیارے گرائے گئے اور بیسیوں فوجی اور قیمتی اڈوں کو تباہ کیا اور ساتھ ہی اپنی زمینی افواج کا بہت بڑا حصہ بھی ادلب میں داخل کر دیا۔ اس پر بہت سے سادہ لوح مسلمانوں نے خوشیاں منائیں کہ ترکی اہل سنت کی نصرت کو اتر آیا ہے۔ ترکی نے روس سے معاہدۂ جنگ بندی کر لیا اور اب تو بذات خود روسی افواج کو رہے سہے آزاد شامی علاقے میں داخل کر کے جنگ بندی کی لکیر کھینچ گئی۔ یعنی جو علاقہ دشمن اہل سنت سے نہ لے سکا، وہاں روسی اپنی سمت اور ترک اپنی سمت سے 'جنگ بندی کا دفاع' کرنے کو موجود ہوں گے۔ نقشہ ملاحظہ کیجیے:

اس علاقے میں حسب سابق ایک اور ڈی ایسکیلیشن زون بنے گا اور یہاں پر ویسے ہی طواغیت کا تسلط مضبوط ہو گا۔

- ترکی نے مہاجرین کی بڑی تعداد یورپی یونین سے اپنے سیاسی و اقتصادی مفادات حاصل کرنے کے وعدے پر رکھی تھی کہ انہیں یورپ نہ پہنچنے دیا جائے تو ترکی کو یہ مفادات ملیں گے۔ وعدے وفا نہ ہوئے، تو ادلب کی حالیہ پسپائی سے جب مہاجرین کی کھیپ برآمد ہوئی تو ترکی نے انہیں یورپ کی سمت دھکیلنا شروع کر دیا۔ جس سے یہ مہاجرین یورپین یونین کے سرحدی گارڈز کے ہاتھوں سخت اذیت سے دوچار ہیں۔ اور یہ تعذیب و بے عزتی، اسلامی تاریخ کے درد انگیز سانحات کے 'سلسلوں' میں سے ایک ہے۔
- اردگان بہر صورت ان شامی مہاجرین سے خلاصی چاہتا ہے اور انہیں اپنے ملک پر بوجھ سمجھتا ہے۔ مگر وہ ان کی بدولت اپنے مفادات کا کارڈ بھی کھونا نہیں چاہتا۔ ان کی خلاصی کی ایک صورت ماضی قریب میں یہ نکالی گئی تھی کہ انہیں کردوں سے چھینے علاقوں میں دھکیلا جائے (تفصیلات مجلّہ 'نوائے افغان جہاد' کے سابقہ شماروں میں)۔ ابھی انہیں یورپ کی سمت بھی پورے منصوبے سے دھکیلا جا رہا ہے جس کی بابت اردگان کا وزیر خارجہ مولود اوغلو یورپی یونین کے امور خارجہ کے سربراہ جوزف بوریل سے ملاقات میں کہتا ہے 'یورپین یونین نے ترکی کے ساتھ کیے گئے وعدے پورے نہیں کیے۔ اب ترکی مزید اپنے کاندھوں پر بوجھ اکیلا نہیں اٹھائے گا'۔

اسی طرح خود اردگان نے بلغاریہ کے وزیر اعظم بویکو بوریسوف کے ہمراہ پریس کانفرنس میں یہی بات کہی:

’یورپین یونین توقعات اور مہاجرین کے حوالے سے کیے گئے معاہدے پر پوری نہیں اتری۔ اب مہاجرین جہاں چاہیں جاسکتے ہیں۔ دنیا کے کسی قانون کے تحت ان کا کسی ملک میں رکے رہنا ضروری نہیں۔‘

محض یہ ہی نہیں کہ بلکہ شامی مہاجرین کو مزید یورپی سرحدوں کی سمت دھکیلنے کا اعادہ کرتے ہوئے اردگان کہتا ہے:

’یورپین یونین نے اس معاملے کو سنجیدہ نہیں لیا۔ اب ہم نے سرحدیں کھول دی ہیں تو فون پر فون آرہے ہیں کہ سرحد بند کرو۔ مگر اب دروازے کھلے رہیں گے اور مہاجرین کی تعداد بڑھتی جائے گی۔‘

مہاجرین کو دی جانے والی اس تعذیب کا اصل سبب اردگان نے یورپ کی سمت سے اپنے مطالبات پورے نہ ہونے کو قرار دیا اور مزید کہا:

’یورپین یونین ایک ارب ڈالر کی پیشکش کرکے کس کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں جبکہ ہم نے مہاجرین پر 40 ارب ڈالر خرچ کیے ہیں؟‘

ترکی کی مدد سے سابقہ ڈی ایسکیلیشن زون، سرزمین شام میں ترک دراندازی، پھر روس و ترکی معاہدے کے باوجود بشار کی روس و ایران کی مدد سے اس قدر تیز اور اہم پیش قدمی، پھر ترکی کی بری و فضائی فوج کا بشار کے خلاف یوں کڑا وار جس میں روس و ایران نے ترکی کو اور ترکی نے روس و ایران کو کانٹا بھی نہیں چبھویا۔ اور اس جدید رافضی پیش قدمی کی صورت ترکی کی کثیر زمینی افواج کا یوں شام میں داخلہ۔ تمام کڑیوں کو ملایا جائے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح عالمی طواغیت سرزمین اہلِ سنت کو ٹکڑے کرکے بانٹنے اور اپنے مفادات کی خاطر قابض ہونے کی بھاگ دوڑ میں لگے ہیں، ترکی بھی اس میں سے اپنا حصہ وصول کرنے کے لیے مظلوم اہلِ سنت کو قربانی کا بکرا بنائے ہوئے ہے، کہیں یورپ دھکیل کر، کہیں کردوں سے جنگ میں اور ارض شام میں اپنے اڈوں کی خاطر زمین گھیرنے کی جنگ میں جھونک کر۔ جیسا کہ اس جنگ بندی سے قبل اردگان نے اپنی ایک تقریر میں کہا: ”میں نے مسٹر پیوٹن سے کہا ہے کہ آپ وہاں (شام میں) کیا کر رہے ہیں؟ اگر آپ وہاں فوجی اڈہ بنانا چاہتے ہیں تو بنالیں مگر ہمارے راستے میں نہ آئیں۔“

یاد رہے روافض کی تمام تر پیش قدمی اردگان کی شعوری مدد کے تحت ہوئی، جس سے اردگان نے اپنے مفادات کی راہ کھولنا چاہی، جیسا کہ ہم سابقہ شماروں میں بھی مطلع کر چکے ہیں۔ جب یہ رافضی پیش قدمی اپنے عروج پر تھی عین اس وقت ترک زیر اثر NLF کے جنگجوؤں نے بہت سے مقامات پر احتجاج کیا تھا کہ ہمیں روافض کے خلاف جنگ کی اجازت کیوں نہیں دی جارہی۔

اور یہاں ایک سبق بھی ہے مختلف سرکاروں اور ایجنسیوں کے تحت رہ کر جہاد کرنے والوں کے لیے! جب ترکی نے بشار کے خلاف حالیہ زمینی و فضائی جنگ شروع کی تو ترک سرحد سے ایک ہزار کلومیٹر دور اردن سرحد کے قریب، درعا کے اہلِ سنت نے بشاری انتظامیہ سے بغاوت کردی اور سکیورٹی کے لوگوں کو گرفتار کرلیا، محض اس غلط فہمی میں کہ اردگان کی فوجیں درحقیقت ہماری نصرت کو آئی ہیں۔ اب جبکہ اردگان تو روس سے جنگ بند کر چکا ہے تو سوال یہ ہے کہ اب درعا کے ان حریت پسندوں کا کیا ہوگا؟؟

بیری لگایئے، اس پر شہد کی پیداوار کیجیے اور اپنی اور قوم کی معاشی بدحالی دور کیجیے: وزیر اعظم عمران خان

ہم قوم کو مرغیاں دیں گے اور چوزے دیں گے، ہم بکریاں دیں گے، ہم کٹّوں اور وچھّوں کی تقسیم کریں گے اور بالآخر شہد کی مکھیاں اور بیری کے فوائد۔ یہ ہیں دنیا کی واحد ’اسلامی‘ ایٹمی قوت پاکستان کے وزیر اعظم کی معاشی پالیسیاں ملک و قوم کو معاشی بحران سے نکالنے کے لیے۔ یہ محض مزاح نہیں ہے۔ ملک کی معاشی حالت اب تک کی سب سے ابتر حالت پر ہے اس کے باوجود کہ ملک میں ظالمانہ ٹیکسوں کی شرح اب تک کی بلند ترین سطح پر ہے۔ اس سب کے باوجود بھی جبکہ گوادر بندرگاہ سمیت سی پیک کے کئی منصوبے اور آزاد کشمیر و گلگت کے اہم اسٹریٹجک مقامات چین کو بیچ دیے گئے ہیں اور ان پر باقاعدہ چینی فورسز اور انتظامیہ موجود ہیں۔ ملک کے کئی اہم ادارے اور شاہراہیں آئی ایم ایف، عالمی و ایشیائی بینکوں کو رہن رکھوادی گئی ہیں۔ اس سب کے باوجود جبکہ عالمی منڈی میں تیل کی قیمتیں حیران کن حد تک گریں پاکستانی عوام کی معاشی حالت پر اس کا رتّی برابر بھی فرق نہیں پڑا۔ اور یہ تمام ”شاندار اقدامات“ حالیہ دورِ حکومت ہی میں کیے گئے ہیں۔ ہمارے مادیت پرست معاشرے میں اسلام تو خیر رہا ثانوی حیثیت پر کہ اس کی بات کی جائے کہ یہ حکومت اس کے خلاف کہاں کہاں برسر پیکار ہے اور تقریباً ہر پاکستانی جانتا ہے کہ اس کٹھ پتلی حکومت کی ڈوریں کہاں سے ہل رہی ہیں اور اس کو چلا اور استعمال کون کر رہا ہے۔ پس ہم اپنے محبوب پاکستانی مسلمانوں سے محض اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ مجاہدین آپ کے بیٹے اور آپ کے خیر خواہ ہی ہیں۔ مجاہدین پاکستانی نظام اور فوج سے آپ ہی کے دین و دنیا کی بھلائی میں برسرپیکار ہیں۔ بابرکت و رحمت والے اسلامی نظام کے سائے میں مسلمان عوام کی بھلائی، تعمیر و ترقی اور معاشی خوش حالی ہی مجاہدین کا مقصد ہے۔ جیسا کہ امارت اسلامیہ افغانستان اپنے زیر حکومت علاقے میں عوام کو ان کی زندگی کی تمام ضروریات مہیا کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہے کیونکہ یہ بہر صورت ایک اسلامی حکمران کا فریضہ ہے۔ (باقی صفحہ نمبر 121 پر)

افغانِ خدا مست!

اشعار: سلیم نازؔ بریلویؒ

افغانِ خدا مست کے ایماں کی ادا دیکھ
اس دور میں پھر معرکۂ کرب و بلا دیکھ

پھر نعرۂ تکبیر سے لرزاں ہیں کہستاں
جولاں گاہِ شیرانِ خدا، دشت و بیاباں
پھر کابل و قندھار میں باطل ہے پریشاں
ظلمات میں پھر جلوۂ ایمان و وفا دیکھ
افغانِ خدا مست کے ایماں کی ادا دیکھ
اس دور میں پھر معرکۂ کرب و بلا دیکھ

ہیں مملکتِ عشق میں طوفان غموں کے
اور زیست سے مٹتے ہوئے آثار دموں کے
طیاروں کا وہ شور، دھماکے وہ بموں کے
انسان کو دو پائے درندوں میں گھرا دیکھ
افغانِ خدا مست کے ایماں کی ادا دیکھ
اس دور میں پھر معرکۂ کرب و بلا دیکھ

اڑتے ہوئے لاشوں کے پرخچے وہ صدائیں
بارود کی بو، باس، دھوئیں کی وہ گھٹائیں
شیروں کی گرج، ماؤں کی بہنوں کی دعائیں
لاشیں ہیں کہ بکھرے ہوئے کچھ نقشِ وفا دیکھ
افغانِ خدا مست کے ایماں کی ادا دیکھ
اس دور میں پھر معرکۂ کرب و بلا دیکھ

اک حق کے لیے سارا جہاں چھوڑ دیا ہے
شیروں نے ہر اک کفر کا منہ موڑ دیا ہے
الحاد کے ابلیس نے دم توڑ دیا ہے
میداں میں فتوحاتِ شہیدانِ خدا دیکھ
افغانِ خدا مست کے ایماں کی ادا دیکھ
اس دور میں پھر معرکۂ کرب و بلا دیکھ

اہم ترین فرضِ عین!

’’مسئلہ محض افغانستان یا فلسطین کی آزادی کا نہیں بلکہ ہر اس خطۂ
زمین کا ہے جو ایک دن کے لیے بھی اسلام کے جھنڈے کے تابع
رہا۔ پس خوب سمجھ لیجیے کہ جہاد آج فرض عین نہیں ہوا، نہ ہی محض
افغانستان میں فرض عین ہوا۔ بلکہ اس وقت سے فرض عین ہے جب
اسلامی سرزمینوں کا پہلا چپہ کفار کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔
یہ جہاد فرض عین رہے گا یہاں تک کہ ہر اسلامی سرزمین واپس
مسلمانوں کے ہاتھ میں لوٹ آئے!‘‘

شیخ عبد اللہ عزام شہید رحمۃ اللہ علیہ